تحقیقات

العلماء الکرام والائمۃ الاعلام
فی نبوۃ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام
فی عالمی الارواح والاجسام

مصنف
اشرف العلماء شیخ الحدیث
علامہ محمد اشرف سیالوی زیدہ مجدہ العالی

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام، یونیورسٹی روڈ سرگودھا

اضافہ شدہ اشاعتِ ثانی

تحقیقات

العلماء الکرام والائمۃ الاعلام
فی مسئلۃ نبوۃ سید الانام علیہ الصلاۃ
والسلام فی عالمی الارواح والاجسام

اشرف العلماء، شیخ الحدیث والتفسیر
ابو الحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ

ناشر
جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	تحقیقات العلماء الکرام والائمۃ الاعلام فی مسئلۃ نبوۃ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام فی عالمی الارواح والاجسام
مصنف	اشرف العلماء شیخ الحدیث والتفسیر ابو الحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی
ضخامت	۴۰۸ صفحات
قیمت	
ناشر	جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودہا
تاریخ اشاعت (باردوم)	نومبر 2010ء / ذی الحج ۱۴۳۱ھ

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام، کالج روڈ سرگودہا، 0483-724695

جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ 0544-633881

فہرست مضامین

حضور سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ کا نظریہ:

جبریل علیہ السلام 27 رجب کو پیغمبری لے کر آئے۔ (غنیۃ الطالبین)

حضور پیر سیال کے استاذ شارح بخاری، حافظ عمر دراز علیہ الرحمہ کا نظریہ:

''حضور ﷺ کی نبوت کی مدت 23 سال تھی اور حضور کا فرمان خشیت علی نفسی بار نبوت کی وجہ سے تھا کہ میں نبوت کی ذمہ داری کیسے اٹھاؤں گا'' (منح الباری ص:9)

حضور پیر سیال خواجہ شمس العارفین علیہ الرحمہ کا نظریہ:

''پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تمہیں خوشخبری ہو کہ حضور ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کا آغاز ہے''

(مرآۃ العاشقین فارسی، ص:20، اردو، ص:29)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ارشاد:

جب سورۂ اقرء نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی تو قریب تھا کہ کلام الٰہی کی ہیبت سے روح اقدس پرواز کر جائے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ!، جب چادر اوڑھائی گئی تو آپ کا اضطراب کم ہوا'' (مطلع القمرین ص:123)

حضور پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کا ارشاد:

چوں رسید ﷺ بچھل سال و یک روز خدائے تعالی بروے نبوت نازل فرمود۔ جبریل علیہ السلام در غار حراء بروے فرستاد (تحقیق الحق، ص:133)

''جب حضور ﷺ کی عمر 40 سال اور ایک دن کو پہنچی تو اللہ نے آپ پر نبوت نازل فرمائی اور غار حراء میں جبریل امین کو آپ کی خدمت میں بھیجا آپ کی نبوت کا آغاز 8 ربیع الاول کو ہوا''

سخنِ اوّلیں

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی ذات اقدس محورِ ایمان اور مدارِ ایقان ہے۔ آپ کی نبوت ورسالت اور دیگر کمالات عالیہ کا دل وجان سے اقرار، ایمان واسلام کا اولین تقاضا اور ان کا انکار بدترین کفر اور گمراہی کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی صاحب ایمان بقائمیٔ ہوش و حواس کسی بھی ایسے قول وفعل کا مرتکب نہیں ہوتا جو بارگاہِ رسالت کے ادب وتعظیم کے منافی ہو۔ اور اگر کوئی شخص بدقسمتی سے اس جرم کا مرتکب ہو تو اس کے لیے قرآن وسنت میں جو احکام ہیں وہ اہل علم سے قطعاً پوشیدہ نہیں۔ علمائے دیوبند اور دیگر گمراہ فرقوں سے ہمارے اکابر کا سخت ترین رویہ اور ان کے بارے میں امام اہل سنت، مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر درجنوں اکابرین علیہم الرحمہ کی تصنیفات وتالیفات اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک مقامِ رسالت کے منکرین اور گستاخانِ نبوت کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود نہیں۔ جب کمالاتِ نبوت ورسالت کا انکار اور نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اتنا قبیح اور شنیع جرم ہے تو کسی پر اس کی فردِ جرم عائد کرتے ہوئے بھی حزم واحتیاط کا دامن ہرگز نہیں چھوڑا جانا چاہیے۔ اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر سے پہلے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جس احتیاط کا مظاہرہ کیا اور ہر ممکن ذریعے سے اتمام حجت کیا وہ ان کی کتابوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔

گزشتہ کئی مہینوں سے اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ العالی کے حوالے سے علماء، واعظین اور مقررین کے ہاں عجیب وغریب نظریات دیکھنے اور سننے کو مل رہے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ (معاذ اللہ) ”انہوں نے سرکار کی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا“

کوئی انہیں ''بے ادب اور گستاخ'' تو کوئی ''علمی گھمنڈ کا شکار'' کہہ کر اپنا ''مذہبی فریضہ'' ادا کر رہا ہے۔ یہ ساری باتیں سن کر اور اہل علم اور صاحبان محراب و منبر کا یہ رویہ دیکھ کر دل پر جو کیفیات گزرتی رہیں انہیں تحریر کی صورت نہیں دی جاسکتی انہیں صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ میں یہاں پر اپنے ہم عصر اہل علم اور معترضین سے چند گزارشات کرنا چاہوں گا:

(۱) بعض لوگوں کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ عربی عبارت درست نہیں پڑھ سکتے، جن کا مطالعہ تقریروں کی کتابوں تک اور وسعت معلومات چند کیسٹوں اور سی ڈیز تک محدود ہے، لیکن انہوں نے اس معاملے کو یوں اچھالا جیسے یہ بچوں کا کھیل ہو، اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ عقائد کی دس معتبر عربی کتب کے نام گنوا دو تو شاید وہ نہ گنوا سکیں، نہ ہی انہیں اس بات کا علم ہے کہ معتقدات کے کتنے مراتب ہیں، اور مسئلہ مجوث فیہا کا تعلق کس مرتبے سے ہے۔ امہات کتب تک ان کی رسائی نہیں۔ لیکن انہیں بھی سستی شہرت کا شوق چرایا، میں ان سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اتنی عظیم شخصیت جس کے تلامذہ کے تلامذہ آج مسند تدریس کی رونق ہیں، جس کی ایک درجن سے زائد کتب، ہزاروں خطبات اور بیسیوں تلامذہ ان کی علمی وجاہت کی دلیل ہیں۔ جس کی ساری زندگی بدعقیدہ لوگوں کے خلاف جہاد میں گزری، مناظرۂ جھنگ کی فتح و نصرت جس کے ماتھے کا جھومر ہے۔ آپ کس منہ سے ان کی شان میں لب کشائی کر رہے ہیں؟ آپ خاموشی اختیار فرمائیں اس لیے کہ آپ اس طرح کے مسائل میں گفتگو کے اہل نہیں ہیں۔ یہ علماء کا باہمی مسئلہ ہے۔

(۲) اہل علم جو اس مسئلے میں گفتگو کے اہل ہیں ان پر یہ افسوس ہے کہ سوائے دو یا تین اہل علم کے کسی بھی مہربان نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل مسئلہ ہے کیا؟ حضرت اشرف العلماء کا کیا موقف ہے؟ اس موقف کے دلائل کیا ہیں؟ کیا ان کا موقف اکابر اہل سنت کے موقف سے جداگانہ ہے؟ یا وہی موقف ہے جس کی تصریحات درجنوں اکابر اپنی اپنی

تصانیف میں فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر سنی سنائی باتوں اور سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے مخالفت اور کردار کشی کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ کم از کم اہل علم سے اس سلوک کی قطعاً توقع نہیں کی جا سکتی تھی مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جب سے یہ مسئلہ اٹھا ہے، بارہا حضرت الاستاذ نے متعدد حضرات کی موجودگی میں برملا کہا کہ

''میں اپنی بات کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا، اگر کسی اہل علم کو میری رائے سے اختلاف ہو تو وہ وضاحت فرمائیں اگر ان کی بات اکابر کی رائے کے موافق ہوئی تو اسے ضرور تسلیم کیا جائے گا''

(۳) میں احباب اہل سنت سے بالعموم اور علمائے کرام سے بالخصوص یہ گزارش کروں گا کہ ہمارے ہاں رجالِ کار کی پہلے ہی کمی ہے۔ ایک ایک شخص کئی کئی میدانوں میں مصروف کار ہے جو کوئی دنیا سے جاتا ہے اس کا کوئی متبادل نظر نہیں آتا۔ ایسے میں اپنے ہی ہم مسلک علماء کے ساتھ مخاصمت اور منافرت کا یہ تعلق کسی طرح بھی مناسب نہیں، باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ گفتگو کے ذریعے ہو سکتا ہے، لیکن اگر ہر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کر دوسرے پر تیر طعن پھینکتا رہے تو خلیجیں بڑھتی رہتی ہیں۔

(۴) ہمارے بہت سے مہربان ایسے ہیں کہ جن کی تیغ زبان و قلم پچھلے عرصے میں حضرت اشرف العلماء پر مسلسل حملہ آور رہی ہے، لیکن مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آسکی کہ انہوں نے صاحبزادہ نصیر الدین نصیر کی وفات پر خصوصی نمبر شائع کیے، اپنے رسائل و جرائد میں ان کی ''خدماتِ دینیہ'' اور ان کے علم و فن کا اعتراف کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، حالانکہ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے وفات سے تقریباً آٹھ سال پہلے سے نجدیت کی بولی بولنی شروع کی، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام علیہم الرضوان سے استمداد و استعانت کو

شرک ٹھہرایا، انبیاء واولیاء کو من دون اللہ قرار دیا، اور ان پاکیزہ ہستیوں کو ایسے مجرم سے تشبیہ دی جسے کسی جابر بادشاہ نے الٹا لٹکایا ہوا ہو اور ان پر تیر وتفنگ اور ہر قسم کے اسلحہ کو استعمال کر رہا ہو اور طرفہ یہ کہ حضرت نے یہ سب کچھ حضرت سیدنا غوث اعظم اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ علیہما الرحمہ کی مقدس ذوات کی طرف منسوب ٹھہرایا، بعض تقاریر میں حضرت مولائے مرتضی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل تسلیم کر کے مخالف کو مناظرہ کا چیلنج کیا (اصل تقریر محفوظ ہے) یہاں پیر صاحب کی کتاب "اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت" کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں؛ یاد رہے کہ یہ کتاب لحۂ موجود تک پوری آب وتاب کے ساتھ شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہے:

اقتباس (۱):

"مقام غور ہے کہ جو شخصیت پوری زندگی اللہ کو یا غوث کہہ کر پکارتی رہی آج ہم لفظِ غوث کو اسی شخصیت کے لیے مختص سمجھتے ہیں از راہِ انصاف خود فیصلہ کیجیے کہ اگر ہم پیرانِ پیر کو یا غوثِ اعظم کہہ کر پکاریں گے تو وہ خوش ہوں گے یا اس ذات کو یا غوث کہہ کر پکارنے میں خوش ہوں گے کہ جس کو خود پیران پیر پوری زندگی یا غوث کہہ کر یاد کرتے رہے" (ص:20)

(۲):

"انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے کسی نبی یا رسول کو مدد کے لیے نہیں پکارا، بلکہ سب نے صرف اللہ ہی کو پکارا" (ص:21)

(۳):

"انبیاء اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فضل بعضهم علی بعض کی وضاحت کے باوجود ہم میں سے کوئی افضل وارفع نبی یا رسول اس لائق نہیں کہ اسے مدد کے لیے پکارا جائے من انصاری الی اللہ جیسی آیات کا مفہوم بھی وہ نہیں ہے جو آج کل ہمارے ہاں مروج ہے بلکہ اس تعاون کی دعوت سے مراد بھی دنیا میں مدد حاصل کرنا ہے" (ایضا)

:(۴)

''معترض صاحب اگر اب بھی میری بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان پر لازم ہے کہ میری پیش کردہ حدیث اور دلائل کے مقابلے میں کوئی ایسی حدیث پیش کردیں جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت سے مانگ لینے اور اسے بوقت مشکل پکار لینے کی اجازت دی گئی ہو، آج تک میرے مطالعہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں آئی بلکہ تمام مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی ایک حدیث شریف بھی نہ پڑھی اور نہ کسی سے سنی الخ'' (ص:30)

:(۵)

''آج ہمارے مومن کہلوانے والے اسی دوہرے طرز عمل کا شکار ہیں۔ جب ہر طرف سے طوفان اور مصیبتیں گھر لیتی ہیں تو خالص العقیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یا اللہ بس تو ہی تو ہے تو بچالے، تیرے سوا اور کوئی نہیں، لیکن جب بچ کر خشکی پر پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں بزرگ نے مہربانی کی، مرشد کریم نے کرم فرمایا، غوث پاک نے بچالیا، غریب نواز نے سہارا دیا وغیرہ وغیرہ'' (ص:92)

:(۶)

''قرآن وسنت کے دلائل قطعیہ سے یہ امر آفتاب نیمروز کی طرح مبرہن ہو چکا کہ مافوق الاسباب استعانت کے لائق صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے، ہاں تحت الاسباب امور میں استعانت کی نسبت مخلوق کی طرف کی جاسکتی ہے اور یہ شرعاً ممنوع نہیں'' (ص:113)

(ان اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد) کیا ہمیں اپنے مہربانوں سے یہ پوچھنے کی اجازت ہے کہ جس شخص نے تقریباً آٹھ سال تک نجدی عقائد کی تبلیغ کی ہو، جس کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے عقائد متزلزل ہوئے ہوں، جس کے حوالے دیوبندی علماء اپنی مجالس ومحافل میں دے کر کہتے ہوں کہ اصل پیر تو یہ شخص ہے، جس نے حضرت سیدنا غوث اعظم سے استعانت

کو بھی شرک قرار دیا ہو، وہ تو یہ سب کچھ کرنے کے بعد قابل احترام بھی رہے، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اس کی خدمات کا اعتراف بھی کیا جائے، اور اسے غوث اعظم کا سچا وارث سمجھا جائے اور دوسری طرف جس کی ساری زندگی نجدی عقائد کی تردید اور مسلک حق کی ترویج میں بسر ہوئی ہو، جس نے جھنگ شہر جیسے مرکزِ نجدیت میں، سپاہ صحابہ جیسی گھناؤنی جماعت کے لیڈر کے چھکے چھڑا کر اہل سنت کا دفاع کیا ہو، جس کی ساری زندگی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر کا دفاع کرتے ہوئے گزری ہو، وہ اس لائق بھی نہیں کہ اس سے پوچھ ہی لیا جائے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ کا صحیح موقف کیا ہے؟ اور پھر اتنی تکلیف بھی گوارا کر لی جائے کہ اس سے پوچھنے کے بعد اکابر اہل سنت (بشمول مفسرین، شراح حدیث، صوفیائے امت، صلحائے ملت) کی کتابیں ہی دیکھ لی جائیں کہ آخر ہمارے یہ مقتدا اور پیشوا ہمیں کیا رستہ دکھا کر گئے ہیں۔

راقم ایک دفعہ لاہور میں مکتبہ نبویہ پر حاضر ہوا، علامہ اقبال احمد فاروقی زید مجدہ جلوہ فرما تھے، کسی بات پر اشرف العلماء کا ذکر چلا تو یوں گل فشاں ہوئے:

''یہ وہی مولانا اشرف صاحب ہیں جو غوث اعظم کے گستاخ ہیں''

راقم ان کے اور اپنے درمیان عمر کے تفاوتِ عظیم کی وجہ سے خاموش رہا، ورنہ جی چاہا کہ دامن پکڑ کے پوچھوں کہ حضور! جس غریب نے صرف اتنا کہا کہ ''قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' کے عموم میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور خود حضور غوث اعظم علیہ الرحمہ کے اکابر مشائخ داخل نہیں وہ تو آپ کی نظروں میں گستاخ ہے (اگرچہ اس نظریہ پر درجنوں اکابر کی تصریحات موجود ہیں) لیکن جو انہیں بھی اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کو ایک مجرم، بے بس اور کمزور ترین شخص سے تشبیہ دے رہا ہے وہ لائق صد تکریم و تعظیم ہے۔ ایسے مواقع پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں اکابر اہل سنت کا موقف:

حضرت اشرف العلماء کے خیال میں اس مسئلہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ:

"عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام کے احکام جدا جدا ہوتے ہیں، روح مجرد عن البدن اور روح مع البدن کے احکام، تقاضوں اور معاملات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقول عرفائے امت عالمِ ارواح میں بایں معنی نبوت و رسالت سے نوازا کہ آپ کی روح اقدس، ارواح انبیاء اور ملائکہ کی معلم و مربی ٹھہری۔ لیکن عالمِ اجسام میں بشمول سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کو بھی چالیس سال سے پہلے مقام نبوت پر فائز نہیں کیا گیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ رہی، اور ارواح کے مادی اجسام میں آجانے کے بعد بشری اجسام کا تقاضا بھی یہی تھا کہ یہ بارِ عظیم ان پر اسی وقت ڈالا جائے جب وہ جسمانی، روحانی اور ذہنی طور پر اس کے لیے مکمل طور پر تیار ہو چکے ہوں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر، پہلے سچی خوابوں کا آنا اور اس طرح کے امور اسی استعداد اور صلاحیت کو اتمام تک پہنچانے کے لیے تھے"

حضرت اشرف العلماء نے پیش نظر کتاب میں اس دعویٰ پر قرآن و سنت، ارشادات علمائے کلام، تصریحات علمائے ظاہر، اور فرامین صوفیاء و صلحاء کی روشنی میں بھرپور گفتگو کی ہے۔

یہاں ہم چند غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں:

(۱) بعض مہربانوں نے یہ سمجھ لیا کہ چالیس سال سے قبل اعطائے نبوت ثابت نہ کرنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے حالاں کہ اگر وہ نظر انصاف سے اشرف العلماء کی تحریر پڑھیں گے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس پر غور فرمائیں گے تو حقیقت کو اس کے برعکس پائیں گے۔ چالیس سال سے قبل نبوت عطا نہ فرمائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصہ میں ایک عام عرب شخص کی طرح زندگی گزارتے رہے، بلکہ عصمت الٰہی، عفت و پاک

دامنی، راست گفتاری و درست گوئی اور اس جیسے اوصاف عالیہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آراستہ فرمایا، اور یہی اوصاف ایک مومن کامل کے لیے مقام ولایت تک پہنچنے کے اسباب بنتے ہیں، گویا آپ کی قبل از نبوت کی زندگی ایک کامل ترین انسان اور عارف حق کی زندگی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے قبل از نبوت کی حیات طیبہ کو بطور دلیل پیش فرمایا۔

(۲) دوسری طرف ہمارے مہربانوں کی نظر شاید اس طرف نہیں گئی کہ پیدائشی طور پر نبوت تسلیم کرنا (قرآن وسنت کی تصریحات اور اکابر کی سینکڑوں وضاحتوں کے تو خلاف ہے ہی) کتنے ہی ایسے لاینحل مسائل پیدا کر دے گا جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ تفصیل انشاء اللہ کتاب میں اپنے مقام پر آپ ملاحظہ کریں گے۔

(۳) آخر میں اہل علم سے صرف اتنی گزارش ہے کہ اس تحریر کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پوری توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس کو خلاف حق سمجھیں تو علمی انداز میں خامیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ حضرت اشرف العلماء نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اکابر کی ترجمانی کی ہے۔ اگر ان کی تحقیق اہل علم کی نظر میں اصلاح طلب ہے تو ضرور اصلاح فرمائیں ہم انشاء اللہ شخصیت کی پیروی کی بجائے حق کی پیروی کریں گے یہی ہمارے اساتذۂ کرام کی ہمیں تربیت ہے، ہماری یہی دعا ہے:

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه آمین

وصلی اللہ تعالی علی حبیبه سیدنا محمد اشرف الخلق اجمعین

ناکارۂ خلائق

محمد سہیل احمد سیالوی

یکے از تلامذۂ اشرف العلماء

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ / اپریل 2010ء

تأثرات :

استاذ العلماء،عمدۃ الفضلاء،شیخ الحدیث والفقہ

حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الرشید رضوی قادری

دامت برکاتہم العالیہ

خلیفۂ مجاز حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ،فارغ التحصیل دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف،سابق خطیب جامع مسجد رضوی فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم،نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،اما بعد:

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد اشرف سیالوی زید مجدہ نے جو تحقیق انیق کی ہے اس کے بعد کسی کے خیالات باطلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رکھی،ہم اپنے اسلاف کرام کی راہ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے،اسی پر عمل پیرا ہوں گے۔امام عبد الشکور سالمی جو حضرت داتا گنج بخش علیہا الرحمہ کے ہم عصر ہیں،اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی،حضور پیر سیال،حضور غوث اعظم اور حضرت پیر مہر علی شاہ علیہم الرحمہ سب کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اعلان نبوت سے قبل بالقوۃ اور اعلان نبوت کے بعد بالفعل نبی تھے،علامہ سیالوی کی تحقیق کامل واکمل ہے مخالفین میں سے کسی نے دلائل کے ساتھ اس کا جواب نہیں دیا۔فقط

محمد عبد الرشید رضوی
مہتمم جامعہ قطبیہ رضویہ
چک نمبر ۲۳۳،تحصیل وضلع جھنگ
۲۲ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بروز ہفتہ

تأثرات :

حضرت علامہ مولانا صالح محمد نقشبندی

صدر مدرس ،مدرسہ غوثیہ فیض العلوم، میانہ محلہ،میانوالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم،الصلوۃ والسلام علیك یاسیدی یارسول اللہ

وعلی الك واصحابك یاسیدی یاحبیب اللہ

حضور نبی کریم، شفیع معظم ،احمد مجتبیٰ حضرت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو بالفعل نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہونے کے بارے میں، محسن اہل سنت و مناظر اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی نفع اللہ بہ عبادہ کے دلائل کو بغور پڑھنے کا موقع ملا اور نہایت مضبوط پایا۔ اس بارے میں جتنے بھی اعتراضات ممکن تھے حضرت نے سب کے تشفی بخش جوابات بھی دیے ہیں۔ قرآن وحدیث اور تصریحات اکابر سے اپنے موقف کو واضح فرمایا۔ان کے بیان کردہ حقائق کو یکسر مسترد کر دینا اور ایسا موقف اپنانا کہ جو اکابرین کے بارے میں غلط فہمیوں کو جنم دے اور پھر اس پر دلائل دینے کی بجائے فریق مخالف پر طعن وتشنیع کرنا اور ان کے ساتھ اس موضوع پہ گفتگو کرنے سے بھی گریز کرنا یہ نہ مسلک کے لیے فائدہ مند ہے اور نہ ہی کوئی دین کی خدمت ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے پیروکار ہیں۔حالانکہ اعلیٰ حضرت نے تو اپنے مخالفین کی گستاخانہ عبارات پر از خود مناظروں کے لیے انہیں بلایا،خطوط بھیجے ،اپنے نمائندے بھیجے کہ جہاں چاہو میں بات کرنے کو تیار ہوں اور یہ کیسی اعلیٰ حضرت کی عقیدت مندی ہے کہ ایک بندہ زندہ سلامت موجود ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ آؤ میرے ساتھ اس مسئلہ پہ بات کرو لیکن نہ کوئی ان کے پاس جا رہا ہے اور نہ ہی کوئی انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دینے کیلئے تیار

ہے۔اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ میرے موقف کے خلاف کسی مسلمہ بزرگ کے ارشادات پیش کردو اور مجھے اس بارے میں قائل کردو تو میں رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔حضرت شیخ الحدیث کے موقف کے مخالفین علماء کرام سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ اہل سنت پر رحم فرمائیں۔اور جو دلائل ان کے پاس اپنے موقف کے موقف کے لیے موجود ہیں ان کو سامنے لائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے ،اور جس فریق کا موقف درست نہ ہو وہ رجوع الی الحق (جو کہ اہل حق کا شیوہ رہا ہے) سے گریز نہ کریں۔

فقیر کو التحقیقات پڑھنے کا اتفاق ہوا، کتاب مذکور علمی جواہر کا مرقع اور تحقیق وتدقیق کا بے کنار ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور جسے بھی رب لم یزل ولایزال نے شغف علم سے حظ وافر تفویض فرمایا ہے، وہ اسے پڑھ کر یوں گویا ہوا:

للہ در المصنف

ضلع لیہ بالخصوص تحصیل چوبارہ کے کچھ حضرات سے اس بارے میں بات ہوئی جو کہ سیالوی صاحب سے نالاں تھے، جب قبلہ کا موقف بدلائل سماعت کیا تو بے ساختہ بول اُٹھے کہ حقیقت میں مسئلہ اب سمجھ آیا۔اسی طرح بازوشریف میں بات چلی، بعد از سماعت دلائل آستانہ کے صدر مدرس فرمانے لگے کہ جب تفاسیر اور علامہ نبہانی کی تحریرات پڑھی جاتی ہیں تو سیالوی صاحب کا موقف روشن اور منور ہوجاتا ہے۔

مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب (کراچی) نے فرمایا کہ علامہ سیالوی صاحب کا موقف پیچیدہ ضرور ہے لیکن بنظر عمیق جائزہ لینے سے حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔

''تحقیقات'' کے دلائل وبراہین اور تحقیقات وتدقیقات کے سامنے ''تجلیات'' کبیت العنکبوت نظر آتی ہے اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے   اس میں ہے کیا قصور بھلا آفتاب کا

صد حیف کہ قبل ازیں جب کبھی تنازع واختلاف کی تند و تیز آندھوں نے خرمن اہل سنت کی جانب رخ کیا، یا سیل رواں کی لہریں اہل سنت کے کھلیان کو خس وخاشاک کی مانند بہا کر لے جانے کے لیے لپکیں تو اس پر ہول اور دور میں حضور قبلہ تند و تیز آندھیوں اور سیل رواں کے سامنے کوہ ہمالیہ ثابت ہوے، اور مسلک کو ممکنہ تباہی و بربادی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گرنے سے بچا کر مسلک پر احسان عظیم فرمایا۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی معظم ومحترم ومعتبر ہستی کے ساتھ اس وقت اردو خواں طبقہ الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے، جن کی صورت حال یہ ہے کہ کتب درس نظامی کا ادراک تو کجا مبتدی کتب سے استفادہ جن کے بس کا روگ نہیں، بقول شخصے

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کر گسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ ورسم شہبازی

بقول سعدی شیرازی:

اگر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین - اللھم نور قلبی بنور علمك واشرح صدری بنور معرفتك وبارك وسلم۔

صالح محمد نقشبندی

صدر مدرس مدرسہ غوثیہ فیض العلوم

میانہ محلہ، میانوالی

تاثرات :

حضرت علامہ مولانا محمد عمر حیات باروی زید مجدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسول الکریم، اما بعد:

حضرت علامہ اشرف العلماء محمد اشرف سیالوی دام فیوضہ کی نئی تصنیف تحقیقات کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔بفضلہٖ تعالیٰ کام مطابق نام اور اپنے موضوع پر تام پایا۔امام المناظرین علامہ سیالوی صاحب کا یہ پہلا تحقیقی شاہکار نہیں ہے، قبل ازاں انکی مصنفات، تحفہ حسینیہ، کوثر الخیرات، تنویر الابصار بنور النبی المختار ﷺ، جلاء الصدور وغیرہم اپنی عظمت وحقانیت کا سکہ منوا چکی ہیں۔علامہ سیالوی صاحب کے معاندین بھی انکی ندرت کے معترف، گن گاتے، استفادہ کرتے اور ان سے استدلالات پیش کرتے ہیں۔علامہ موصوف کا امتیاز یہ ہے کہ وہ محض تصنیفات کی تعداد بڑھانے کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ تحقیق طلب مسائل کو ہی موضوع بناتے ہیں اور ہمیشہ فلیظھر العالم علمہ پر لبیک کہتے اور اسکا حق ادا کرتے ہیں۔

بندہ کو تحقیقات کی طباعت پذیری سے قبل بھی اس موضوع پر مطالعہ تھا خصوصاً جب سے جناب صاحبزادہ نصیر الدین گولڑوی سے مناقشہ سامنے آیا تو تجسس بڑھتا گیا۔متعلقہ موضوع پر مسلک حقہ کی جس کتاب کو اٹھایا علامہ سیالوی صاحب کے مؤقف کا مؤید اور انکے حق میں ناطق پایا۔

تحقیقات کے نام سے ظاہر ہے کہ حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کسی نئے نظریہ کے بانی نہیں، کہ انکو موضوع سخن بنایا جائے، ہاں کسی کو اگر کہیں فسادِ استدلال، غلطی حوالہ، تحریفِ عبارت وغیرہ نظر آئے تو بحث کا حق ہے، لیکن اس میں کسی کو حق کلام نہیں، اور اسلام نے بلاوجہ علماء حقہ کی توہین وتحقیر کو کفر قرار دیا ہے۔اگر علامہ سیالوی صاحب جیسے علماء العلماء ورثۃ

الانبیاء،علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میں شامل نہیں تو میں ضفادع البئر سے پوچھتا ہوں ان احادیث کا مصداق کون ہیں؟

بندہ علمائے حقہ کا خوشہ چین ہے،علامہ سیالوی صاحب میرے نزدیک ان علماء مشاہیر سے ہیں جو سنیت کے ترجمان ،تنازعات میں مرجع اور جن کا قول ہمارے لیے قول فیصل ہے۔بندہ خود کو کسی تقریظ وتائید کے قابل نہیں سمجھتا۔چند واقعاتی ومشاہداتی تاثرات حوالہ قرطاس کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

تحقیقات واختلافات:

تحقیق کا مطلب کسی چیز کی مکمل چھان بین یا حق کو ثابت کرنا ہے۔اہل فن نے تحقیق کے دس سے زاہد معانی بیان کیے ہیں۔

مثلاً ۱) عالمانہ چھان بین اور تفتیش ۲) کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کیلیے محتاط تفکر وتدبر ۳) ہر چیز کی تفتیش یا چھان بین جو قابل اعتماد ذرائع سے ہو۔ ۴) تحقیق ایک طرز مطالعہ کا نام ہے۔جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔وغیرہم

(تحقیق کے اصول ومبادی)

پھر تحقیق کی بہت سی اقسام ہیں۔تاریخی تحقیق،تعمیری تحقیق،تجرباتی تحقیق وغیرہم۔اور اسکی اغراض میں سے سب سے اہم تطہیر فکر اور تعمیر فکر ہے۔

عزیزان والاشان:

ہمارا دعویٰ ہی نہیں،امر واقع ہے کہ ہمارے اہل سنت وجماعت کے تمام عقائد ونظریات کا ماخذ ومنبع ادلہ شرعیہ ہیں۔ہمارے امام،امام الائمہ،سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان: اذاصح الحدیث فھومذھبی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔اس کی شناخت کو قائم رکھنے والا اور مسلمہ اکابرین سے سرمو انحراف نہ کرنے والا ہی سنی بریلوی کہلاتا ہے۔

ایسے لوگ جو حق کے گویاں، حق کیلئے پویاں ہوں ان کے لیے علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کی "تحقیقات" مینارۂ نور ہے اور "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کا مصداق ہے، لیکن:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جن کا مدار محض مفروضے، قصے کہانیاں ہیں، جن کو تحقیق سے کوئی کام نہیں۔ جن کا نعرہ یہ ہے کہ

عاشقاں راچہ کار باتحقیق ہر کجا نام او قربانیم

ان کے لیے تحقیقاتِ علامہ سیالوی صاحب صدا بہ صحرا ہے یا بھینس کے سامنے بانسری بجانے کے مترادف۔ علامہ سیالوی صاحب کے معاندین نے بندہ ام (محمد عمر حیات باروی) اور دارالعلوم کے دیگر مدرسین کو سیالوی اینڈ کمپنی سے موسوم کر کے مراسلات شروع کر دیے، بندہ نے ایک خط میں مسلک حقہ کی تقریباً چالیس معتبر کتب کی اصل عبارات مع حوالہ جات پیش کیں کہ ہم بندگان حق ہیں جو ان کا مفہوم اور صحیح محمل ہے ہم اس کے پیرو ہیں۔ ان پر جو نقد و نظر ہے آگاہ فرمائیں۔

جو جواب موصول ہوا وہ بھی لاجواب تھا، اشرف علی تھانوی کے ملفوظات اور دیگر اردو رسائل کے چند اوراق کے فوٹو اسٹیٹ۔ سرورق مرقوم پر تھا "جی ان کو پڑھیے"۔ میں یہ دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

اور صوفی شیراز کا یہ شعر ذہن میں مچلنے لگا:

آنکہ چوں پستہ دیدمش ہمہ مغز پوست در پوست بود ہمچو پیاز

جب نام نہاد مناظر و محقق (نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا) کا مبلغ علمی اور کنہ مطالعہ کا یہ عالم ہو کہ اپنے اکابرین کی تصریحات و معتقدات سے نابلد ہی نہیں انھیں سمجھنے سے بھی

قاصر ہو، وہاں عام مقررین وواعظین کا کیا حال ہوگا جن کا مقصد ہی طبلہ نوائی اور بدلہ سنجی سے لوگوں کو بے وقوف بنانا ہوتا ہے۔ طرفہ یہ کہ ان موصولہ اوراق میں کوئی حوالہ علامہ سیالوی صاحب کے خلاف نہ تھا، نہ ہی میرے پیش کردہ کسی حوالہ کا جواب (اصل ریکارڈ موجود ہے)

ببیں تفاوت رہ از کجا اس تا بکجا

نقد ونظر:

تنقید بھی تحقیق کے اقسام سے شمار ہوتی ہے۔ تحقیق میں دریافت پر زور ہوتا ہے اور تنقید میں پرکھ پر، دونوں ہی تخلیق کی شاخیں اور ادب کی مختلف شکلیں ہیں جب قواعد وضوابط کے مطابق ہوں۔ میری دانست کے مطابق منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والا کوئی قابل ذکر انسان تنقید سے محفوظ نہیں

بقول حماسی: لا خیر فی من لیس یعرف حاسدٗ

فقہ کے امام ہوں یا حدیث کے، رازئ دوراں ہو، یا غزالی زماں سب کو نقد ونظر کی پر خار وادیوں سے گزرنا پڑا۔ مثبت تنقید محقق کیلئے احقاق حق میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ ذہنی بالیدگی اور نظر کی پختگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہر کہ ومہ اور ہیچ مداں کا کام نہیں۔

علامہ سیالوی صاحب مدظلہ پر تنقید کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ریسرچ ومہارت میں انکے ہم پلہ ہی نہیں عالی مرتبت ہو۔ جبکہ واقع میں ناقدین کی اکثریت ایسی ہے جو نقض ومنع کے مفہوم سے ناواقف، دلیل وشاہد کے فرق سے ناآشنا، مناظرہ، مکابرہ، معارضہ ، مجادلہ وغیرہا کی تعریفات سے بھی نابلد ہیں۔ محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے آسمان پر تھوکنے کا اوچھا ہتھکنڈا استعمال کر رہے ہیں۔

آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

مشاہیر علماء حقہ کی طرف سے کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا، صرف چند عقل کے بونے

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کے مطابق واویلا کر رہے ہیں۔ میری دانست کے مطابق:

☆ بہت سے نقادوں کو علم ہی نہیں ہے کہ متنازعہ مسئلہ کیا ہے، اور اسمیں علامہ سیالوی صاحب کا مؤقف کیا ہے۔

☆ تنقید موضوع سے عدم ملابست وممارست کی وجہ سے ہے۔

☆ تنقید بغیر وجہ شرعی اور محض تنقید برائے تنقید ہے۔

☆ علامہ سیالوی صاحب کے مؤقف کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

☆ جہاں کسی کو غبار نظر آیا اس کی نظر وفکر کا دھوکا ہے۔

جب ان معترضین سے کہا جائے کہ سٹیجوں اور سپیکروں پر ڈینگیں مارنے کی بجائے، وحدت سنیت کے مزید ٹکڑے کرنے اور دین ملا فی سبیل اللہ فساد کے بجائے آیئے سیالوی صاحب سے بالمشافہ ملاقات کر کے افہام وتفہیم کر لیں تو آئیں بائیں شائیں کرتے ہیں۔ ان بے پر کی اڑانے والوں کو یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ امت مسلمہ خصوصاً اہل سنت وجماعت کیلئے حضرت کے فاتحانہ مناظرے، بے مثل تقاریر، انمول تصانیف، لاجواب انداز تدریس، ایسے کارہائے نمایاں ایسی تنقید سے ہرگز دھندلے نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے محاسن ومحامد پر کوئی فرق پڑتے، ہاں ناقدین کیلئے خسران مبین ہے۔

دین اسلام کو زندہ لوگوں کی ضرورت:

یہ امر مسلم ہے کہ دین اسلام آخری عالم گیر اور زندۂ جاوید دین ہے۔ اس کی بنیاد ابدی عقائد ونظریات پر مبنی ہے اور وہ بوجہ عالمگیریت حوادثات وواقعات اور تنوع سے بھرا ہوا ہے۔ اسکا واسطہ مختلف انسانوں اور مختلف تہذیبوں سے ہے۔ اور جوں جوں مرور ایام سے کائنات کے پردے انسانی عقل وفکر کے سامنے کھلتے جا رہے ہیں تجسس وتحقیق کے عمل مسلسل کی ضرورت

بڑھتی جا رہی ہے۔ ان تبدیلیوں اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے خالق ارض وسما نے اپنے فضل وکرم سے امت محمدیہ ﷺ میں ایسے لوگ پیدا فرمائے اور فرماتا رہے گا جو اس کامل ومکمل دین کو افراط وتفریط سے بچا کر نئی نسلوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ اسی مردم خیزی اور شان مجددیت کی طرف آقا دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو كان العلم عند ثريا لذهب به الرجل من فارسٍ اومن ابناء فارسٍ حتى يتناوله (صحیح مسلم ص231 ج2)

''اگر دین ثریا پر ہوتا تب بھی فارس کا ایک شخص یا فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا''

ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنةٍ من يجدد لها دينها

(مشکوٰۃ المصابیح ص36)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو ان کا دین تازہ کرے گا''

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور کے فتنوں کی سرکوبی کیلئے اللہ رب العزت نے زندہ اشخاص سے ہی جس کو چاہا مجدد بننے کا اعزاز بخشا، اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کے قتل کرنے والے تاتاریوں کیلئے جب کوئی مزاحمت کار نہ رہا تو اللہ رب العزت نے انہی سے محافظ اسلام پیدا کر دیے۔

وللہ در القائل

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

میرا مقصد مصلحین ومجددین کا احصاء وشمار نہیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ غالباً کسی مجدد محقق کو خصوصاً دور حاضر میں تو نہایت ہی شاذ ونادر ہے کہ ایسے منصب ومرتبہ کے کسی شخص کو اس کی زندگی میں ایسا تسلیم کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر دور میں کام کو کرنے والوں کا دست وبازو بننے کی بجائے ان

کے دست وبازو باندھنے کی کوششیں کی گئیں۔مسائل میں الجھانے،مشکلات پیدا کرنے ،سازشیں پھیلانے کو معاصرین نے بطور فریضہ ادا کیا،لیکن وہی شخص جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو سب وشتم بکنے والے تعریفوں کے پل باندھتے ہیں،عرس اعراس میں مسابقت کرتے ہیں ،وغیرہ وغیرہ۔کاش یہ عقیدت ویگانگت انکی زندگی میں ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

این دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

المرام این کہ:

اے ممبر ومحراب کے وارثو!اور اے اصحاب حل وعقد!

آیئے آج بھی کسی ایسے محقق مجدد پر متفق ہوجائیں،جس کا قول پوری سنیت کیلئے قول فیصل ہو، علامہ سیالوی صاحب کو مرافعت سے تامل نہ ہوگا۔

اگر ایسا ممکن نہ ہوتو مسلمہ اکابرین شاہ عبدالحق محدث دہلوی ،امام اہل سنت اعلی حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی وغیرہما سے کسی کو فیصل مان لو،دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

الراقم

ابوالحسنات محمد عمر حیات باروی

خادم دارالعلوم حنفیہ بارویہ شمس المدارس رجسٹرڈ

تحصیل چوبارہ ضلع لیہ

رابطہ نمبر:0301-7850664 0312-7850664

تأثرات:

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی غلام حسن قادری زید مجدہ العالی

مفتی، دار العلوم حزب الاحناف، لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

فقیر نے اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کی تازہ کتاب "تحقیقات العلماء الکرام والأئمة الأعلام فی نبوة سید الانام فی عالمی الارواح والاجسام" دیکھی۔ حضرت کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی دلائل باہرہ سے مزین پایا، حضرت نے اس مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، اپنے موقف پر قرآن وسنت، اقوال علماء اور ارشادات اسلاف کی صورت میں ناقابل تردید دلائل جمع فرمانے کے ساتھ ساتھ تمام ممکنہ اشتباہات اور اشکالات کے شافی جواب بھی سپرد قلم فرمائے ہیں فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

فقیر اس مسئلہ میں مکمل طور پر آپ کے موقف سے اتفاق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو فہم ثاقب عطا فرمائے۔ اور انا کی چار دیواری سے نکل کر فہم حق کی دولت حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

غلام حسن قادری

مفتی، دار العلوم حزب الاحناف، لاہور

تأثرات:

فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل

حضرت علامہ مولانا غلام محمد بندیالوی شرقپوری زیدمجدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔الحمد لمن لمع اجنان العلماء الکرام والائمۃ الاعلام ومن اصطفٰی من عبادہ العلماء الائمۃ المجتہدین ومن شرح صدورھم اللشریعۃ وللنبوۃ النبویۃ ومن ارسل ثانیا فی عالم الاجساد بعد بلوغہ الاربعین سنۃ من عمرہ (الی) والصلوۃ والسلام علی النبی المختار وآلہ الاطھار وصحبہ الاخیار۔ اما بعد:

مدعٰی اور مقصود کو احاطۂ تحریر میں لانے سے قبل تین مقدمات کا ذکر ضروری ہے، تاکہ معترضین ومعاندین کے اعتراضاتِ کاسدہ اور اوہامِ فاسدہ مکمل طور پر مندفع ہو جائیں۔

مقدمۂ اولیٰ:

دارِ فنا میں دو قسم کے انسان ہیں، مسلم اور کافر۔ مسلم پھر دو قسم ہیں: عالم اور بے علم اور عالم پھر دو قسم ہیں: مجتہد اور غیر مجتہد۔اور عالم مجتہد وہ نفوس قدسیہ ہیں جو لائق تقلید واتباع ہیں۔جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، عالم غیر مجتہد کی بھی متعدد انواع واقسام ہیں، جوار باب علم سے مخفی نہیں ہیں۔غیر عالم کی بھی دو قسمیں ہیں مطیع اور غیر مطیع۔الحاصل غیر عالم کو کوئی الجھن درپیش ہو تو عالم کی طرف رجوع کرے اور اگر کسی عالم کو ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کی حقیقت تک اس کی عقل ودانش کی رسائی نہ ہو تو اس کو مستند اور ثقہ عالم بلکہ مجتہد کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔تاکہ وہ مسئلہ شمس اور امس کی طرح واضح اور روشن ہو جائے۔

مقدمۂ ثانیہ:

عصمت نبوت ورسالت کا خاصہ ہے لیکن خاصہ لازمہ بھی ہوتا ہے اور مفارقہ بھی، اور لازمہ مختص بہا کے مساوی بھی ہوتا ہے اور اخص بھی، اور حقیقیہ بھی ہوتا ہے اور اضافیہ بھی۔ کتابت انسان کا خاصہ ہے لیکن کتابت بالفعل خاصہ مفارقہ ہے اور کتابت بالقوہ خاصہ لازمہ ہے اور نوع انسان کے مساوی ہے لیکن کیونکہ ہر فرد انسانی کا بالقوہ کاتب ہونا ضروری ہے اور حیوان کی نسبت اخص ہے کیونکہ جہاں بھی متحقق ہوگا وہ حیوان کی جنس میں داخل ہوگا لیکن بعض انواع میں اس کا تحقق ناممکن بھی ہے۔ ماشی ہونا انسان کا خاصہ اضافیہ ہے کہ جمادات ونباتات میں اس کا تحقق نہیں ہوسکتا لیکن انسان کے علاوہ دیگر انواع حیوانیہ میں پایا جاتا ہے اور عرض عام بھی ہے انسان کیلئے اگرچہ ماشی بالقوہ حیوان کیلئے خاصہ مساویہ ہے۔ الغرض جو عرض عام کے مقابل ہے وہ خاصہ حقیقیہ ہے اور اضافیہ اور عرض عام میں منافاۃ نہیں ہے۔ عصمت، انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے مگر یہ عام ہے اور خاصہ حقیقیہ نہیں بلکہ اضافیہ ہے۔ ملائکہ بھی معصوم ہیں۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں حالت نبوت میں بھی اور نبوت سے پہلے بھی، لہذا محض عصمت کے تحقق سے بالفعل نبوت کا تحقق تو کجا انسانیت کا تحقق بھی لازم نہیں آتا فتامل حق التامل۔

مقدمۂ ثالثہ:

مسائل تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ضروریات دین۔ ضروریات عقائد اہل وسنت اور مختلف فیہ فیما بین اہل السنہ۔ پہلا قسم ایسا ہے جو دین میں بداہۃً ثابت ہوتا ہے اور اس میں انکار وعناد بلکہ شک وتردد بھی موجب کفر ہوتا ہے اور جو ایسے کافر کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے مثلاً زید، عمرو بلکہ ہر بچے اور پاگل اور چارپائے کو علم غیب میں رسول اللہ ﷺ کے مماثل اور مساوی قرار دینا آپ کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے۔

ضروریات وعقائد اہل سنت:

یہ وہ مسائل ہیں جو اہل سنت کے ہاں حتمی طور پر ثابت ہیں، ان کا منکر اہل سنت سے خارج ہوکر بدعتی فرقوں میں داخل ہو جائے گا۔ اور ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو جائیگا۔ مثلاً کوئی اسلام کا دعویدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کردے تو وہ خارجی بن جائیگا۔ اور سنی نہیں رہے گا۔ اور کوئی انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں مانتا تو وہ شیعہ اور روافض میں شمار ہوگا اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہوکر ضلالت وگمراہی کا شکار ہو جائے گا۔ تیسرے قسم کے مسائل میں خود اہل سنت چونکہ مختلف ہیں لہذا وہاں ضلالت وگمراہی کا فتویٰ بھی عائد نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کفر وشرک کا۔ جیسے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حقیقت روح کا علم بکنہہ وغیرہ۔

آمدم برسر مطلب:

مقدمہ اولیٰ کی بنا پر التماس ہے کہ عوام کو علماء کرام کی طرف اور ان کو اخص الخواص فضلاء اور اہل اجتہاد اور لائق استنباط حضرات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور یہی اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے۔ فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون اور بالخصوص اسلاف کرام کی کتب عقائد اور تفاسیر اور کتب سیرت وغیرہ موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرلیا جائے تا کہ اذا تحیر تم فی الامور فاستعینو اباهل القبور پر عمل بھی ہو جائے۔

مقدمہ ثالثہ کے پیش نظر اس مسئلہ کی حیثیت متعین کرنا ضروری ہے تو لامحالہ یہ تیسری قسم میں شمار کیا جائے گا کیوں کہ خود اکابرین اہل سنت اور ہمارے اسلاف کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے یا نہیں؟

بعض عرفاء اور بعض علماء ظاہر وہاں آپکے بالفعل نبی ہونے کے قائل ہیں جبکہ بعض

اکابرین کے نزدیک صرف آپ کے نبی ﷺ بنائے کی تشہیر اور اعلانات مقصود تھے یا مستقبل میں آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے تحقق اور یقینی وقوع کے پیش نظر صیغۂ ماضی کے ساتھ اس کو تعبیر کر دیا گیا۔ علی ھذا القیاس عالم اجسام میں آپ ﷺ کے وجود مسعود پر وہی نبوت آپ میں برقرار رہی یا چالیس سال کے بعد حسب معمول اور عادت جاریہ اور قانون قدرت کے تحت آپ ﷺ کو نبی بنایا گیا۔ لہذا اس مسئلہ میں کسی کو کافر و منافق اور ضال و مضل اور گمراہ و بے دین کے فتاویٰ جات سے نوازنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ معاملہ صرف دلائل کے راجح اور مرجوح ہونے کا ہے، یا اجتہاد کے صواب اور مطابق للواقع ہونے کا ہے یا اس کے خطا اور ناصواب اور خلاف واقع ہونے کا۔

ہمارے مخالفین نے وقت ولادت اور آغاز آفرینش سے ہی نبی کریم ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ کا معصوم ہونا آغاز ولادت سے مسلم حقیقت ہے اور معصوم ہونا نبی کا ہی خاصہ لازمہ ہے تو لامحالہ آپکی نبوت بھی آغاز ولادت سے تسلیم کرنا لازم ہے۔ مقدمہ ثانیہ میں اس کا جواب واضح ہو چکا کہ یہ خاصہ اضافیہ ہے اور عام ہے۔ ملائکہ بھی معصوم ہیں۔ لیکن وہ نبی نہیں۔ اور ہر نبی ابتداء آفرینش سے ہی معصوم ہوتا ہے۔ لیکن سوائے حضرات عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام یا نبی کریم ﷺ کے دوسرے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش پیغمبر کے حق میں پیدائشی نبوت کا قول اسلاف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ لہذا جس دلیل کا تخلف تین کے علاوہ اور بھی وہ عند البعض تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار مواد میں پایا جائے کیونکر اس کو کوئی شخص دلیل کہہ سکتا ہے؟ اور اس کو معرض استدلال میں پیش کر سکتا ہے؟ مثلاً حرارت سورج کو لازم ہے لیکن آگ کے ذریعے بھی متحقق ہو سکتی ہے اور رگڑ کے ذریعے بھی، تو حرارت کے وجود و تحقق سے سورج کے وجود و ثبوت اور طلوع و عکس ریزی پر استدلال عقل کا اندھا ہی کر سکتا ہے نہ کہ کوئی صاحب بصیرت اور مالک

فراست۔

علامہ محمد اشرف سیالوی نے اس استدلال پر لازم آنے والے استحالہ کو اس طرح احسن پیرائے میں بیان فرمایاہیکہ انبیاء علیہم الصلوات والسلام نبوت سے قبل بھی معصوم ہوتے ہیں اور نبوت کے حصول کے بعد بھی، تو اگر بقول مستدل جب سے معصوم ہوتے ہیں تب سے نبوت بھی ان میں متحقق ہو جائے تو ان کا نبوت ملنے سے پہلے نبی بننا لازم آئے گا، جب کہ ہر عقلمند انسان کے نزدیک تقدم الشیئ علیٰ نفسہ محال ہوتا ہے اور بدیہی البطلان۔ جبکہ نظریہ مذکورہ اور استدلال مزبور کو یہ استحالہ بدیہی البطلان لازم بھی ہے۔ اور اس کا بطلان اس استدلال اور نظریہ کے بطلان کو مستلزم بھی ہے۔

بنائے فاسد:

اس مستدل صاحب کا بنائے فاسد اس طرز استدلال میں یہ ہے کہ اگر آں حضرت ﷺ چالیس سال کے عرصہ میں ولی ہوں تو پھر واجب العصمت نہیں ہو سکتے، کیونکہ اولیاء کرام کا ولایت سے قبل یا اس کے بعد معصوم ہونا ضروری نہیں ہے، لہذا آپ ﷺ کو نبی ماننا ضروری ہے تا کہ عصمت کا وجوب ثابت ہو سکے۔

۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ سارے انبیا علیہم السلام تو بالاجماع آغاز ولادت سے نبی نہیں بلکہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس منصب پر فائز ہوئے، تو اس دلیل کی رُو سے ان کو بھی روز ولادت سے نبی ماننا لازم ہوگا اور اس امر کا لازم بھی واضح ہے اور اس کے بطلان پر بھی اجماع ہے لہذا کوئی صاحب عقل و دانش اس طرز استدلال کو کیونکر اپنا سکتا ہے۔

۲) اگر ان کو اس دورانیہ میں ولی تسلیم نہ کیا جائے بلکہ عام مومنین کی سطح پر رکھا جائے بلکہ بقول بعض ان کو عام انسانوں کی سطح پر رکھا جائے جن میں کفر اور ضلالت کا نعوذ باللہ تحقق ہو سکے تو اس وقت کیا آپ کا استدلال عام اور کامل و اکمل ہو جائیگا؟ صرف ان میں ولایت

کا تحقق اس استدلال کے تام اور کامل ہونے میں مانع ہوگا نعوذ باللہ۔

اور اللہ تعالےٰ نے جن ہستیوں کو اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز کرنا ہوتا ہے روز اول سے ہی ان کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت طاہر و مطہر اور بے داغ سیرت و کردار کا مالک بنا دیتا ہے۔ تاکہ اعلان نبوت کے بعد کسی بد باطن کو ان کے دامن عظمت پر ایسی گرد اڑانے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی امی جان کی پاکیزگی اور طہارت ظاہر کروائی اور خود سولہ یا اٹھارہ آیات نازل فرما کر محبوب کریم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کی طہارت دامن واضح فرمائی تاکہ بالواسطہ طور بھی پر ان کی مقدس خاتون کو ہدف تنقید اور مورد طعن و تشنیع نہ بنایا جا سکے۔ حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ بننے سے پہلے ہی جبار کی دست درازی سے اس کے ہاتھ اور پہلو کو مفلوج کر کے محفوظ رکھا تاکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات پر ان کی وجہ سے کوئی حرف نہ آسکے بلکہ ان کی اولاد کیلئے ایسی امی جان سے پیدا ہونا سرمایہ فخر و ناز بن جائے۔

۳) اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کی ولایت بہت کامل واکمل اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے، حتیٰ کہ بہت سے علماء اعلام اور آئمہ کرام نے ان کی ولایت کو ان کی نبوت سے بھی ارفع و اعلیٰ اور فائق و برتر قرار دیا ہے، کیونکہ نبوت و رسالت میں مخلوق کی طرف توجہ اور ان کے ساتھ مشغولیت ہوتی ہے، جبکہ انکی ولایت میں مخلوق سے توجہ ہٹا کر الہ العالمین کی ذات بابرکات کی طرف مکمل طور پر توجہ اور استغراق ہوتا ہے، لہذا یہ ولایت اور ہے اور اولیاء کرام کی ولایت اور ہے، جس طرح عام مومنین بھی عبد ہیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی عبد ہیں اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبد ہیں لیکن درمیان میں کس قدر عظیم تفاوت ہے،

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر

اسی طرح ان دونوں ولایتوں میں بھی عظیم تفاوت ہے، اولیاء کرام والی ولایت ممکن العصمت ہے جبکہ انبیاء کرام والی ولایت واجب العصمۃ ہے۔

تنبیہ:

ان بزعم خویش محققین عصر کا اس ولایت کو واجب العصمہ سمجھنے کو جنون اور دیوانگی قرار دینا سینکڑوں علمائے اعلام اور آئمہ کرام اور اکابرین وقت کو مجنون اور دیوانہ قرار دینے کے مترادف ہے، اور قیامت کے خاص علامات میں سے ہے۔ کیونکہ اخلاف کی اسلاف پر تنقید اور اصاغر کی اکابر پر طنز اور تشنیع علامات قیامت سے ہے۔ قابل غور اور لائق التفات یہ امر ہے کہ ان محققین نے چالیس سال کے بعد محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو منصب نبوت پر فائز تسلیم کرنا آپ کی بے ادبی اور گستاخی قرار دیا ہے۔ اور نبی الانبیاء ﷺ کی توہین اور تحقیر ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ متقدمین ومتاخرین علماء کرام اور اولیاء امت اور عرفاء ملت کی عظیم اکثریت کا نظریہ وعندیہ اور موقف یہی ہے بلکہ بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی عقیدہ ونظریہ منقول ہے (جیسے کہ کتاب مستطاب کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا) تو گویا اس فتویٰ کی زد میں وہ سارے اکابرین ملت اور اساطین امت بھی آجائیں گے۔ اس عقیدہ کے قائلین پر ہمیں یہ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسے کیونکر کہا کیونکہ یہ تو قرب قیامت کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ یہ فکر ہے کہ وہ اپنے ایمان اور نکاح کی خیر منائیں۔ کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے وہ کفر اسی قائل کی طرف راجع اور عائد ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی نے تحقیقات العلماء الکرام والائمۃ الاعلام فی نبوۃ سید الانام فی عالمی الارواح والاجسام لکھ کر اور دلائل وبراہین کے ساتھ مزین وآراستہ فرما کر صرف عوام اہل سنت پر نہیں بلکہ خواص اور علماء وفضلاء پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا جس کا بدلہ چکانے سے امت مصطفویہ عاجز وقاصر ہے۔

بندہ نے آپ کی اس تحریر "تحقیقات" کا اکثر مقامات سے مطالعہ کیا ہے اور بندہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ داقعی تحقیقات معقولات ومنقولات اور تصدیقات وبراہین کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہے، اور دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ سے مملو ہے۔ جائزہ لیا تو ا راقم الحروف نے "تحقیقات" کے مخفی گوشوں کا نظر عمیق سے جائزہ لیا تو اسے تحقیقات وہبیہ اور تدقیقات الہامیہ کا معدن اور عطاہائے نبویہ کا مخزن اور تصدیقات شانیہ کا مجموعہ اور مجسمہ پایا۔

اس کتاب سے معاندین کیلئے تو استفاضہ واستفادہ ناممکن ہے اور ان معترضین کیلئے بھی جن کا مقصد وحید صرف اور صرف اعتراض کرنا اور اسی میں اپنے لیے سامان فرحت وشادمانی اور متاع فخر وناز تلاش کرنا ہوتا ہے۔

البتہ ایسے مرتابین کیلئے جو اوہام واغلوطات کی تاریک شب میں بھٹکتے پھر رہے ہوں، حضرت اشرف العلماء کی یہ تحریر منزل مقصود تک رسائی کیلئے روشن چراغ اور سراج منیر ثابت ہوگی، اور واصل الی المقصود کرنے والی ہادی اور رہبر ثابت ہوگی۔ اور ایسے منصفین کیلئے جو قبول حق اور راہ صواب پر گامزن ہونے کے متمنی تھے اور حضرت شیخ الحدیث کے اس تحقیقی شاہکار کے شدت سے منتظر اور چشم براہ تھے۔ انکی آنکھوں کیلئے انشاء اللہ ٹھنڈک ثابت ہوگی اور بے چین دلوں کیلئے سامان صد تسکین اور قرار واطمینان کی موجب ہوگی۔

القول الفیصل:

بحر العلوم والفنون حضرت شیخ الحدیث نے دلائل وبراھین وافرہ اور حجج متکاثرہ کے ساتھ اپنے دعوائے حق اور ادعائے صادق کو ثابت کردیا ہے۔ اور اس امر کا اعتراف واقرار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں چھوڑا اور کسی حیل وحجت اور عذر وبہانہ کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ واقعی سید عالم ﷺ عالم ارواح میں نبی ﷺ تھے۔ اور عالم اجسام میں ظاہر ہونے پر چالیس سال تک ولایت کبریٰ اور محبوبیت عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اور باطنی اور روحانی نبوت کے ساتھ

ساتھ جسمانی طور پر بالقوۃ نبی تھے۔اور معصوم عن الخطا والذنوب اور بعد ازاں بالفعل نبی اور رسول اور رسولوں نبیوں کے امام اور مہمان لامکاں بنے،اس طرح کہ مکین سدرہ بھی ان کی گرد راہ کو نہ پہنچ سکا اور نہ ہی کسی نبی ورسول ﷺ کی روح آپ کی پرواز کا ساتھ دے سکی۔

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ است

آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدہ ای

سیمرغ روح ہیچ کس از انبیاء نتافت

آنجا کہ تو ببال کرامت پریدہ ای

شیخ سعدی کہتے ہیں:

بگفتا فراتر مجالم نماند

بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یکسر موئے برتر پرم

فروغ تجلی بسوزد پرم

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

مسئلہ مذکورہ معاندین اور متعصبین کی سمجھ میں نہیں آسکتا، البتہ منصفین اور متلاشیان حق کے عقول واذہان اور قلوب وضمائر اس کو ضرور قبول کریں گے۔

حررہ العبد الضعیف **غلام محمد** بندیالوی شرقپوری

خویدم المیراث،

مدینۃ العلوم جامعہ نبویہ شرقپور شریف

تقریظ

الفاضل الجلیل حضرت علامہ مولانا محمد اقبال مصطفوی صاحب

دامت برکاتہ الی یوم الدین

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد: قال اللہ تعالیٰ: اقرء باسم ربك الذی خلق الآیۃ۔ عن البراء رضی اللہ عنہ قال بعث اللہ محمد ﷺ ولہ یومئذ اربعون سنۃ ویوم قال الامام النووی فی الاسماء واللغات بالاتفاق انہ ﷺ بعث رسولا الیٰ الناس کافۃ وھوابن اربعین سنۃ وقیل اربعین سنۃ ویوما واقام بمکۃ بعد النبوۃ ثلاث عشرہ سنۃ۔ تعریف النبی: النبی انسان بعثہ اللہ تعالےٰ الیٰ الخلق لتبلیغ الاحکام۔

موجودہ دور کے علماء کرام کے درمیان رسول گرامی ﷺ کی عالم اجسام کے لحاظ سے نبوت کے آغاز کے متعلق جو اختلاف ونزاع سامنے آیا ہے۔ یعنی جامع المعقول والمنقول اشرف العلماء الاعلام ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی کا نظریہ وعقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ قبل از نزول وحی، آغاز ولادت سے ولایت کے اعلیٰ ارفع مقام پر فائز تھے۔ اور چالیس سال کے بعد جبرئیل امین کے غار حراء میں سورہ علق کی ابتدائی آیات کیساتھ آپ ﷺ پر نازل کے بعد آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ جبکہ انکے مخالفین آغاز ولادت سے ہی آپ کو بالفعل نبی ماننے پر مصر ہیں اور اس پر تقریری تحریری اور حکایتی ابحاث چھیڑ کر مسلک اہل سنت والجماعت اور عوام وخواص میں اضطراب اور بے چینی پیدا کر رہے ہیں۔

بندہ کی پرخلوص گزارش ہے کہ علامہ سیالوی صاحب کا موقف برحق ہے اور آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ اور علماء علام اور اکابرین اسلام کی تحریرات سے اس موقف کا برحق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے، کہ نبی مکرم ﷺ ابتدائے ولادت سے بالفعل نبی نہیں بلکہ نزول وحی

اور نزول آیات کے زمانہ سے آپ ﷺ کو نبوت حاصل ہوئی۔

مسئلہ متنازعہ فیہ میں اشرف العلماء نے اپنی کتاب مستطاب تحقیقات العلماء الکرام و الائمۃ الاعلام فی نبوۃ سید الانام فی عالمی الارواح والاجسام میں اپنے موقف متین پر مضبوط دلائل قائم کیے ہیں۔ جن میں آیاتِ کلام مجید اور انکی اسلاف کی طرف سے کی گئی تفسیرات اور احادیث نبویہ اور انکی اکابر کی طرف سے کی گئی تشریحات اور عرفائے زمان وعلماء اعلام کے ارشادات بھی شامل ہیں، مزید برآں شہادات عقل بھی مندرج ہیں۔

راقم الحروف فقیر محمد اقبال مصطفوی مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور، نے کتاب مذکور کا پوری توجہ اور غور وخوض کیساتھ مطالعہ کیا ہے۔ میرے مطالعہ، نظر وفکر اور غور وخوض کا حاصل اور ثمرو نتیجہ یہی ہے کہ عمدۃ الاذکیاء، اشرف العلماء کا موقف شریف درجہ حق حقیق پر مبنی ہے۔ اور بندہ بالجزم والیقین کہتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ ﷺ وقت ولادت سے غار حراء میں نزول وحی تک کے درمیانی عرصہ میں ولایت شریفہ عالیہ کے درجہ پر فائز رہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے مزید فضل واحسان فرمایا اور عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر رسول امین جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ پر نازل فرما کر اور نزول قرآن کا آغاز فرما کر تاج نبوت سے بہرہ ور فرمایا۔

علامہ سیالوی کے مخالفین نے آپ کے خلاف انتہائی گھٹیا اور نازیبا طریقہ اور وطیرہ اختیار کیا، جس کی وجہ صرف اور صرف حسد، عناد، تعنت، عدم مطالعہ اور عدم دیانت وامانت ہے۔ حق یہ تھا کہ یہ لوگ آیات قرآنیہ کی تفسیرات، احادیث مبارکہ کی تشریحات اور علماء اعلام کی تصریحات وتحقیقات کا مطالعہ کرتے اور اصل مسئلہ کی حقیقت معلوم کر کے، دائرہ علم ودانش اور حیطۂ دیانت وامانت میں رہ کر نبی آخر الزمان ﷺ کی مدت ولایت اور مدت نبوت کا علیحدہ علیحدہ زمانہ پیش کرتے، نہ کہ یکسر از وقت ولادت قطعاً حتماً آپ ﷺ کو مرتبہ نبوت پر فائز یقین کرتے فقیر راقم الحروف کی نظر میں یہ گروپ دینی کتب اور کتب سیر کے مطالعہ سے بالکل تہی دامن ہے

مطالعہ کی زحمت گوارا کیے بغیر سنی سنائی باتوں کی ذہن میں اناڑی رہ کر مد مقابل بنا ہوا ہے۔

فقیر کے نزدیک نبوت اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے اور نبی وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرمائے اور مخلوق دو قسم پر ہے، اور رح اور اجسام۔ ارواح میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روح محمد ﷺ کو پیدا فرمایا۔ آپکی ﷺ روح اقدس تسبیح کہتی تھی اور ملائکہ اسکی اتباع واقتداء میں تسبیح کہتے تھے۔ جس سے لازمی طور پر ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت وسفارت اور افادہ وافاضہ والی شان عالم ارواح میں بالفعل متحقق ہو چکی تھی، جیسا کہ حضرت شیخ ابراہیم کورانی اپنے شیخ عارف قشاشی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت لوح وقلم وغیرہما سے بھی سابق تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عالم ارواح میں نبی بنایا اور ارواح کو آپ ﷺ کے اس منصب پر مطلع فرمایا، اور انہیں آپ کی معرفت نبوت اور اس کے اقرار کا پابند فرمایا، الی آخرہ۔ (تفصیل تحقیقات میں ملاحظہ فرماویں) یہ تیسرا مرحلہ اور مرتبہ آپکی نبوت کا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو بالفعل عالم اجسام میں موجود فرمایا اور کمالات نبوت کیساتھ آپ کے جسم شریف کو مشرف فرمایا۔

لہٰذا یہ امر ذہین نشین رہنا چاہیے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے احکام جداگانہ ہیں اور بدن سے مجرد روح اور بدن میں حلول کرنیوالی روح کے درمیان بون بعید اور بعد شدید ہوتا ہے۔ روح مجرد میں لطافت محضہ اور نورانیت خالصہ ہوتی ہے۔ جبکہ روح متعلق بالبدن پر بدن کے اثرات غالب آجاتے ہیں اور جب تک اجسام کی پرورش وتربیت اور تدبیر وتصرف میں مصروف رہتی ہیں تو انکی وہ لطیف صلاحتیں اور استعدادیں اور قوائے روحانیہ اور توانائیاں کمزور پڑ جاتی ہیں بلکہ بدنی کثافت اور جسمانی عوارض کی وجہ سے مغلوب ہو جاتی ہیں، لیکن جب مجاہدات وریاضات اور عبادات واعمال شاقہ اور ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتی ہیں اور اوراح کو روحانی غذا ملنے لگ جاتی ہے تو انکی سابقہ چمک دمک اور نورانیت اور قوت وطاقت بحال ہو جاتی

ہے یوں ان میں اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کیساتھ ربط و تعلق کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ تب وہ خلافت و نیابت اور نبوت و رسالت کے قابل اور لائق ہو جاتی ہیں۔ اور قانون قدرت اور عالم اسباب میں جاری معمول یہی ہے، کہ چالیس سال میں ابدان کے حجابات اٹھتے ہیں اور یہ کثیف پردے چھٹتے ہیں اور اسکے بعد ان کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا جاتا ہے۔

لھــــــذا نبی آخر الزمان ﷺ بھی عمر شریف کے چالیس سال پورے کرنے پر تمام صلاحیات اور استعدادات کے جامع بن جانے اور نبوت کے عمل اور تبلیغ احکام اور اوامر و نواہی کی تعلیم اور تمام دینی و دینوی امور سمجھانے اور بروئے کار لانے اور تمام تر تدابیر اور تصرفات میں متاہل اور مستعد و مستبد ہو گئے تو تاج نبوت انکے سر پر سجایا گیا۔ اور خلعت رسالت سے ان کو نواز گیا۔

محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے چالیس سال کی عمر شریف تک کوئی بات نبوت کے بارے میں نہیں کی۔ بلکہ چالیس سال کے بعد بھی اپنی سادہ زندگی اور امانت و دیانت اور صداقت و عدالت کا ہی حوالہ دیکر اس دعویٰ نبوت میں امین اور صادق ہونے پر استدلال فرمایا ،کما قال اللہ تعالیٰ: قل لو شاء الله ماتلوته علیکم ولا ادراکم به فقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون " کیا کوئی عقلمند اس امر کا قائل ہوسکتا ہے کہ ایک مقدس شخصیت منصب نبوت پر فائز ہو مگر نبوت کے دو تہائی عرصہ میں نہ اسکا اظہار و اعلان کرے نہ احکام خداوند تعالےٰ کی تبلیغ کرے نہ معروف کا حکم دے اور نہ منکرات سے منع کرے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں آپکے متعلق اظہار کے طور پر فرمایا: قد کانت مدۃ اقامته بین اظهر ناقبل النبوۃ اربعین سنة۔ انکا ہمارے درمیان نبوت سے قبل قیام کا عرصہ چالیس سال تھا۔ صاحب البیت ادری بمافیه کے مصداق گھر والوں کی گواہی سے بہتر اور برتر گواہی کسی کی ہو سکتی ہے؟

قال الله تعالیٰ: ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان۔

اسکی تفسیر میں حضرت علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ:

''تم وحی سے قبل قرآن کی قراءت وتلاوت کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور نہ یہ کہ لوگوں کو ایمان کی طرف دعوت کیسے دی جائے''

حضرت ابوبکر حداد فرماتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ نزول وحی سے قبل دین ابراہیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے''

حضرت علامہ اسماعیل علیہ السلام حقی روح البیان میں فرماتے ہیں:

''محبوب خداوند کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت کی اتباع کرتے تھے۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور نبوت ورسالت عطا ہوئی تب اپنی شریعت پر عمل پیرا ہوئے''

وغیر ذالک من التفاسیر، جن سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نزول وحی اور نزول کتاب سے قبل بالفعل نبی نہیں تھے۔ ورنہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع واقتداء کیوں کرتے جبکہ وہ عالم ارواح میں آپکے، تبع اور مقتدی تھے۔

بحیراء راہب نے نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کی شہادت دی اور اسکی تصدیق کی لیکن شیخ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں میں سے ہے جو آپ کی نبوت کے ظہور اور اعلان سے پہلے آپ پر ایمان لائے جس طرح حبیب نجار وغیرہ۔ بلکہ ورقہ ابن نوفل نے ابتدائی وحی کے نزول پر آپ کے نبی آخر الزمان ہونیکی بشارت دی اور آپکی نبوت کی تصدیق فرمائی لیکن شیخ محقق نے انکو بھی صحابی تسلیم نہیں کیا کیونکہ یہ وحی نبوت کے مقدمات اور تمہیدات میں سے تھی۔ اور آپ بالفعل اور عملی طور پر تبلیغ کے مرحلہ میں

نہیں تھے۔

وقت ولادت سے ہی آپ کو بالفعل نبی ماننے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ جب چالیس سال بعد وحی اور نزول قرآن سے آپ ﷺ کو نوازا گیا تو حضرت ورقہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آپنے بطور تائید ہی کیوں نہ فرمادیا کہ میں تو بچپن سے ہی نبی ہوں۔ حضرت خدیجہ جیسی وفا شعار اور خدمت کار اور مجسمۂ اخلاص و وفا کو بطور راز ہی کیوں نہ بتلا دیا کہ میں روز ولادت سے منصب نبوت پر فائز ہوں۔ بلکہ اپنے شفیق و رحیم جدامجد اور پیاری امی جان کو کیوں نہ یہ بشارت سنائی اور انکی خوش عقیدگیوں کو کیوں نہ چار چاند لگائے۔ حضرت ابوبکر صدیق جیسے مخلص اور محب صادق اور ہمراز و دمساز کو اور سفر و حضر کے رفیق و صاحب کو بھی آپ ﷺ نے آگہی نہ بخشی اور انہیں بھی آپ ﷺ کو ملنے والے اس منصب پر اطلاع ہوئی اور آپکے اس شاندار مستقبل کی نشاندہی ہوئی تو بحیرا راہب کے ذریعے۔ کیا آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت حقہ کو چھپائے رکھا؟ کیا ایسی حقیقت حقہ کو چھپانا نبی ﷺ کی ذات مقدسہ کو زیبا ہوسکتا ہے؟ حالانکہ احکام خداوندی کی تبلیغ نبی پر فرض ہوتی ہے، اور نبی کی بعثت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں پر راہ راست اور صراط مستقیم کو واضح کریں۔ لہذا نبی ﷺ کی ذات کے متعلق یہ وہم اور گمان کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر یا غافل رہے سراسر کفر ہے۔

یہ تمام تر شواہد اس امر کے شاھد صادق ہیں کہ آنحضرت ﷺ عمر شریف کے چالیس سال تک عالم اجسام میں بالفعل اور عملی طور پر نبی نہیں تھے۔ اسی لئے بعض علمائے امت اور عرفائے ملت نے آپ ﷺ کیلئے دو نبوتیں اور رسالتیں کی ہیں ایک عالم ارواح میں ملائکہ میں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کیلئے اور دوسری نبوت و رسالت عالم اجسام میں تمام انسانوں، جنوں اور ملائکہ بلکہ ساری مخلوقات کیلئے جو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر عطا کی گئی۔

مخالف گروپ پر حیرت ہے کہ تمام علماء و فقہاء اور محدثین و مفسرین زمانہ قبل از نبوت

وزمانہ بعد از نبوت کی تقسیم میں آنحضرت ﷺ کی تیئیس (23) سالہ مدت نبوت کی تصریحات فرماتے ہیں، کسی ایک صاحب علم وفضل سے تریسٹھ سال مدت نبوت کا قول ثابت نہیں۔اسی قبل از نبوت کے زمانہ اور بعد از نبوت کے زمانہ کی تقسیم اور اس مدت کی تعیین سے ہی حق اور حقیقت اورواقع اور نفس الامر کی تلاش اور جستجو بآسانی کی جاسکتی ہے۔واللہ الموفق۔والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الفقیر محمد اقبال مصطفوی

مدرس جامعہ ہجویریہ، داتا دربار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثراتِ عالیہ

استاذ العلماء، مفتیِ اعظم سرگودھا حضرت علامہ مولانا محمد رشید چشتی

مفتی، جامعہ مدنیہ غوثیہ کمپنی باغ سرگودہا

شیخ الحدیث جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی کی ذاتِ گرامی تعارف کی محتاج نہیں ہے، اربابِ علم و فضل کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے فرضِ منصبی کا پاس کرتے ہوئے اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں دینِ متین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ شب و روز محنت کر کے بذریعہ تدریس مسلک حقہ کو کثیر تعداد میں علماء، خطباء اور مدرسین مہیا فرمائے، جہاں اور جب بھی اہل سنت کو کسی باطل فرقے کے ساتھ مناظرہ کی ضرورت پیش آئی ہے تو جناب قبلہ شیخ الحدیث صاحب ہی مقابلہ کے لیے میدان میں اترے، مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا اور مسلک حقہ اہل سنت کے سر پر کامیابی کا تاج سجا کر علماء اہل سنت سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

تدریس، مناظرہ اور محققانہ خطابت کے ساتھ ساتھ گوناں گوں تدریسی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف میں بھی عمدہ اور نفیس کارنامے انجام دیے جو کہ اہل علم و ذوق سے مخفی نہیں ہیں۔ میں نے آپ کی تازہ کتاب "تحقیقات العلماء الکرام والائمۃ الاعلام فی نبوۃ سید الانام ﷺ فی عالمی الارواح والاجسام" کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے، حضور والا نے محققانہ انداز میں دلائل و براہین کے ساتھ اپنے موقف کو قرآن و حدیث کی نصوص، بزرگانِ دین کے اقوال اور سلف صالحین کے ارشادات سے بالکل واضح کر دیا ہے، اب کسی کے لیے اس مسئلہ میں بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں ہے۔

قبلہ استاذ مکرم نے اس مسئلہ کی تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور اس حوالے سے

علمائے اہل سنت کو جو غلط فہمی تھی اس کا ازالہ فرما دیا ہے۔ آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اکابرین اہل سنت یعنی حضور سیدنا غوث اعظم، حضور پیر سید مہر علی شاہ، حضور پیر طریقت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہم اللہ کا بھی یہی عقیدہ اور نظریہ تھا۔ آپ نے ان اکابر کے عقائد کو انہی کے اقوال کی روشنی میں واضح کر کے ہر قسم کے شبہات اور مغالطات کا ازالہ فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول حق اور اعتراف حقیقت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب سے نفع حاصل کرنے کی سعادت بخشے۔

امام المحققین، رئیس المناظرین، زبدۃ المصنفین، محسن اہل سنت، علامہ محمد اشرف سیالوی زید مجدہ کا ادب واحترام، ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف اور اس پر ان کا شکریہ ادا کرنا ہم سب پر فرض ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ، قبلہ استاذ مکرم کے علم وعمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، عوام وخواص کے لیے باعث منفعت اور حضرت مصنف کے لیے ذریعۂ مغفرت اور ترقی درجات کرے۔ اور معاندین کو بغیر تحقیق کے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے حضرت مصنف مدظلہ العالی کی توہین وتنقیص کرنے کی بجائے قبول حق کی سعادت نصیب کرے آمین

بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وعلى اله واصحابه اجمعين

محمد رشید عفی عنہ

خادم مدرسہ مدنیہ غوثیہ، کمپنی باغ سرگودھا

۲۵ ذیقعد ۱۴۳۱ھ

تأثرات عالیہ:

استاذ العلماء، حضرت علامہ مولانا علی احمد سندیلوی دام ظلہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ،اما بعد :

فضیلۃ الشیخ ،جامع المعقول والمنقول حاوی فروع و اصول ،استاذ الاساتذہ ،افضل الاذکیاء،اشرف العلماء،شیخ الحدیث والتفسیر علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم ،اپنی بہترین علمی و دینی اور تحقیقی و تصنیفی و تدریسی وخطابی صلاحیتوں کے پیش نظر جب بھی کوئی کام کرتے ہیں ان کی تصنیفات و تالیفات بحر العلوم کی شناوری کا ثبوت دیتی ہیں۔ان کا طریقہ استدلال اچھوتا اور استنباط محققانہ اور نہایت سلیس و عمدہ ہے۔

جب تک کسی مسئلہ کا مالہ وما علیہ خوب اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے ،بیان نہیں کرتے پوری تحقیق اور اہل سنت کی مسلمہ شخصیات کے اس مسئلہ میں عقیدہ و نظریہ اور فیصلہ کو معلوم کرنے کے بعد بلا لومۃ لائم بیان کر دیتے ہیں خواہ اس کے بدلے میں اپنی جان ،مال اور عزت وآبرو کی بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑے۔

چند دن ہوئے حضرت اشرف العلماء کی ایک تالیف ''تحقیقات العلماء الکرام و الائمۃ الاعلام فی نبوۃ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام فی عالمی الارواح والاجسام'' مارکیٹ میں آئی ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں آپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ارواح و عالم اجسام میں مراتب نبوت ورسالت کو بیان فرمایا ہے۔اور عالم اجساد میں قبل از نزول وحی چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ ولایت کی رفعت وعظمت کو بیان فرمایا ہے۔

اکابر اہل سنت وجماعت کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو نبوتیں اور دو رسالتیں عطا فرمائیں۔پہلی مرتبہ عالم ارواح میں بالفعل آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا اور اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں اور ارواح انبیاء کو دعوت دی اور ان کی رہ نمائی فرمائی

اور دوسری مرتبہ عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد۔

اس طرح آپ کو دوسرے انبیاء ورسل علیہم السلام سے امتیاز وانفرادیت حاصل ہوگئی کہ آپ ﷺ کو دو مرتبہ نبی اور دو مرتبہ رسول بنایا گیا۔ آپ ﷺ کا اسم گرامی الداعی اس لیے بھی ہے کہ آپ نے دونوں عالموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور رہ نمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی امتیں اور تمام متقدمین ومتاخرین کافۃ للناس کے عموم میں داخل ہیں، نبی مکرم ﷺ نے اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی ہونے کے لحاظ سے دعوت دی اور آپ کی روحانی نبوت (عالم ارواح کی نبوت) دائم باقی اور مستمر ہے، سلب نہیں ہوئی نہ ہی اس کے سلب ہونے کا شائبہ ہے، پھر روحانی نبوت کے بھی پانچ مرتبے ہیں۔ اور عالم اجساد میں آپ ﷺ کو نبوت چالیس سال کے بعد بالفعل حاصل ہوئی جب جبریل امین علیہ السلام آپ پر وحی لے کر نازل ہوئے اور اس سے پہلے عالم اجساد والی نبوت کا مرتبہ بالقوۃ حاصل تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے تحقیقات)

کتاب شائع کر کے حضرت نے بہت اچھا کیا، اور اہل سنت پر بڑا احسان کیا ہے، اگر کچھ عرصہ پہلے مارکیٹ میں آجاتی تو اور بھی اچھا ہوتا مگر ہر چیز کا اللہ کے ہاں وقت مقرر ہے اس لیے وہ چیز نہ مقدم ہو سکتی ہے نہ مؤخر۔

میں نے اس کتاب کا اول تا آخر گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، اس میں کوئی بات اہل سنت وجماعت کے مسلمہ عقائد ونظریات اور اصول کے خلاف نہیں ہے۔ جن نوجوان علماء نے بلا سوچے سمجھے خاص انداز میں عقیدۂ عطائے نبوت کو بیان کیا اس سے اخبار آحاد کا نصوص قرآنی، احادیث متواترہ اور احادیث مشہورہ، اجماع امت اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور ائمۂ خلف و سلف کے اقوال سے تعارض لازم آتا ہے۔ جس طرح عقیدۂ عطائے نبوت کو حضرت اشرف

العلماء نے بیان کیا، اس سے کسی قسم کا کوئی تعارض لازم نہیں آتا، انہوں نے اہل سنت و جماعت پر بڑا احسان کیا، اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر میں برکات نازل فرمائے۔

اب علمائے کرام حوصلہ، بردباری اور ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کریں، اگر شرح صدر ہو جائے تو فبہا، ورنہ مصنف سے براہ راست رابطہ کر کے اپنے اشکالات ان کے سامنے پیش کریں اور انہیں بھی چاہیے کہ ان کے اشکالات کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ اگر اشکال معقول ہو تو اسے شرح صدر سے قبول کریں، بڑے بڑے قومی مسئلے باہمی افہام و تفہیم سے حل ہو جاتے ہیں، دور سے ہی بم باری کرنا قوموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اس سے کسی فریق کی بھی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی اس کا نتیجہ ہم بارہا دیکھ چکے ہیں۔

فوق کل ذی علم علیم کے مصداق اگر کسی کا علم حضرت مصنف سے زیادہ ہے اور اس نظریہ کے خلاف اس کے پاس قوی اور مضبوط دلائل ہیں تو ادب و احترام اور مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے پیش کرے۔ اپنے مقابل کی توہین و تذلیل، بدزبانی، گالی گلوچ کرنا انتہائی گھٹیا حرکت ہے کوئی بھی عقل منداس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ بے وقوف، پاگل اور صبیان اس پر بڑی داد دیتے ہیں اور زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں بالخصوص جب مقابل اپنے ہی بھائی اور بزرگ ہوں تو یہ جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے اور اس سے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھ جاتے ہیں۔

ایک سوال جس کا جواب نہیں دیا جاتا:

جب بھی علمائے کرام کے مابین کوئی مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور گفتگو میں ذرا تلخی آتی ہے تو ہر عام و خاص کہنے لگتا ہے کہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ بات جس قدر زبان پر لانی آسان ہے اسی قدر اس کا نتیجہ بھی بہت خطرناک ہے اس لیے کہ اگر ہر مسئلہ میں یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے کہ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اختلاف پڑتا

ہے تو چند ہی سال کے اندر دینی عقائد و احکام کا حلیہ بگڑ جائے گا۔

علمائے کرام کا فرض ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہو اس پر غور و فکر اور بحث و مباحثہ کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔

حررہ خویدم دار الافتاء

علی احمد السندیلوی

مرکز تدریب الافتاء والبحوث

۱۵۰، راوی روڈ نزد پیر مکی لاہور

۱۴ رجب المرجب، ۱۴۳۱ھ ۲۷ جون ۲۰۱۰ء

بروز اتوار، پونے چار بجے بعد از نماز ظہر

محدث اعظم علیہ الرحمہ کے ایک مرید صادق، اللہ بخش کمانگر کا اشرف العلماء کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جناب محمد اشرف سیالوی صاحب! السلام علیکم

بندہ ناچیز اپنی زندگی کے ۴۴ سال بلوچستان ایران میں بطور ریلوے گارڈ گزار کر ملازمت سے فارغ ہو کر ۲۰۰۱ء میں یہاں (جھنگ) آیا، جب سے نہ صرف آپ کے خطابات سن رہا ہوں بلکہ آپ کی تمام تصانیف سوائے ہدایۃ المتذبذب الحیران کے قیمتاً خرید کر پڑھ چکا ہوں، ہدایۃ المتذبذب باوجود کوشش کے مل نہ سکی، آپ کی تازہ تصنیف تحقیقات پڑھ کر اس کے مفہوم کا اندازہ ہو گیا۔

جناب والا! ویسے تو آپ جس انداز میں اپنے ہر خطاب اور ہر تصنیف میں علم شریعت کو علم معرفت کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں یقین مانیں میں بہت ہی متاثر ہوں لیکن آپ کی تازہ تصنیف تحقیقات میں جس طرح آپ نے تحقیق فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا، یہ کتاب پڑھ کر دل نے کئی مرتبہ کہا کہ سیالوی صاحب کو مبارک باد دوں لیکن میرے پاس الفاظ نہ تھے، اسی کشمکش میں پرسوں میں قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بیٹھا، دوران تلاوت اونگھ آ گئی، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ --- میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سید عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں:

''اللہ بخش! تم کیوں تذبذب میں پڑے ہو محمد اشرف سیالوی کو کتاب تحقیقات پر مبارک باد کیوں نہیں دیتے''

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ --- اتنا کہہ کر آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

لہذا آپ بھی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اور اس کے بعد اس گناہ گار کی طرف سے بھی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے، اور آپ کو صحت وتندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے تا کہ ہم جیسے گنہ گاروں کو آپ کے در اقدس سے فیض ملتا رہے۔

والسلام۔۔۔

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن ھواول قدیم بلا ابتداء و آخر کریم بلا انتھاء والصلوۃ والسلام علی من کان نبیّا و ادم بین الطین والماء و علیٰ الہ و اصحابہ الکرماء والشرفاء والتابعین لھم بالاحسان الیٰ یوم الجزاء اما بعد:

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

کچھ عرصہ سے چند نوجوان، نو خیز واعظینِ کرام اور مقررینِ عظام اس طرح کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور شور شرابا برپا کیے ہوئے ہیں کہ محمد اشرف سیالوی، نبی کریم ﷺ کو بچپن سے نبی تسلیم نہیں کرتا اور چالیس سال کے بعد آپ ﷺ کے لیے نبوت و رسالت کا تحقق تسلیم کرتا ہے، اور یہ سراسر بے ادبی، گستاخی اور نبی الانبیاء ﷺ کی توہین و تحقیر ہے جو کہ سراسر کفر قبیح اور ضلالِ صریح ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے:

کنت نبیّا و آدم بین الروح والجسد

نیز صحابہ کرام علیھم الرضوان نے عرض کیا:

متیٰ وجبت لک النبوۃ

یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کب سے نبوت ملی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

وآدم بین الروح والجسد

میں اس وقت سے نبی ہوں جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے بین بین تھے یعنی ان کے بدن سے ان کی روح کا تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم مہد میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے کما قال:

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم: ۳۰)

توسید الانبیاء ﷺ کا بطریق اولیٰ بچپن اور عالم مہد سے نبی ہونے ضروری ہوگا۔

علاوہ ازیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (مریم : ۱۲)

"ہم نے حالتِ صبا اور بچپن میں ان کو حکم عطا کر دیا" اور ظاہر ہے اس سے حکم نبوت مراد ہے تو اگر وہ بچپن سے ہی حکم نبوت کے مالک تھے تو سرورِ انبیاء علیہ السلام بطریق اولیٰ احکام شریعت اور نبوت کے مالک ہونے چاہئیں۔

نیز جب تخلیقِ آدم سے قبل آپ کو نبوت مل چکی تھی تو پیدا ہونے پر وہ کدھر گئی؟ کیا آپ ﷺ سے نبوت کو سلب کر لیا گیا؟ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اس طرح کا سلوک اللہ تعالیٰ عز و جل کی طرف سے ہو سکتا ہے؟ قطعاً نہیں!

لہذا ثابت ہو گیا کہ محمد اشرف سیالوی اہل سنت سے خارج ہو چکا ہے وہ اس عظیم گستاخی کا مرتکب ہو کر دائرہ اسلام اور حلقۂ ایمان سے بھی باہر چلا گیا ہے اور اس نے سابقہ عقیدہ اور نظریہ ترک کر دیا ہے وہابیہ والا نظریہ اور عقیدہ اپنا لیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض طرح طرح کی باتیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں اور شاید عرصہ تک کی جاتی رہیں۔

بندہ سنتا رہا اور صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے تقریری اور تحریری طور پر جواب دینے سے اجتناب برتتے ہوئے انتظار کرتا رہا کہ کوئی صاحب عوامی سٹیج پر اس موضوع کو اچھالنے سے قبل یہ سوچتے ہیں اور یہ تکلیف اور زحمت برداشت کرتے ہیں یا نہیں کہ اس الزام اور اتہام کا مبدا اور منشاء کیا ہے؟ سیالوی کی کونسی عبارت ہے جس سے یہ گستاخی و بے ادبی و توہین و تحقیر ثابت کی جا رہی ہے اور فتویٰ بازی اور تبرا بازی شروع کر دی گئی ہے؟ اور اس نظریہ اور عقیدہ کو تبدیل کرنے کی کونسی علت موجبہ پیش آ گئی ہے؟ حالاں کہ بندہ ابھی زندہ موجود تھا ملاقات ہو سکتی تھی وضاحت طلب کی جا سکتی تھی دلائل اور وجوہات دریافت کیے جا سکتے تھے۔

نیز جب ایک ایسا مسئلہ ان حضرات کے سامنے پیش آیا تھا جو ان کے گمان کے مطابق مبنی بر ضلال تھا تو اس کے متعلق تحقیق و تفتیش کر لی جاتی، اسلاف کی کتب کا مطالعہ کر لیا جاتا، کتبِ تفاسیر، کتب احادیث اور کتب کلامیہ اور سیرت کی کتابیں دیکھ لی جاتیں تا کہ حق واضح ہو جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ کون سا عقیدہ درست ہے اور کون سا غلط؟ اور یہ کہ اس حوالے سے اکابر اہل اسلام کی آراء کیا ہیں؟

مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

افسوس صد افسوس! کہ قطعاً اس قسم کی کوئی سعی مشکور نہ دیکھنے میں آئی اور نہ سننے میں، اتنا بھی نہ سوچا گیا کہ محمد اشرف سیالوی حسب سابق وہابیہ اور گستاخ فرقوں کا رد کر رہا ہے اور ان کے ساتھ اُسی طرح محاذ آرا ہے تو پھر اعتقاد و نظریہ میں تبدیلی کا سبب و موجب کیا ہوا؟ جبکہ نہ کسی سے دنیوی مفاد اٹھایا اور نہ ہی اُن دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت سے خلاصی اور چھٹکارا حاصل کیا، اتنا گھاٹے اور خسارے والا سودا کون کر سکتا ہے؟

کم از کم اتنا ہی سوچ لیا جاتا کہ اشرف سیالوی اُن کی طرح شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر نہ سہی، فقیہ اعظم اور بحر العلوم نہ سہی، علماءِ اسلام میں ان کا شمار نہ سہی، کم از کم ایک محنتی طالب علم تو تھا بھی اور اب بھی ہے، مطالعہ کی عادت اس نے ابھی تک ترک نہیں کی اور نہ ہی کسی سطح کے استاد نے اسے کند ذہنی اور بلادت یا عدم مطالعہ کے ساتھ مطعون و متہم ٹھہرایا اور نہ ایسا ہوا کہ اس کی باتوں کو نا قابل التفات سمجھا ہو حالاں کہ بڑے اکابر، عظیم ترین محدثین و مفسرین، شیوخ الحدیث، شیوخ التفسیر اور مناطقہ و فلاسفہ کے پاس استفادہ و استفاضہ اور تلمذ کا شرف حاصل کیا ہوا ہے۔

پھر یہ کہ قرآنِ مجید ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں حسن ظن سے کام لینے کا حکم دیتا ہے:

لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور:۱۲)

یہ بھی نہ سوچا گیا کہ ہم فوراً اور آناًفاناً بدظنی اور بدگمانی کا شکار ہو کر گناہ گار تو نہیں ہو رہے؟

نبی کریم ﷺ نے ہر سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر بیان کرنے اور حکایت و روایت کرنے سے روکا ہے اور ایسے لوگوں کو کاذب اور جھوٹا قرار دیا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

کفی بالمرء کذباً أن یروی بکل ماسمع

تو کہیں ہم خود جھوٹے لعنتی اور کاذب تو نہیں بن رہے ہیں؟

الحاصل بندہ کا موجودہ جملہ مدعیان علم و فضل اور مقررین و واعظین (الاّ ماشاء اللہ) کے بارے میں یہ تاثر پختہ ہو گیا ہے کہ یہ حضرات علم و دانش اور مطالعہ و کتب بینی کے دشمن ہیں، کسی ہم مسلک اور ہم مذہب عالم کے ساتھ نہ ان کو ہمدردی ہے اور نہ محبت و الفت؟ یہ لوگ نہ کسی کے حق میں اخلاص اور حسن ظن سے کام لینے کو تیار ہیں اور نہ کسی اپنے کو اپنا سمجھ کر راضی ہیں، بلکہ بغض و حسد، عناد اور کینہ پروری کا مجسمہ ہیں۔ کسی گرے کو سنبھالنے کی بجائے اسے مزید نیچے دھکیلنے کے درپے ہیں، اگر لوگ کسی کو عزت و توقیر کی نظر سے دیکھیں تو یہ حضرات گھاگھ دشمن کی طرح اس پر حملہ آور ہونے کے لیے صرف موقع کی تلاش میں ہی نہیں رہیں گے بلکہ اس کارِ خیر کے لیے گھناؤنی اور بھیانک تدبیریں بھی خوب خوب سوچیں گے۔ اور یہ قطعاً نہیں سوچیں گے کہ اپنے بغض و عناد کی آگ بجھانے کے لیے ہم اپنے دین و مذہب کے خرمن کو بھی کس قدر نذرِ آتش کر رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جواب طلب سوال:

میرا اہل سنت کے اہل علم سے یہ سوال ہے کہ ہمیں بتلایا جائے اس وقت کون اہل

سنت کا امام و مقتدا اور رہبر و رہنما ہے تا کہ ہم جیسے طالب علم اس سے اجازت لے کر کوئی بات زبان پر لائیں یا کوئی جملہ نذر قرطاس کریں؟ کوئی بھی آدمی علمی کام کرنے لگے تو اس کے لیے دوہرا امتحان ہوتا ہے، مخالفین مذہب کا دفاع اور ان پر ردوقدح بھی کرے اور اپنے لوگوں کی طعن و تشنیع اور اعتراضات و تنقید کا ہدف بھی بنے۔ ظاہر ہے ایسی حرکتیں اپنے ہاتھوں اپنے مذہب و مسلک کو تباہ کرنے کی دانستہ نہیں تو نادانستہ جدوجہد اور سعی نامشکور ضرور ہے۔

نہ عالمی سطح پر ہماری کوئی حیثیت ہے نہ ہی اپنے ملک میں کوئی اہم مقام حاصل ہے اور اکابرین میں سے جو بھی عالم جاودانی کو رخصت ہوتا ہے اس کی مسند خالی ہی رہتی ہے اس خسارے اور نقصان کی تلافی کا بھی قطعاً کوئی خیال نہیں صرف اور صرف ایک فریضہ اپنے اوپر لاگو کر رکھا ہے کہ آپس میں لڑو اور لڑاؤ دوسروں کو بھی بے عزت کرو اور خود بھی بے عزت بنو، نعوذ باللہ من ھذا الخذلان والخسران۔

گناہِ بے گناہی:

بندہ کا اس مسئلہ میں قصور اور گناہ کیا ہے اور مجھے ہدف تنقید بنانے کا موجب کیا ہے؟ میں نے اپنے ناقص مطالعہ کے مطابق اکابرینِ ملت اور اسلافِ کرام کے باہم متخالف اور متناقض اقوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صرف درمیانی راستہ نکالنے کی سعی اور جدوجہد کی ہے۔ بعض عرفائے کرام کا ارشاد یہ تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ بالفعل نبی تھے کیوں کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد جب کہ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ بالفعل نبی ہو اور نبوت کا دعویٰ نہ کرے، نہ ہی تبلیغ احکام فرمائے یہ خلاف عقل ہے اور ایسا قول سراسر جہالت ہے اور اُن کے نزدیک اس حدیث اور اس کی ہم معنی احادیث کا مطلب یہ تھا کہ مستقبل میں آپ کے نبی بنائے جانے کا فیصلہ کردیا گیا تھا اور اس کی اشاعت و تشہیر کردی گئی تھی۔

بندہ نے دونوں طرح کے اقوال کو برحق تسلیم کرتے ہوئے درمیانہ راستہ یہ اختیار کرلیا

کہ دونوں عالم کے معاملات اور احکام جداگانہ ہیں، عالمِ ارواح میں آپ بالفعل نبی تھے، ارواحِ انبیاء اور ملائکہ آپ سے استفادہ اور استفاضہ کرتے تھے اور جب آپ کی روح اقدس کو لباس بشری پہنایا گیا اور مادی و جسمانی مخلوق کے لیے نبی بنایا گیا تو بالفعل نبوت چالیس سال کے بعد سونپی گئی کیوں کہ جسمانیت اور بشریت فی الجملہ ستر اور پردہ بن گئے اور حاجب و مانع بنے۔ پھر رفتہ رفتہ جسم پاک اور بدن انور نورانیت اور تجرد کی طرف منتقل ہوتا رہا جب استعداد و صلاحیت بڑھ گئی تو وحی کے مراتب میں بھی ترقی آتی گئی۔ کبھی منامات صادقہ سے آغاز ہوا، پھر جبریل امین بشری حالت میں متقلب ہو کر وحی پہنچاتے رہے، پھر اصلی حالت میں رہتے ہوئے جب کہ آپ انخلاع من البشریۃ الی الملکیۃ کے مقام پر پہنچ چکے تھے یعنی لباس بشری سے الگ ہو کر ملکی حالت میں ڈھل کر بھی وحی وصول فرما لیتے تھے، بیت المقدس میں امام الانبیاء والمرسلین بنے تو بیت المعمور میں امام الملائکہ، اور پھر اس مقام تک بھی رسائی ہوئی کہ مقام سدرہ آپ کی گردِ راہ بن چکا تھا، مکین سدرہ اور امین الوحی ایک بال برابر بھی آپ کی پرواز کا ساتھ دینے پر فروغ تجلی سے اپنے پروں کے جل جانے کا خطرہ ظاہر کر رہے تھے اور ہم راہی و رفاقت سے معذرت کر رہے تھے، مگر آپ مکینِ لامکاں بن کر جلوۂ ذات کا مشاہدہ بھی فرما رہے تھے اور براہِ راست ہم کلامی اور وحی کی وصولی کا شرف بھی حاصل فرما رہے تھے، دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی

اٹھے جو قصرِ دنی کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ کے وہ بھی نہ تھے ارے تھے

لیکن ابتدائی ادوار یہ بھی ہیں کہ چار سال کی عمر میں شق صدر کیا جا رہا ہے تاکہ لہو و لعب کی طرف میلان نہ ہو، دس سال کی عمر میں شق صدر ہو رہا ہے تاکہ شہوانی خیالات قریب نہ پھٹک سکیں، پھر چالیس سال کی عمر میں شق صدر کیا گیا تاکہ بارِ وحی کے متحمل ہو سکیں۔ وضو کا طریقہ

جبریل امین بتلا رہے ہیں، نماز پڑھنے کا طریقہ وہ سکھلا رہے ہیں، پھر عملی طور پر نماز پڑھ کر اور پڑھا کر تعلیم و تربیت کا واسطہ اور وسیلہ بن رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حالاں کہ عالم ارواح والی نبوت سلب تو نہیں ہوئی تھی اور جبریلِ امین علیہ السلام بھی وہاں آپ کے مستفیدین میں شامل تھے۔

لہذا بندہ نے درمیانی راستہ اپنایا کہ روح مجرد کا معاملہ الگ ہے اور روح متعلق بالبدن کا معاملہ الگ ہے۔ وہاں کے احکامات اور ہیں یہاں کے معاملات الگ۔ لہذا وہاں جو نبوت بالفعل تھی اور اس کے آثار عملی طور پر ظاہر تھے وہ بشریت کے پردہ اور حجاب کی وجہ سے مغلوب و مستور ہو گئی تھی اور فقط روحانی اور باطنی رہ گئی تھی اور جسمانی اعتبار سے بالقوہ رہ گئی، بعد ازاں اوجِ کمال تک رسائی حاصل کر لی اور جسمانی طور پر بھی اعلیٰ ترین مدارج اور ارفع ترین مراتب تک رسائی پائی اور کمالات انبیاء کے لیے بھی جامع بن گئی

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور یہ درمیانی اس لیے اپنایا تا کہ نہ اس مضمون کی احادیث کو محض مجاز ماننا پڑے اور فقط ما یوول الیہ اور مشارفت کا سہارا لینا پڑے (جیسا کہ فقط چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد حصول نبوت کا قول کرنے کی صورت میں مجاز بالمشارفہ اور مجاز باعتبار ما یوول الیہ کے ارتکاب کے بغیر چارہ نہیں ہے) اور نہ ہی دوسری طرف ابتدائے ولادت میں بالفعل نبوت مان کر بے عقلی اور جہالت کا طعن برداشت کرنا پڑے اور اس نبوت کو معاذ اللہ کھیل اور مزاح کے قبیل سے ماننا پڑ جائے کہ نبی تو آپ کو بنا دیا مگر اس کا اظہار مت کیجیے گا اور نہ ہی وعظ و نصیحت کیجیے گا جیسا کہ علامہ میر سید شریف جرجانی، علامہ قرطبی اور حضرت شاہ عبد العزیز علیہم الرحمہ نے اس نظریہ (چالیس سال سے پہلے بالفعل نبی تسلیم کرنا) پر اسی طرح کے اعتراضات کیے ہیں۔

معترضین سے میری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ راہ، راہ راست معلوم ہو اور اس پر

گام زن ہونے کو جی چاہے تو فبہا، ورنہ جس راہ کو موزوں سمجھیں ادھر رجوع کر لیں، بندہ کسی کو اس نظریہ کے اپنانے اور اس راہ پر چلنے کا پابند نہیں کر سکتا۔ بندہ کی چوں کہ یہ سوچی سمجھی رائے ہے ،اور کامل غور وفکر کے بعد اس کو راہ راست اور صراط مستقیم سمجھ کر اپنایا ہے لہذا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے ؛ اسلاف کرام اور علمائے اعلام کی عظیم جماعت کا دامن میرے ہاتھ میں ہے اور ان کے مقدس نقوش قدم میرے لیے نشان منزل ہیں والحمد للہ علی ذلک۔

محض میری ذات کو ہدف تنقید بنانے والے حضرات یہ بھی دیکھیں کہ اُن کی اس تنقید کی زد میں کون کون سی ہستیاں آ رہی ہیں اور اُن کے تیر وتفنگ کا ہدف کون کون سے مقدس نفوس بن رہے ہیں؟ اس کا تفصیلی بیان عن قریب ہدیہ ناظرین ہوگا۔

بہتان عظیم:

بندہ نے عالم ارواح اور عالم اجسام کے معاملات کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم سے بھی الست بربکم پوچھا گیا تھا اور ہم نے جواب میں بلی بھی کہا، لیکن یہاں پر ہمیں کچھ بھی یاد نہیں نہ سوال اور نہ ہی جواب۔ ابو جہل، ابولہب، فرعون، نمرود، شداد وغیرہ نے بھی یہ جواب وہاں دیا تھا لیکن یہاں ان کا حال کیا ہوا۔ اس پر بعض حضرات کو شدید اعتراض ہے اور انہوں نے اس قول کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عامی لوگوں پر قیاس کرنے اور بالخصوص ان کفار وملعونین پر قیاس کرنے کا کیا جواز ہے اور کون مومن ایسا قیاس کر سکتا ہے؟

جواباً گزارش یہ ہے کہ بندہ تو ایک عالم کا دوسرے عالم سے فرق واضح کر رہا تھا نہ کہ کسی نبی کی ذات اقدس کو دوسرے لوگوں پر قیاس کر رہا تھا۔ نیز یہ حضرات اگر قول باری تعالی مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح الآیۃ اور قول مصطفوی مثلی ومثل الانبیاء من قبلی (الی) انا اللبنۃ کو دیکھیں تو پتہ نہیں اللہ تعالی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اس فانی اور محدود روشنی والے چراغ کے ساتھ اپنے نور کی تمثیل دے کر اپنی توہین کر دی ہے اور نبی ﷺ نے اپنے آپ کو قصر نبوت کی ایک اینٹ اور جامد و بے عقل ، بے شعور چیز کا عین ٹھہرا کر اپنی توہین و تحقیر کر دی ہے، العیاذ باللہ تعالی ۔ اللہ تعالیٰ صحیح سوچ اور فکر نصیب فرمائے اور مقصودِ متکلم بھی سمجھنے کی توفیق بخشے ۔ وما ذالك على الله بعزيز

باب اول

الزام واتہام کا مبدا ومنشاء:

سب سے پہلے یہ الزام واتہام پیرزادہ شاہ نصیر الدین صاحب گولڑی نے عائد فرمایا تھا اور بندہ نے ھدایۃ المتذبذب الحیران میں اس کا مناسب اور موزوں جواب دیا تھا، اگر انہیں یا دیگر اہل علم کو اس پر اطمینان نہیں تھا تو ان دلائل اور حوالہ جات کا جواب دیا جاتا جو بندہ نے ذکر کیے تھے مگر اس کے برعکس انہوں نے اپنے مریدین اور متعلقین کے ذریعے صرف اس امر کی تشہیر ضروری سمجھی کہ محمد اشرف سیالوی آنحضور ﷺ کو بچپن سے نبی نہیں مانتا اور دوسرے مولوی صاحبان نے بھی ان کی تقلید میں یہ شور وشر پھیلانا شروع کر دیا اور انہیں نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس میں بڑا خلل محسوس ہونے لگا۔

خبر نہیں علماء کی یہ فوج ظفر موج اس وقت کہاں گئی تھی جبکہ موصوف نے بلا استثناء تمام انبیاء ورسل علیھم السلام اور اولیاء کرام علیھم الرضوان کو اعانت اور امداد سے عاجز اور قاصر ثابت کرنے کے لیے ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی تھی جسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر اور پاؤں گردن سے ملا کر اونچے درخت کے ساتھ سولی پر لٹکایا گیا ہو اور اسے سولی پر لٹکانے والا ہر طرح کے اسلحہ کے انبار لگا کر اس کے پاس بیٹھا ہو اور ہر ہتھیار اس پر استعمال کر رہا ہو" اور ساتھ ہی موصوف نے یہ تاثر دیا تھا کہ "کیا اس وقت کوئی سولی چڑھے سے استمداد واستعانت کرے گا یا سولی چڑھانے والے سے"

اور طرفہ یہ کہ پیرزادہ صاحب نے ان تمام خیالات کو پیران پیر حضرت سیدنا غوث اعظم کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ مجھے توحید کا یہ سبق آپ کی کتب کے مطالعہ سے ملا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پیرزادہ صاحب کی کتاب "اعانت واستعانت

کی شرعی حیثیت")

اس کا جواب بندہ نے "ازالۃ الریب" اور "ھدایۃ المتذبذب الحیران" تالیف کر کے دیا تھا اور بزعم خویش نبی مکرم ﷺ کے ان عشاق اور پروانوں کو پتہ نہیں زمین نگل گئی تھی یا آسمان نے اچک لیا تھا؟ ان حضرات کو اس وقت صرف اور صرف یہی ڈر اور خوف دامن گیر تھا کہ پیرزادہ صاحب بڑی زور آور اور جابر اور باوسائل شخصیت ہیں کہیں کسی مشکل صورت سے دوچار نہ ہونا پڑے مگر ادھر تسلی ہے کہ محمد اشرف سیالوی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے لہذا سستی شہرت بھی حاصل کر لو اور مفت میں شمع نبوت کے پروانوں میں نام بھی لکھوا لو۔

(یہاں ہم سب سے پہلے "ہدایۃ المتذبذب الحیران" سے وہ اقتباس نقل کر رہے ہیں جس میں پیرزادہ صاحب کی طرف سے اٹھائے جانے والے اس اعتراض کا جواب اجمالی طور پر دیا گیا تھا، یہ بحث مذکورہ کتاب کے صفحہ 296 سے 305 تک موجود ہے۔

نفی نبوت اور انکار رسالت کا بہتان عظیم

پیرزادہ صاحب نے مجھ پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ میں نبی مکرم ﷺ کی نبوت کا منکر ہوں اور آپ کی رسالت کا بھی کیونکہ میں نے کہا ہے کہ غار حرا میں جبریل علیہ السلام جس وقت حاضر ہوئے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو نبوت ملی اور اس پہلی وحی سے قبل آپ کو نبوت ہی نہیں ملی تھی۔

(ملخص صفحہ 241)

یعنی حضور علیہ السلام کو غار حراء میں پہلی وحی اور جبریل امین کے بھیجنے کے بعد رسالت سے نوازا گیا جبکہ روز میثاق سارے نبیوں سے وعدہ لیا گیا تو فرمایا گیا ﴿ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم﴾ یہاں بھی آپ پر لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(ملخص صفحہ 243)

پیرزادہ صاحب کی علمائے اعلام اور اکابرین ملت کے عقیدہ ونظریہ سے بے خبری

بندہ کی اس موضوع پر مدتوں سے مطبوع کتاب پڑھے لکھے حضرات کے مطالعہ میں ہے اوراس موضوع پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کے مکمل جوابات اس میں موجود ہیں یعنی ''تنویر الابصار بنور النبی المختار'' اور پیرزادہ صاحب نے یہ اعتراف بھی فرمایا ہے کہ ''ازالة الریب عن مقالة فتوح الغیب'' کی نسبت سیالوی صاحب کی دوسری کتابیں اچھی ہیں تو ظاہر ہے ان کا مطالعہ کر کے ہی یہ رائے قائم کی ہوگی مگر یہاں مجھ پر نفی نبوت اور انکار رسالت کا الزام بھی عائد کر دیا ہے کیونکہ لباس بشری اوڑھنے کے بعد جب آپ کو خلق خدا کی ہدایت کا فریضہ سونپا گیا اور منصب نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو غار حرا میں جبریل علیہ السلام کے وحی لانے پر ہی یہ منصب آپ کو عطا ہوا لیکن پیرزادہ صاحب کہتے ہیں

''اور اگر آپ پر قبل وحی نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پھر پیچھے بچ کیا جاتا ہے''

(صفحہ نمبر 243)

(1) حالانکہ علمائے سیرت نے محبوب کریم علیہ السلام کے خصائص میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ اول الانبیاء ہیں ازروئے تخلیق اسی طرح یہ بھی ذکر فرمایا کہ آپ ازروئے بعثت آخری نبی ہیں اور ان دونوں خصائص کو احادیث صحیحہ کے ساتھ مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور علمائے کلام نے بھی کتب عقائد میں تصریح فرمائی ہے اول الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لہذا یہ بات تو طے شدہ اور مسلم حقیقت ہوئی کہ لباس بشری اور تخلیق عنصری کے لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں اور اس امر کو بھی کتب احادیث اور کتب سیرت میں مستقل عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا۔ باب المبعث اور بدأ الوحی اور اس کے ضمن میں تصریح موجود ہے کہ

چالیس سال کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی۔

مشکوۃ شریف میں اس عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

﴿عن ابن عباس قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم لاربعين سنة فمكث بمكة ثلاث عشرة سنة يوحىٰ اليه ثم امر بالهجرة فهاجر عشر سنين ومات وهو ابن ثلاث وستين سنة ﴾

(متفق عليه)

یعنی رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس تیرہ سال مکہ شریف میں قیام پذیر رہے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال ہجرت کی حالت میں (مدینہ طیبہ میں) گزارے پھر آپ کا وصال ہو گیا جبکہ آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

علامہ علی قاری مرقات میں "بعث" کے تحت فرماتے ہیں ﴿ای جعل مبعوثا الیٰ الخلق بالرسالة ﴾ اور "لاربعین" کے تحت فرمایا:

﴿ ای وقت اتمام هذه المدة قال الطيبى اللام فيه بمعنى الوقت ﴾

(جلد 11صفحہ 103)

یعنی آپ کو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

(2)۔ نیز فرماتے ہیں ﴿ والاظهر انه كان قبل الاربعين وليا ثم بعدها صار نبيا ثم صار رسولا ﴾

(جلد 3صفحہ 308)

اور زیادہ ظاہر اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال پورے ہونے سے قبل صرف ولی تھے اور اس مدت کے پورے ہونے پر نبی بن گئے بعد ازاں منصب رسالت پر فائز ہوئے۔

(3)۔ نیز اس میں علمائے اعلام کا اختلاف ہے کہ آپ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل

غارحراء میں جو عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کس شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

﴿ اختلف العلماء فی ان نبینا ﷺ قبل النبوۃ هل کان متعبدا بشرع قیل کان علیٰ شریعة ابراهیم وقیل موسیٰ وقیل عیسیٰ والصحیح انه لم یکن متعبدا بشرع لنسخ الکل بشریعة عیسیٰ علیه السلام وشرعة قد کان حرف وبدل قال تعالیٰ ما کنت تدری ماالکتاب ولاالایمان ای شرائعه واحکامه ﴾

(جلد 3صفحہ 308)

ترجمہ:

بعض حضرات نے کہا آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل فرماتے تھے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند ہونے کا مگر صحیح یہ ہے کہ آپ پہلی کسی شریعت پر کاربند نہیں تھے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ساتھ منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تحریف اور تغییر وتبدیلی پائی گئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تم اپنے طور پر نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے یعنی اس کے شرائع اور احکام کی تفصیلات کو نہیں جانتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بقول پیرزادہ صاحب حضور اکرم ﷺ کو پیدائش کے وقت سے ہی نبی اور رسول تسلیم کیا جائے تو ان علماء پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے چالیس سال پورے ہونے پر آپ کو نبوت ملنا تسلیم کیا بلکہ ان صحابہ کرام پر کیا فتویٰ عائد ہوگا جنہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا؟

نیز علمائے اعلام میں یہ اختلاف ہی کیوں پیدا ہوا کہ آپ کس شریعت پر عمل پیرا تھے اور

مختلف انبیاء علیہم السلام کے نام کیوں لئے گئے کہ فلاں کی شریعت یا فلاں کی شریعت پر آپ عمل پیرا تھے۔

(4)۔علاوہ ازیں نبی کی تعریف یہ ہے "انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام" وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرمائے۔تو کیا آپ نے عمر شریف کے پہلے حصے میں تبلیغ فرمائی ؟ جب نہیں اور بالکل نہیں بلکہ اس خاموشی اور دعویٰ سے دوری کو اپنی صداقت دعویٰ پر بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قل لو شاء الله ما تلوته عليكم ولا ادراكم به فقد لبثت فيكم عمرا من قبله افلا تعقلون ﴾

ترجمہ:

فرما دیجئے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا میرا تم پر قرآن کو تلاوت نہ کرنا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ کرتا تحقیق میں تمہارے درمیان عمر کا بہت بڑا حصہ ٹھہرا رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اگر آپ نبی اور رسول تھے تو تبلیغ فرماتے اور ان کے کفر و شرک اور دیگر گناہوں پر سکوت اور خاموشی اختیار نہ فرماتے لیکن اس سکوت کو اپنی سچائی اور حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش فرما رہے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع و اطاعت کا حکم نہیں دیا۔اگر میں نے اپنے طور پر جھوٹا دعویٰ کرنا ہوتا تو پہلے کر دیتا اور جب پہلے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔

"شرح عقائد نسفی" میں علامہ تفتازانی نے آپ کی نبوت والے دعویٰ پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿واما نبوۃ محمد ﷺ فلانہ ادعیٰ النبوۃ واظہر المعجزات﴾

یعنی آپ کے نبی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات ظاہر فرمائے (اور ہر ایسا شخص جو دعوائے نبوت بھی کرے اور معجزات بھی ظاہر کرے وہ نبی ہوتا ہے لہٰذا آپ نبی ہیں)

تو معلوم ہوا کہ دعوائے نبوت اور اظہار معجزہ کے بغیر نبوت ثابت نہیں ہوتی اور جب یہ دعویٰ پایا گیا اور معجزات اس دعویٰ کی تصدیق وتائید میں ظاہر ہوئے تو آپ کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور نبی ورسول ہونا متحقق ہو گیا۔

عالم ارواح کے احکام جداگانہ ہیں

محبوب کریم ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام اس دیس میں آپ سے استفادہ فرماتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود و متحقق نہیں تھی صرف علم الٰہی میں نبی تھے جبکہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء ورسل اور ملائکہ کے مربی اور فیض رساں تھے جیسے کہ "کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث" اور "قالوا متی وجبت لك النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسم" سے ظاہر ہے۔ لیکن عالم بشریت اور وجود عنصری کا حکم جداگانہ ہے۔ تمام لوگوں نے وہاں "الست بربکم" کے جواب میں "بلیٰ" کہا اور ایمان لائے لیکن یہاں پھر ایمان لانے کے ساتھ مکلف بھی ہیں اور کافر ومشرک اور مومن وموحد اور مخلص ومنافق کی تمیز بھی ہے لہٰذا عالم ارواح میں نبی ہونے سے پیدا ہوتے ہی نبی ورسول ہونا لازم نہیں آتا۔

پیرزادہ صاحب کا ذہنی انتشار اور تغافل شعاری

آپ فرماتے ہیں روز میثاق انبیاء علیہم السلام سے عہد لیتے وقت فرمایا گیا ہے ﴿ ثم

جاء کم رسول ﴾ (الآیة) یہاں بھی آپ پر رسول کا لفظ بولا گیا ہے۔ اگرچہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام آپ سے مستفیض اور مستفید ہوتے رہے لیکن آیت کریمہ میں یہ مراد نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے وہاں ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا گیا بلکہ اس قول باری تعالیٰ میں دنیوی بعثت کے متعلق ان سے عہد لیا گیا تھا

﴿ اذاخذ الله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول ﴾

(الآیة)

ترجمہ:

یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری نبوت اور کتابوں وغیرہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔

ہر مفسر نے اس کا یہی معنیٰ بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں آپ کے مبعوث ہونے پر اگر وہ رسل کرام اور انبیاء علیہم السلام ظاہری حیات کی ساتھ موجود ہوں تو وہ ایمان لانے اور امداد واعانت کے پابند ہوں گے اور اپنی امتوں کو بھی اس امر کا پابند کریں گے۔ حضرت علی مرتضیٰ ﷛ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ سے بھی یہی منقول ہے اور علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمان رسول ﷺ "لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی" کے تحت تفسیر بغوی کے حوالے سے یہی تصریح فرمائی ہے۔

کاش پیرزادہ صاحب کو آیت کریمہ کا پہلا حصہ بھی نظر آجاتا اور اس کا مطلب ومفہوم بھی ذہن میں آجاتا تو تمام مفسرین کی مخالفت کے مرتکب نہ ہوتے اور نہ اہل علم ودانش کے نزدیک ندامت وشرمندگی اٹھاتے۔

(1)۔ آیت کریمہ میں انبیاء علیہم السلام سے کتاب وحکمت عطا ہونے کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا

جبکہ روز میثاق تو ان کو کتاب وحکمت نہیں دی گئی تھی تو پھر اس عہد کی وفا کیسے پائی گئی اور ان کے لئے آپ کی رسالت اس آیت سے کیسے ثابت ہوگئی۔

(2)۔یہاں مستقبل کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں "لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" ضرور ایمان لاؤ گے ضرور مدد کرو گے۔تو اس سے ماضی والا معنیٰ سمجھنا اور مراد لینا کیونکر روا ہو سکتا ہے اور جب وہ ایمان ونصرت کے ساتھ مکلف عالم اجسام کے لحاظ سے ہیں تو پھر رسول مصدق ہونا آپ کا بھی عالم اجسام اور لباس بشری کے لحاظ سے ثابت ہوگا لہٰذا اس آیت کریمہ سے غار حرا سے قبل رسول ہونے کا اثبات سراسر دھاندلی اور تحکم ہے۔

(3)۔ان کو بھی آیت کریمہ میں "النبیین" کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے تو کیا وہ بھی اس وقت بالفعل اور خارج میں وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھے؟ جب نہیں اور بالکل نہیں تو اس آیت کریمہ سے آپ کا اس وقت "رسول مصدق لما معکم" ہونا کس طرح ثابت ہوگیا یا پیدا ہوتے ہی اس وصف سے موصوف ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟

(4)۔حضرت علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق نشاۃ عنصری اور دنیوی حیات سے ہے پہلا اور زیادہ ظاہر قول مولائے مرتضے ﷺ کا نقل کیا ہے

﴿عن علی ﷺ قال لم یبعث اللہ نبیا آدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد ﷺ لئن بعث وھو حی لیؤمنن بہ و لینصرنہ وامرہ ان یاخذ المیثاق علیٰ امتہ لئن بعث محمد ﷺ وھم احیاء لیؤمنن بہ ولینصرنہ﴾

(روح المعانی جلد 3 صفحہ 185)

وکذا فی تفسیر ابن الکثیر (جلد 1صفحہ 337)، (کبیر جلد 3صفحہ

(274

ترجمہ:

حضرت علی مرتضےٰ ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد والے حضرات تو ان سے یہ عہد لیا محمد کریم علیہ السلام کے متعلق کہ اگر آپ ان کی زندگانی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد واعانت کریں گے اور یہ حکم بھی ان کو دیا کہ وہ اپنی امتوں سے بھی یہ عہد لیں کہ ان کی حیات میں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی امداد واعانت کریں گے۔

کیا پیرزادہ صاحب چالیس سال کے بعد والی نبوت ورسالت کو اہمیت نہیں دیتے؟

لہٰذا پیرزادہ صاحب کا اس کو اپنے اختراعی نظریہ کی دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے اور یہ کہنا کہ اگر قبل از وحی آپ پر نہ لفظ نبی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی لفظ رسول کا تو پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟ ان علمائے اعلام کے ارشادات کی مخالفت بھی ہے اور محبوب کریم علیہ السلام کے اعلان نبوت اور دعوائے رسالت کے بعد والی نبوت ورسالت کو نظر انداز کرنا اور غیر ضروری اور غیر اہم سمجھنا بھی لازم آتا ہے حالانکہ آپ کے عالم عناصر میں تشریف لانے پر آپ کے اصل کمالات اور امتیازات واختصاصات کا ظہور اس دور میں ہوا اور قرآن مجید جیسا عظیم انعام اور ہدایت خلائق جیسی عظیم نعمت اس دور میں میسر آئی لیکن پیرزادہ صاحب اس کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پھر پیچھے بچ کیا جاتا ہے؟

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ صرف نبی ورسول کا لفظ بلحاظ وقت پیدائش سے لے کر

چالیس سال کی عمر شریف تک یہ زیادہ اہم ہے یا عملی طور پر نبوت و رسالت کے ثمرات اور اثرات کا ظہور اور انوار و تجلیات اور فیوض و برکات کاملہ کا ظہور اہم ترین امر ہے جس میں لوگوں کو شرک اور دیگر ذنوب و آثام سے بچایا گیا اور واصل الی اللہ کیا گیا اور ان کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے ذریعے ان کو مہذب دنیا کا بھی مقتداء اور پیشوا بنا دیا گیا لیکن اس دور کو کوئی اہمیت دینا تو دور کی بات ہے اس کو نظر التفات کا حقدار بھی نہیں سمجھا جا رہا۔ پتہ نہیں آپ اس قدر فاتر العقل اور کم فہم کیوں بن گئے ہیں؟ کہیں والد گرامی کی ناراضگی اور بد دعاؤں کے اثرات تو نمایاں نہیں ہو رہے ہیں؟ **با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب**

پیرزادہ صاحب معتزلہ کی راہ پر

پیرزادہ صاحب نے جبرئیل علیہ السلام کے ذات رسول ﷺ میں تصرف اور تاثیر کی دلیل کے طور پر قول باری تعالیٰ ﴿ علمه شديد القوى ﴾ کو بھی ذکر کیا گویا نبی کریم ﷺ ان سے علوم کا استفادہ فرماتے رہے اور وہ معلم اور فیض رساں تھے۔ اور اس قول باری تعالیٰ سے معتزلہ نے اپنے اس نظریہ پر استدلال پیش کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معلم ہیں اور آپ ﷺ متعلم اور مستفید اور معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے لہٰذا جبرئیل علیہ السلام آپ سے افضل ہیں۔

"شرح عقائد نسفی" میں ہے

﴿ ذهبت المعتزلة والفلاسفة و بعض الاشاعرة الى تفضيل الملائكة وتمسكوا بوجوه (الى) الثاني ان الانبياء مع كونهم افضل البشر يتعلمون ويستفيدون منهم بدليل قوله تعالى "علمه شديد القوى" وقوله نزل به الروح الامين على قلبك ولا شك ان المعلم افضل من المتعلم ﴾

لیکن اہل السنت ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

﴿ ان التعلیم من الله والملائکة انما هم المبلغون ﴾

کہ دراصل انبیاء علیہم السلام کیلئے تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ملائکہ صرف ابلاغ اور پیغام رسانی کیلئے ہیں یعنی تعلیم کی نسبت ملائکہ اور بالخصوص جبرئیل علیہ السلام کی طرف مجازی طور پر کی گئی ہے۔

الغرض یہ استدلال بھی پیرزادہ صاحب کا معتزلہ اور فلاسفہ کا فیض ہے اور یہ نظریہ بھی ان کی اتباع واقتداء کے طفیل ہے اور اہل السنّت کے عقائد ونظریات اور مذہب مختار سے بے خبری پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے اور اسلاف کی راہ پر گامزن فرمادے۔ آمین

(یہاں ہدایۃ المتذبذب الحیر ان کا اقتباس ختم ہوا)

کیا تم گستاخ اور بے ادب نہیں ہو؟

ان پروانوں کا سارازور اس امر پر ہے کہ حضور اکرم ﷺ بچپن سے نبی ہیں کیونکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ”میں اس وقت سے نبی ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ہنوز آب وگل اور روح وجسد کے درمیان تھے“

حالاں کہ چھ ہزار سال کا عرصہ آپ ﷺ آباء واجداد کے اصلاب اور پشتوں میں اور اُمہات اور جدات کے ارحام میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے، جیسا کہ حبیب مکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لما خلق الله آدم أهبطني الى الأرض وجعلني في صلب نوح في السفينة وقذف بي في النار في صلب ابراهيم ثم لم يزل ينقلني من الأصلاب الكريمة الى الارحام الطاهرة حتى أخرجني من بين أبوي

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور مجھے ان کی پشت میں ودیعت فرما دیا تو ان کے ذریعے مجھے زمین کی طرف اتارا، پھر مجھے نوح علیہ السلام کی پشت میں ہوتے ہوئے کشتی نوح پر سوار کیا۔ پھر ابراہیم کی پشت میں ودیعت فرمانے کے بعد نار نمرود میں پھینکا، پھر مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ماں باپ سے ظاہر فرمایا"

اور اسی حقیقت کو سیدنا عباس نے غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی مکرم ﷺ کی صدارت اور سرپرستی میں منعقدہ محفل نعت اور محفل میلاد میں بیان فرمایا جب کہ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ صحابۂ کرام اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں شریک اور شامل تھے اور اس بابرکت اور نورانی محفل میں شریک تھے۔ اُن کے قصیدہ اور اس کے کسی شعر پر نہ کسی صحابی نے ردو قدح سے کام لیا اور نہ ہادیٔ اعظم، رسول معظم ﷺ نے اعتراض فرمایا بلکہ ان کی اس قصیدہ خوانی کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے فرمایا:

قل یا عم لا یفضض اللہ فاک

اٹھو! اے چچا جان بیان کرو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے

تو انہوں نے فرمایا:

من قبلھا طبت فی الظلال وفی

مستودع حیث یخصف الورق

زمین پر نزول اجلال سے قبل آپ جنت کے درختوں کے سایہ میں خوش وخرم تھے اور اس ودیعت گاہ (صلب آدم) میں جس پر جنتی درختوں کے پتے لپیٹے جا رہے تھے (بوقت خروج آدم)

ثم ھبطت البلاد لا بشر

انت ولا مضغۃ ولا علق

پھر آپ (آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کی وجہ سے) زمین کے شہروں اور علاقوں کی طرف نکلے جبکہ نہ گوشت کا ٹکڑا تھے نہ منجمد خون۔

بل نطفۃ ترکب السّفین وقد

الجم نسرًا و اھلہ الغرق

بلکہ مخصوص مادہ اور جوہر تھے جو کشتی نوح علیہ السلام پر سواری کر رہے تھے جبکہ نسر بت اور ان کے پجاری غرق ہو رہے تھے۔

جیسے کہ عارف جامی نے فرمایا:

زجودش گر نگشتے راہ مفتوح

بجودی کے رسیدے کشتی نوح

وردت نار الخلیل مکتتماً

فی صلبہ انت کیف یحترق

آپ ابراہیم علیہ السلام والی آگ میں پوشیدہ طور پر ان کی پشت میں ہوتے ہوئے داخل ہو چکے تھے تو وہ کیسے جل سکتے تھے؟

یابرد نار الخلیل ویا سبباً

لعصمۃ النار وھی تحترق

اے ابراہیم علیہ السلام والی آگ کے ٹھنڈا ہونے کے موجب اور علت تامہ! ان کے آگ میں جل جانے سے تحفظ اور خلاصی کے سبب اور وسیلہ جبکہ وہ زور سے جل رہی تھی۔

تنقل من صالبٍ الیٰ رحم

اذا مضیٰ عالم بدا طبق

تم ایک صلب سے ایک رحم کی طرف یکے بعد دیگرے منتقل کیے جارہے تھے جبکہ ایک عالم اور قرن لوگوں کا گزر جاتا تو دوسرا طبقہ نمودار ہو جاتا جو کہ آپ کے انتقال مکانی کا موجب بنتا

و انت لمّا ولدتّ اشرقت

الارض و ضاءت بنورك الافق

جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو تمام زمین روشن ہوگئی اور تمہارے نور سے تمام آفاق اور اطراف جہان جگمگا اٹھے۔

آباء واجداد کے اصلاب میں اور امہات وجدات کے ارحام میں منتقلی کا عرصہ تقریباً چھ ہزار سال ہے اور اس عرصے میں مخالفین بھی آپ کے نبی ہونے کے قائل نہیں، تو کیا اتنے عرصہ میں آپ کو نبی اور رسول نہ ماننا بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے؟ چھ ہزار سال کے لیے نبوت و رسالت کی نفی اور انکار اگر گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے تو مزید چالیس سال شامل کر لینا کیونکر بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گا؟

تنبیہ:

نبی کریم ﷺ نے اپنے وجودِ مسعود کو ضمیر متکلم کیساتھ تعبیر کیا اور حضرت عباس نے آپ کے مختلف اصلابِ اور ارحام میں منتقلی کو ضمیر خطاب سے تعبیر فرمایا ہے۔ لہذا اس کلام کو آپ کی ذات اقدس اور روح مبارک کے جوہر نوری سے متعلق ہوتے ہوئے ان مراحل سے گزرنے پر محمول کرنا لازم ہے۔ ورنہ آباء واجداد کے نطفے اور منویہ مادے تو ان کے ابدان کے اجزاء ہوتے ہیں اور ان مادوں اور نطفوں کو نبی مکرم ﷺ اپنی ذات سے کیسے تعبیر کر سکتے تھے اور حضرت عباس ان کو آپ کی ذات کیسے قرار دے سکتے تھے؟ لہذا واضح ہوگیا کہ آپ کا جسمانی جوہر اور نورانی مادہ ایک الگ حقیقت اور منفرد جوہر تھا جس سے آپ کی روح پاک کا بھی تعلق تھا اور وہ جوہر نوری یکے بعد دیگرے آباؤ اجداد کی پشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔

نوٹ: (مزید تفصیل معلوم کرنے کے لیے بندہ کی کتاب تنویر الابصار بنور النبی المختار کا مطالعہ فرمائیں)

الغرض آپ ﷺ کی روحِ مبارک بمع آپ کے جوہر جسمانی اور مادۂ نورانی کے ہزاروں سال عالمِ اجسام میں موجود رہی اور اس کے فیوضات اور برکات سے آباء واجداد اور قبائل اور علاقے مستفید ہوتے رہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اُس حالت میں آپ ﷺ کو نبی نہ ماننا گستاخی ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو آپ بھی اس گناہ میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہیں اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی بقائمی ہوش وحواس آباءواجداد اور امہات وجدات کے اصلاب وارحام میں منتقل ہونیوالی ہستی کو جسمانی لحاظ سے بالفعل نبی تسلیم نہیں کرسکتا تو جسدِ اطہر کی مزید تکمیل ہونے تک بالفعل اور عملی نبوت کو موخر مان لینا کیونکر بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گی اور توہین وتحقیر قرار دی جاسکے گی؟

ضروری نوٹ:

نبی مکرم ﷺ کے بدنِ اقدس اور روحِ حقیقت کا باہمی اتحاد اور توافق وتناسب، مہلت طلب اور مخصوص مدت تک تاخیر کا متقاضی تھا اس کی تحقیق سید الاولیا حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کے حوالہ سے بعد میں ذکر کی جائے گی جو کہ علامہ نبہانی نے بھی (جواھر البحار جلد ثانی ص ۲۵۳ و ۲۵۴ پر) نقل فرمائی ہے۔

کیا عالمِ ارواح میں پیدا ہوتے ہی آنحضور ﷺ منصب نبوت پر فائز تھے؟

محبوبِ کریم علیہ السلام کی حقیقت اور روحِ مقدسہ اور جوہر نورانی کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے سے قبل پیدا فرمایا تھا جیسا کہ ''حدیثِ جابرؓ'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔ نیز آسمانوں اور زمینوں وغیرہ کی تخلیق سے ہزاروں سال قبل لوح وقلم کو پیدا کیا گیا جبکہ آسمانوں

کی تخلیق کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا گیا اور زمینوں میں جنات کو بسایا گیا اور ان کے فسادات اور شرارتوں کے پیش نظر ان کی جگہ حضرت انسان کو بسانے کا پروگرام بنایا گیا اور ملائکہ کے سامنے باری تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرة: ۳۰)

تو گویا آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کی تخلیق اور آپ کے جوہر نوری اور حقیقتِ محمدیہ کی تخلیق کے درمیان ہزاروں سال بلکہ لاکھوں سال کا فاصلہ ہے اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت نبوت سے بہرہ ور کیا جا چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے اور روح اور جسد کے درمیان تھے۔ اس قدر طویل عرصہ اور دراز زمانہ میں آپ کا نبی نہ بنایا جانا کیا یہ آپ کی کسر شان اور آپ کی توہین اور تحقیر اساءت و بے ادبی ہے؟

اگر ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اس وجہ سے آپ حضرات کے فتوے کی زد میں کون کون سی ہستیاں آ رہی ہیں؟ لہذا کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس اور بہ بقائے عقل وفہم یہاں بے ادبی و گستاخی یا تحقیر و توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور اگر عالمِ ارواح میں تخلیق پانے کے باوجود ہزاروں سال بلکہ لاکھوں سال عطائے نبوت میں تاخیر اور التواء روا ہے اور سراسر حکمت ہے کیونکہ: فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة

تو جسمانی تخلیق کے چالیس سال بعد تک اس اعزاز و کرامت اور شرف وفضل کی تاخیر والتواء میں بھی حکمت اور مصلحت تامہ کاملہ ہے لہذا اس کو گستاخی اور بے ادبی ٹھہرانا سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے۔ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال بعد نبی ماننا گستاخی اور بے ادبی اور تحقیر و اہانت نہیں ہے تو یہاں اس کو بے ادبی اور گستاخی قرار دینے کا کیا جواز ہے معاملہ صرف دلیل ثبوت کا ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ نے چالیس سال تک نبوت کو چھپائے رکھا؟

جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ پیدائش ہی سے بالفعل نبی مانتے ہیں، اِس بات کا تو وہ بھی انکار نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک نبوت کا اعلان و اظہار نہیں فرمایا اور اپنے کسی قریبی سے قریبی دوست یا رشتہ دار پر بھی اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا۔ حالاں کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتِ ولادت سے ہی نبی تھے لیکن چالیس سال تک اس کو چھپائے رکھا تو یہ لغو اور بے بنیاد اور ناحق و ناصواب نظریہ ہے۔ کیوں کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان سفارت و وساطت کا نام ہے، انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے بالواسطہ اور بلاواسطہ فیوض اور فوائد حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کے بندوں تک پہنچادیتے ہیں اور ان پر اپنا منصب ظاہر کرنا بھی فرض ہوتا ہے اور اس پر معجزہ کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کرنا بھی لازم اور ضروری ہوتا ہے۔

امام نیشاپوری اپنی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ذھب المحققون الی ان علی الولی یجب اخفاء ولایته ویجب علی النبی اظھار نبوته (تفسیر نیشا پوری علیٰ حاشیه الطبری جلدنمبر٦ ص ٢٠٦)

”اہلِ تحقیق علماءِ اعلام اور مقتدایانِ انام کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر اپنی ولایت کا چھپانا واجب ولازم ہوتا ہے اور نبی پر اپنی نبوت کا اظہار کرنا لازم اور ضروری ہوتا ہے“

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد گرامی ہے:

ظھور خوارق شرط نبوت است نه شرط ولایت۔ اظھار نبوت واجب است نه اظھار ولایت بلکه ستر و اخفاء بایں مرتبه اولیٰ است زیرا که آنجا دعوت خلق است و ایں جا قرب حق جل شانه ومعلوم است که دعوت را اظھار لازم است و قرب را استتار مناسب۔ (مکتوبات شریف صفحه ٤٦٤ جلد دوم)

”خوارق عادات اور معجزات کا ظاہر ہونا نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ ولایت کی شرط ہے، نبوت کا اظہار لازم ہے نہ کہ ولایت کا اظہار لازم اور ضروری ہے، بلکہ مرتبہ ولایت کا

مستور اور مخفی رہنا اولیٰ اور انسب ہے کیونکہ نبوت مخلوق کے لیے دعوت ہے (اور رشد و ہدایت کا سامان) اور مقامِ ولایت میں قربِ حق جل شانہ ہے اور یہ عمل واضح اور معروف ہے کہ دعوت کے لیے اظہار لازم اور ضروری ہے جبکہ قربِ ولایت کے لیے ستر اور پردہ داری موزوں اور مناسب ہے۔"

حضرت مولانا امجد علی رضوی بریلوی فرماتے ہیں:

"عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے انھوں نے وہ سب پہنچا دیے جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نے بھی چھپائے رکھا تھا تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا تو وہ کافر ہے۔" (بہارِ شریعت جلد اول صفحہ ۱۲،۱۱)

مقامِ غور ہے، حضرت صرف ایک حکمِ نبوت کے ظاہر نہ کرنے کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر ٹھہرا رہے ہیں جو حضرات چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی نبوت اور تمام احکامِ نبوت ہی کو چھپائے رکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے متعلق آپ کا فتویٰ کیا ہو گا؟

تقیہ کو انبیاء علیہم السلام کے حق میں جائز رکھنا کسی سنی مسلمان کا کام نہیں، ہو سکتا یہ تو صرف شیعہ کا عقیدہ و نظریہ ہے کیونکہ انبیاء کرام آروں سے چیرے جاتے رہے، سولیوں پر لٹکتے رہے اور اپنے حلقوم تیغِ جفا سے کٹانا اور سرِ قلم کرانا گوارا کرتے رہے وطنوں کو خیر باد کہتے رہے لیکن احکامِ خداوندی کو اعلانیہ بیان کیا اور اپنے منصبِ نبوت و رسالت کا بھی برملا اظہار کیا۔ لہذا یہ نظریہ سراسر لغو، باطل، ناروا اور ناصواب ہے۔

دعویٰ نبوت اور تبلیغ سے قبل نبوت ماننے والے میر سید شریف جرجانی کی نظر میں:

صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا عقل و خرد کے تقاضوں سے بھی دور ہے، آیئے

علامہ میر سید جرجانی کی ایک عبارت ملاحظہ کرتے ہیں، آپ کا علمی مقام طلباء وعلماء پر بخوبی واضح ہے، فرماتے ہیں:

و من البیّن ان ثبوت النبوۃ فی مدۃ طویلۃ بلا دعوۃ ولا کلام مما لا یقول به عاقل (شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۵۰)

"اور یہ امر واضح اور روشن ہے کہ مدتِ مدیدہ اور عرصۂ بعیدہ تک نبوت حاصل ہونے کے باوجود نہ نبوت کا دعویٰ کرنا اور نہ اس کا اظہار کرنا اور نہ اس کے احکام کے متعلق کلام کرنا اس کا کوئی عقل مند شخص قائل نہیں ہو سکتا"

جو لوگ نبی الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک اپنی نبوت کو چھپائے رکھا، نہ امی جان پر اظہار فرمایا، نہ ہی انتہائی مشفق دادا جان پر، نہ جناب ابو طالب جیسے فداکار اور جان نثار چچا کو اس راز سے مطلع فرمایا اور نہ ہی اپنی مجسمۂ وفا زوجہ اور مال و زر قربان کر دینے والی مخلص ترین بیوی اور شریک حیات حضرت خدیجہ پر اس کا اظہار فرمایا، نہ صدیق اکبر جیسے جگری دوست اور سراپا اخلاص یار پر اس عرصہ میں اس کا اظہار فرمایا بر سر محفل اور عام مجمعوں اور محافل میں اعلان واظہار تو کجا ان خواص اور اخص الخواص شخصیات کے سامنے بطور راز اور اسرار بھی اپنے نبی ہونے کا اظہار نہ کرنا کس عقل مند اور دانش مند کے نزدیک جائز اور روا ہو سکتا ہے؟

کسی نبی کو بھی اخفاءِ نبوت کا پابند نہیں کیا گیا:

کوئی عقل مند یہ باور نہیں کر سکتا بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت کا منصب عطا کرے، اپنی خلافت سے سرفراز کرے اور اسے مطلقاً اظہار اور انکشاف کی اجازت نہ دے بلکہ اس پر اظہار وانکشاف کو حرام ٹھہرا دے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں اس اخفاء اور سکوت کو جائز نہ رکھا اگرچہ ان کے اس راہ میں جان قربان کر بیٹھنے کا علم بھی اللہ تعالیٰ

کو تھا، تو جن کے متعلق قتل اور شہادت سے محفوظ رہنے کا علم بھی تھا اور ان کے حق میں اس امر کی قضاء بھی وارد ہو چکی تھی اور لوحِ محفوظ اور ازلی کلام میں:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة:٦٧)

کا ارشاد بھی ثبت ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عمر شریف کے دو تہائی حصہ تک اعلانِ نبوت اور اظہارِ نیابت و خلافت سے کیوں کر روکنا تھا اور آپ کو عظیم ثواب کمانے سے اور لوگوں کو آپ سے استفادہ اور استفاضہ سے کیونکر محروم رکھنا تھا؟

آپ کی امی جان اور دادا جان آپ کے حق میں کس قدر خوش اعتقاد تھے اور حسن ظن رکھنے والے تھے وہ کتب سیرت کا مطالعہ رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے، اور حضرت خدیجہ، حضرت صدیق اکبر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم پہلی وحی نازل ہونے پر اور نبوتِ مصطفوی کا انکشاف ہونے پر فوراً حلقۂ غلامی میں داخل ہو گئے، حضرت ورقہ بن نوفل بھی مشرف با اسلام ہو گئے تو اگر اس سے قبل ان حضرات کو اور دیگر غیر متعصب اور عناد و ہٹ دھرمی سے پاک قریش اور اہل کتاب کو آپ کی اس خداداد شان اور مرتبہ و مقام کا علم اور ادراک ہو جاتا تو ان کا کس قدر بھلا ہوتا؟

سوال:

نبوت کا اعلان ضروری ہو تو حضرت خضر علیہ السلام اتنے عرصہ سے نبوت کے ساتھ مشرف ہیں انھوں نے کیوں اعلان نہیں کیا؟

جواباً معروضِ خدمت ہے کہ انہوں نے عام لوگوں پر اپنے آپ کو ظاہر بھی نہیں فرمایا تو کیا اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نبی پر اپنا وجود بھی لوگوں پر ظاہر کرنا ضروری نہیں ہوتا؟ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا دائرۂ کار اور ہے اور شریعتِ ظاہرہ والوں کا دائرہ کار اور

ہوتا ہے۔ حضرت خضر باطنی نظام کے کارکنوں اور موکلوں کو اللہ تعالیٰ کے باطنی احکام اور تدابیر سے آگاہ کرتے ہیں اور خود بھی ان پہ عمل پیرا ہوتے ہیں خواہ وہ ظاہر شرع کے لحاظ سے محل اعتراض اور معرض تنقید ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہہ دیا:

إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا

(الکھف: ٦٨،٦٧)

"تم ہرگز میرے ساتھ صبر کے ساتھ نباہ نہیں کر سکو گے اور جس امر کا تمہیں کامل علم و ادراک نہیں ہوگا اس پر تم صبر کر بھی کیسے سکو گے"

روایات میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ "ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو عطا فرمایا ہے جو میں نہیں جانتا"

مفسرین اور محدثین کہتے ہیں جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لیے خاص فرمایا وہ علم باطن اور علم مکاشفہ ہے (خزائن العرفان علی کنز الایمان)

جب کہ ان حضرات کی نبوت اور رسالت کے احکام کا تعلق مخلوق کے ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور باطن پر مطلع ہوں تو بھی ظاہر شرع کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں جیسے کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ما امرت ان اشقق عن قلوب الناس

"مجھے لوگوں کے دل چیر کر اندرونی کیفیت معلوم کرنے اور اس کے مطابق حکم دینے کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا" و غیر ذالك من الاحادیث۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام پر ان حضرات کا قیاس سراسر غیر موزوں اور غیر مناسب ہے۔

نبوت خضر علیہ السلام کا مختلف فیہ ہونا:

علاوہ ازیں ان کا نبی ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمہ

اللہ تعالیٰ خزائن العرفان میں فرماتے ہیں:

''حضرت خضر علیہ السلام کا ولی ہونا بالیقین ثابت ہے لیکن آپ کے نبی ہونے میں اختلاف ہے'' تو متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ پر قیاس کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

نبی خدا کا غیر شرعی امور پر سکوت ناقابلِ تصور ہے:

اگر وقتِ پیدائش سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفعل نبی تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے چالیس سال تک غیر شرعی امور پر سکوت اختیار کیا اور انہیں ملاحظہ فرمانے کے باوجود ان پر رد و قدح نہیں فرمایا، حالاں کہ نبی کی ذات سے ایسا متصور نہیں ہوسکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نبی خلافِ شرع امور کو برداشت نہیں کرسکتا اور ان پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ آپ کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ یہی وہ عظیم ہستی ہے جس کو مجھ سے علم میں افضل قرار دیا گیا ہے اور اسی تیقن کے بعد وہ ان سے درخواست کررہے ہیں:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکہف: ٦٦)

''کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو وہ نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر کو علم میں اپنے آپ سے برتر سمجھنے اور ماننے اور تعلیم کی درخواست پیش کرنے کے باوجود ان پر انکار اور اعتراض کرنا جب نص قرآنی سے ثابت ہے تو اور لوگوں کے حق میں حضرت موسیٰ کیوں کر سکوت، خاموشی اور چشم پوشی اور درگزر سے کام لے سکتے تھے؟ لہذا یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جب موسیٰ علیہ السلام نبی بننے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام جیسی شخصیت سے صادر اور سرزد ہونے والے بظاہر منکر اور ناجائز امور پر نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کو ترک نہیں کرسکتے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اتنے

عرصہ تک شرک اور کفر تک کی برائیوں کو دیکھتے رہیں اور مہر بلب رہیں اور وہ بھی عامی قسم کے لوگوں کے حق میں، یہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ اور کون مسلمان اس کا قائل اور معترف ہو سکتا ہے؟ لہذا یہ قیاس اپنے استدلال کرنیوالوں کے نظریہ اور عندیہ کے بطلان کی بیّن برھان ثابت ہوا نہ کہ ان کا مؤید اور موجبِ تقویت۔

اربابِ شرع پیغمبران کرام کو جب بھی نبوت ملی تو انھوں نے اس کا برملا اظہار اور اعلان فرمایا اور کسی فرعون، نمرود کی سطوت وہیبت اور جبر وتشدد اُن کو ادعاء اور اظہار سے باز نہ رکھ سکی، اور نہ ہی انبیائے کرام علیہم السلام امورِ خیر کا حکم دینے اور منصب ارشاد کے امور کی بجا آوری اور امورِ شر سے ممانعت اور نہی سے باز رہے، حتی کہ بقول مخالفین جنہیں بچپن میں نبوت ملی تو انہوں نے اس کا بچپن میں ہی برملا اعلان بھی کیا اور اس کے اہم احکام اور تقاضے بھی لوگوں کے سامنے بیان فرما دیے جیسے کہ حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کا معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحۃً ثابت ہے۔ کسی نے بھی تقیہ سے کام نہ لیا اور نہ اس کو روا سمجھا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ تقیہ اور اخفاء اور وہ بھی عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک صرف اور صرف نبی الانبیاء اور امام المرسلین ﷺ کے لیے ہی روا رکھا گیا اور صرف آپ ﷺ ہی اس پر عمل پیرا ہوئے؟ دوسرے کسی نبی کے لیے تمام تر مشکلات ومصائب درپیش ہونے کے باوجود ایسا کس لیے روا نہیں تھا اور کیوں وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے؟ نیز اگر آپ پوری نبوت کو مدت مدید اور عرصہ بعید تک چھپا سکتے تھے تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اعلان نبوت کے باوجود پتہ نہیں کتنے احکام شرع کو ازراہِ تقیہ آپ نے چھپا لیا ہو اور شیعہ کا یہ دعوٰی سچا ہو:

تسعة اعشار الدين في التقيه

"دین کا نوے فیصد حصہ تقیہ میں ہے"

لا ايمان لمن لا تقية له

''جو تقیہ نہیں کرتا اس کا دامن دل دین اور دولتِ ایمان سے خالی ہے''

اور بقول اُن کے امام جعفر صادق نے فرمایا

التقیة من دینی ودین آبائی

''تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے''

اس قسم کے روافض کے دعوؤں کو کیسے جھٹلایا جاسکے گا؟

لہذا ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکتے ہیں کہ:

جن کی امت کا طرۂ امتیاز تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ١١٠) ہے خود ان کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی شان کیا ہوگی؟

جن کے خمیر سے تیار ہونیوالے شہزادے اپنے سر نیزوں پر لٹکوا سکتے ہیں اور اپنے جوان بیٹوں اور شیر خوار بچوں کی قربانیاں دے سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے اور سپر انداز نہیں ہو سکتے وہ ہستی پاک خود کیوں کر کسی خوف اور اندیشہ کو راہ خداوند تعالیٰ میں خاطر میں لا سکتے تھے اور اعلان نبوت اور اظہار حق سے کیونکر باز رہ سکتے تھے، خصوصاً اپنے قریبی اور فدا کار اور جانثار حضرات کے سامنے بھی اظہار نہ کرسکیں نعوذ باللہ تعالیٰ منه۔

لہذا یہ امر آپ کے حق میں ناممکن، محال اور ممتنع ہے اور نا قابل اعتداد واعتبار بلکہ نا قابل تصور وتوہم۔ نیز نبی چونکہ تبلیغ احکام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف ہوتا ہے اور اس پر نبوت اور احکام نبوت کا اظہار واعلان فرض ہوتا ہے جس طرح محققین علماء کرام اور حضرت مجدد الف ثانی رحمهم الله تعالیٰ کے کلام سے ثابت کیا جاچکا ہے تو عرصہ دراز تک آپ کا اس فرض کو ادا نہ کرنا عظیم معصیت بن جائے گا نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالك جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا بالعموم اور سید الانبیاء کا بالخصوص معصوم ہونا ماننا ضروری ہے۔ کیا کوئی مسلمان نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض امور کا تارک تصور کرسکتا ہے؟ نہیں!

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چالیس سال تک کے عرصہ میں آپ صرف اپنی ذات کے لیے نبی تھے دوسروں کے لیے نبی نہیں تھے اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ نبی کا معنیٰ علمائے عقائد نے بیان فرمایا:

انسان بعثه الله تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام

اور نبوت کا معنیٰ ہے: السفارة بین الله و بین العباد

تو جب تبلیغ احکام اور بندوں کے لیے سفارت وساطت متحقق نہیں ہوئی تو آپ کے اس دور میں نبی ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل تسلیم ہوگا؟ جب وہ خود اپنی نبوت کے مدعی نہیں تو دوسرا کون ان کی طرف سے مدعی ہوسکتا ہے؟

علاوہ ازیں اگر مانا جائے کہ اس عرصہ میں صرف اپنی ذات کی تربیت فرماتے تھے کہ بعدازاں دوسروں کی تربیت کی جاسکے تو یہ کون سا اعزاز آپ کو حاصل ہوا؟ عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے لیے بالفعل معلم اور مربی ہوں اور یہاں آکر چالیس سال تک صرف اپنی ذات والا کی تربیت میں مصروف رہیں۔ نیز کیا عالم ارواح میں اپنی تربیت کیے بغیر دوسروں کے لیے نبی بن گئے تھے اور ان کی تہذیب وتربیت میں مصروف ہوگئے تھے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ چالیس سال کے عرصہ تک آپ کی نبوت وہ نبوت نہیں تھی جو عالم ارواح میں آپ کو بالفعل حاصل تھی۔ فتامل۔ اور یہی "ھدایۃ المتذبذب الحیران" میں ہمارا موقف اور مدعا تھا جو ناقابل تردید حقیقت کے طور پر ثابت ہوگیا۔

کیا اعلان نبوت ورسالت کے بغیر نبی ورسول بنانے کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے؟

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اور انسان اور جن وغیرہ ہدایت حاصل کرتے ہیں تو براہ راست اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اور مخلوق اس سے ہدایت حاصل کرلے ان حضرات انبیاء رسل علیہم السلام کو درمیان میں واسطہ اور وسیلہ بنانے اور ان

حضرات کی اطاعت اور اتباع لوگوں پر فرض ٹھہرانے اوران کا ادب احترام اور تعظیم وتوقیران پر لازم ٹھہرانے کی ضرورت ہی کیا تھی اوراس میں کیا حکمت اور مصلحت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فیض لینے اور فیض دینے کے لیے اور افادہ و استفادہ کے لیے باہم مناسبت ضروری ہے عالم اسباب اور قانون قدرت کا تقاضا یہی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام، اللہ رب العزت اور حضرت مریم کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بنائے گئے تو انھوں نے حضرت مریم کے سامنے آنے پر اور حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام والاتحفہ اور ہدیہ ان کے حوالے کرتے وقت بشری حالت اختیار فرمائی کما قال اللہ تعالی:

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم:۱۷)

جبکہ مریم کی طرف روح الامین کو بھیجا تو وہ کامل مکمل بشر کی صورت میں متمثل اور متشکل ہو کر ان کے سامنے آئے وہ اکیلی اور تنہا تھیں اور ایک نوجوان بشر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنی عزت وآبرو اور عفت وعصمت کے لیے فکر مند اور اندیشہ ناک ہوگئیں لہذا چلا کر کہا:

إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا (مریم:۱۸)

میں رب رحمان کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ اور تحفظ طلب کرتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف دل میں رکھتا ہے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (مریم:۱۹)

میں عام انسان اور بشر نہیں میں تو صرف اور صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا (نوری اور معصوم فرشتہ) ہوں تا کہ تجھے پاکیزہ بیٹے کا ہدیہ پیش کروں لہذا میں نے صرف روپ اور شکل انسانی اختیار کر رکھی ہے حقیقت میں نوری فرشتہ ہوں۔

گویا ملکی حالت اور بشری حالت میں چونکہ تناسب اور توافق نہیں تھا اس لیے ان کو بشری حالت میں ڈھلنا پڑا جب کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسٰی والا تحفہ وصول کرتے وقت روپ

بدلنے کی ضرورت نہیں پیش آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی نور اور حضرت جبرائیل بھی نور تھے لہذا اللہ تعالیٰ سے استفادہ اور استفاضہ کے لیے ملکی حالت میں رہنا ہی موزوں اور مناسب تھا۔

اس ساری تفصیل کو حضرت علامہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے قول باری تعالیٰ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے تحت یوں بیان فرمایا:

المراد بہ آدم علیہ السلام لانہ کان خلیفۃ اللہ فی ارضہ و کذالک کل نبی استخلفھم اللہ فی عمارۃ الارض و سیاسۃ الناس و تکمیل نفوسھم و تنفیذ امرہ فیھم لکن لا لحاجۃ بہ تعالے الیٰ من ینوبہ بل لقصور المستخلف علیھم عن قبول فیضہ و تلقی امرہ بغیر وسط و لذالک لم یستنبئ ملکا کما قال اللہ تعالیٰ لو جعلنا ہ ملکا لجعلنا ہ رجلا الا تری ان الانبیاء لما فاقت قوتھم واشتعلت قریحتھم بحیث یکا د زیتھا یضئی ولو لم تمسسہ النا ر ارسل اللہ الیھم الملائکۃ ومن کان منھم اعلیٰ رتبۃ کلمہ بلا واسطۃ کما کلم موسیٰ علیہ السلام فی المیقات و محمداً صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج۔

ترجمہ:

"اللہ تعالیٰ نے زمین میں جس خلیفہ کے پیدا کرنے کا اعلان فرمایا ہے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفے تھے اور ایسے ہی ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی آبادی اور لوگوں کی نگرانی اور اصلاح احوال اور ان کے نفوس کی تکمیل اور روحوں کی تربیت کے لیے اور ان میں اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ لیکن اپنی کسی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انہیں خلیفہ اور نائب نہیں بنایا بلکہ جن لوگوں پر ان کو خلافت بخشی ان کی استعداد اور صلاحیت میں نقص اور کمی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری فرمایا کیونکہ وہ لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے فیوض اور فوائد حاصل کرنے سے عاجز اور قاصر تھے اور نہ اس سے احکام اور اوامر و نواہی وصول کر سکتے تھے اور اسی استعداد و صلاحیت میں ضعف اور کمزوری

کیوجہ سے ان کی طرف کسی فرشتہ کو نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا یعنی اے کفار! تمہارا یہ مطالبہ بے جا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری ہدایت اور اصلاح مقصود ہوتی تو کسی فرشتے کو ہمارے پاس نبی اور رسول بنا کر بھیجتا۔ ضروری تھا کہ ایک ہمارے جیسے بشر اور انسان کو ہمارے لیے نبی اور رسول بنایا جاتا کیونکہ نبی اور امت میں مناسبت ضروری ہوتی ہے لہذا زمین میں فرشتے موجود ہوتے اور ان کی ہدایت اور اصلاح مقصود ہوتی تو ہم ان کی طرف فرشتے رسول بنا کر بھیجتے قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا لیکن چونکہ تم اہل زمین انسان ہو جن کی رشد و ہدایت کا بندوبست مقصود ہے تو اس صورت میں اگر ہم کسی فرشتہ کو بھی نبی اور رسول بنائیں گے تو اسے بشر اور مرد بنا کر ہی بھیجیں گے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام کی باطنی قوت اور روحانی استعداد و صلاحیت اپنے معراج کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ان کی طبیعت اور فطرت میں استعداد اور روشن اور مستنیر ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انکی فطری استعداد کا زیتون آگ لگائے بغیر جل اٹھے اور روشن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملائکہ کو مبعوث فرماتا ہے اور ان میں سے جو اعلیٰ درجہ کی استعداد باطنی اور روحانی صلاحیت کے مالک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ براہِ راست اور بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ میقات میں سرِ طور اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شب معراج کو لامکان میں کلام فرمایا۔"

بیضاوی علیہ الرحمہ نے یہاں پر وارد ہونے والے ایک سوال کا اجمالی طور پر جواب دیا تھا اور علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں اور فاضل سیالکوٹی مولانا عبدالحکیم صاحب نے بیضاوی شریف کے حاشیہ میں اس سوال و جواب کو مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔

سوال:

خلیفہ اور نائب کی ضرورت تین صورتوں میں ہوتی ہے یا اصل غائب ہو، یا وہ اکیلے

کنٹرول کرنے سے عاجز ہو یا اس پر موت طاری ہونیوالی ہو کل ذالك محال علیٰ اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے حق میں ناممکن اور محال ہیں۔

جواب:

امام بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تین صورتیں وہاں ہونی ضروری ہیں جہاں اصل کسی کو خلیفہ اپنی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو خلافت و نیابت کے منصب پر فائز فرمایا ہے تو اپنی حاجت اور ضرورت پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ بندوں کی ضرورت اور حاجت کو پورا کرنے کے لیے انہیں یہ منصب تفویض فرمایا ہے جس کی تشریح اور توضیح میں ان دونوں حضرات نے فرمایا لما انه فی غایة الکدورة والظلمة الجسمانیة و ذاته تعالیٰ فی غایة التقدس والمناسبة شرط لقبول الفیض علیٰ ماجرت به العادة الالهیة فلابد من متوسط ذی جهتی التجرد والتعلق لیستفیض من جهة و یفیض باخری

(حاشیہ سیالکوٹی ص ۱۷۸ اور تفسیر روح المعانی ص ۲۰۲ جلد اول)

کیونکہ انسانوں اور بندوں میں جن پر انبیاء علیہم السلام کو خلیفہ بنایا گیا ہے انتہاء درجہ کی کدورت اور جسمانی ظلمت اور کثافت ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ انتہائی مقدس اور نورانی ہے حالانکہ عادت الہیہ اور قانون قدرت کے مطابق افادہ اور استفادہ کے لیے باہم توافق اور تناسب کا پایا جانا لازم اور ضروری ہے۔ لہذا ایسے واسطہ اور وسیلہ کا درمیان میں ہونا ضروری ہے جس میں دوہری صلاحیت واستعداد ہو یعنی تجرد اور نورانیت بھی ہو (تا کہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جائے) اور بدن عنصری اور جسم مادی سے تعلق بھی ہو (تا کہ اس مناسبت سے بشر ان سے استفادہ کر سکیں)

الغرض جب نبی اور رسول کے واسطہ اور وسیلہ بنانے کی ضرورت یہ ہے کہ عام بشر اللہ

تعالیٰ اور ملائکہ سے براہ راست رشد و ہدایت حاصل نہیں کر سکتے اور اوامر و نواہی اور احکامات وصول نہیں کر سکتے تو ایسی ہستیاں درمیان میں واسطہ اور وسیلہ بنادی جائیں جو ملائکہ سے اور اللہ تعالیٰ سے یہ فیوض وفوائد اور احکام وصول کر کے لوگوں کو پہنچاتے جائیں تو جس ہستی پر وحی اور ملائکہ کا نزول ہی نہ ہوا ہو اور بندوں کے لیے واجب اور لازم عقائد اور اعمال کی تفصیلات سے خود ان کو بھی آگاہ نہ کیا گیا ہو تو بندے ان سے استفادہ اور استفاضہ کیسے کریں گے اور وہ انکی رشد و ہدایت کا سامان کیا کریں گے بلکہ وہ اپنے نبی و رسول ہونے پر کسی کو مطلع ہی نہ کریں اور اس منصب کا اظہار ہی نہ کریں تو ان سے استفادہ واستفاضہ کا کیا امکان اور انکو نبی بنانے کا کیا فائدہ؟

اس لیے محقق علمائے کرام نے نبی و رسول پر اپنی نبوت و رسالت کے اظہار و اعلان کو لازم اور ضروری ٹھہرایا اور ایسے منصب کے مالک کا اس کے متعلق نہ دعویٰ کرنا اور نہ گفتگو اور کلام کرنا خلاف عقل و دانش قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کا اس ہستی کو نبوت و رسالت عطا کرنا سراسر عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ عبث اور بے فائدہ کام کرنے سے مبرا اور منزہ ہے۔

حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ، انبیائے کرام علیہم السلام اور ائمہ کرام علیہم الرضوان کے حق میں تقیہ کا عقیدہ رکھنے والوں پر رد و قدح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

تبلیغ حق بر پیغمبر واجب است مر تقیہ را آنجا راہ دادن بزندقہ می کشد قال اللہ تعالی: یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ـــــ (مکتوباتِ مجدد ج: اول، ص:۱۷۸)

''حق کی تبلیغ پیغمبر پر واجب و لازم ہوتی ہے۔ وہاں پر تقیہ کو راہ دینا اور اس کو جائز سمجھنا زندیقی اور بے دینی کی طرف لے جاتا ہے اور کفر و ضلال کا موجب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے'' اے میرے رسول ﷺ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے

اس کولوگوں تک پہنچاؤ، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا"

فائدہ:

آنحضرت ﷺ کے متعلق چالیس سال کے عرصہ تک تقیہ اور اخفاء دین و مذہب کو جائز رکھنا بلکہ اس کا بالفعل قائل اور معتقد ہونا کسی مسلمان کے لائق اور شایان شان نہیں ہے۔ ورنہ وہ اپنے ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا العیاذ باللہ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اس امر کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر اندك تامل كنند صريح معلوم تو انندنمود كه بعثت نبى و نصب امام نمودن و باز اور ابااخفاء امر كردن بمثابهٔ آنست كه شخصے را قاضى شهر نما يند و گويند كه هر گز تكلم مكن و حرف اززبان(بر) ميار و كلام خصمين رامشنو،هر طفل مكتب مى فهمد كه تمسخر محض ولعب صرف است وسفاهت ظاهره ومناقض غرض بعث و نصب است ـ

"اگر ذرہ بھر بھی غور وفکر سے کام لیں تو واضح طور پر معلوم کر لیں گے، کہ پیغمبر کو مبعوث فرمانا اور امام کو نصب کرنا پھر ان کو اخفاء اور ستر و پردہ پوشی کا حکم دینا بمنزلہ اس امر کے ہے کہ کسی شخص کو شہر کا قاضی مقرر کیا جائے اور ساتھ ہی یہ حکم دے دیا جائے کہ ہرگز کلام نہ کرنا اور کوئی حرف زبان پر مت لانا، اور مدعی ومدعی علیہ کا کلام مت سننا۔ ہر طفل مکتب سمجھتا ہے کہ یہ محض تمسخر، لہو ولعب، کم عقلی اور بے وقوفی ہے اور بعثت نبویہ اور نصب امام کی غرض و غایت کے سراسر مخالف ومناقض ہے"

واگر این تقیه ونفاق، انبیاء وائمه بخودی خود می کنند نه بفرموده خدا

پس عاصی و گنه گار باشند و تارکِ واجب والقول بالعصمة ینافیه (الیٰ آخره)

(تحفۂ اثنا عشریہ ص: ۳۶۰)

''اور اگر یہ تقیہ اور نفاق عملی انہوں نے بذاتِ خود شروع کر رکھا ہے نہ کہ خداوند تعالیٰ کے فرمان سے تو لامحالہ عاصی اور گنہگار رہوں گے، اور واجب ولازم امر کے تارک۔ جبکہ انہیں معصوم ماننے کا عقیدہ اس کے سراسر منافی ومناقض ہے (تا) اگر ان کو منکرین ومعاندین کی طرف سے خوف وخطر بھی ہو تو بھی وہ کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے: الذین یبلغون رسالٰت الله ویخشونه ولایخشون احداً الا الله وکفیٰ بالله حسیبا جو اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے اور اس کے علاوہ دوسرے کسی شخص سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے والا ہونے کے لحاظ سے''

واگر انبیاء تقیه میکر دند چرا اذیت کفار وضرب وشتم وهتك حرمت وتذلیل واخراج ازدست آنها می چشیدند ومی کشیدند۔

''اور اگر انبیاء علیہم السلام تقیہ کرتے تو کفار کی طرف سے مار پٹائی، گالی گلوچ، ہتک عزت، ذلت آمیز سلوک اور دیس نکالا وغیرہ کیوں برداشت کرتے؟

لہذا چالیس سال تک اور عمر شریف کی تقریباً دو تہائی تک نبوت کے حصول کے باوجود آپ کو مہر بلب تسلیم کرنا آپ کے حق میں فرض کے تارک ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بے فائدہ اور عبث امر کے ارتکاب کا عقیدہ رکھنے کے مترادف ہے جو کہ اہل ایمان بلکہ ارباب عقل و دانش کی شان سے بعید ہے۔

کیا نبی کیلئے تبلیغ احکام ضروری نہیں ہے؟

ان نئے مجتہد حضرات نے آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنے کے لیے نئی تحقیق یہ

پیش فرمائی ہے کہ نبی کیلئے تبلیغ ضروری ہی نہیں ہے، اور جمہور اہل اسلام کا مذہب یہی ہے لہذا چالیس سال تک آپ ﷺ صرف نبی ہوں اور بعدازاں رسول بن جائیں تو کیا جائے اشکال واعتراض ہے؟

لیکن ان حضرات نے یہاں دھوکہ کھایا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ رسول اور نبی میں بعض حضرات کے نزدیک مساوات ہے اور اندریں صورت نبی اور رسول کا معنی یہ ہے:

انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام

(شرح عقائد، شرح مقاصد وغیرہما)

یعنی نبی اور رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اپنے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بھیجے، صاحب کتاب ہو یا نہ ہو، جدید شریعت والا ہو یا پہلی شریعت کی تبلیغ کیلئے مامور ہو، ملک وحی اس پر نازل ہو، یا الہام ومنام صادق کی صورت میں احکام سے اس کو آگاہ کیا جائے۔

اور اس معنی کے لحاظ سے رسالت کی تعبیر یوں کر دی گئی ہے:

هی السفارة بين الله تعالى وبين العباد اولی الالباب

"رسالت اور نبوت اللہ تعالیٰ اور ارباب عقول بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے"

گویا دونوں کا مفاد اور بدلول ایک ہو گیا۔

لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ رسول کا لفظ عام ہے اور نبی ﷺ خاص ہے، کہ رسل ملائکہ میں سے بھی ہیں جب کہ نبی ملائکہ میں نہیں ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے، اور جمہور کا مختار یہی ہے، لیکن نبی میں عموم کس لحاظ سے ہے، اس میں مختلف وجوہ ذکر کیے گئے ہیں:

اول:

رسول کے لیے صاحب کتاب ہونا ضروری ہے، جبکہ نبی کے لیے صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں ہے۔

ثانی :

رسول کے لیے جدید شرع والا ہونا ضروری ہے جبکہ نبی کے لیے شرع جدید ضروری نہیں ہے۔

ثالث:

رسول ہونے کے لیے ملک وحی کا اس پہ نازل ہونا ضروری ہے مگر نبی ﷺ ہونے کے لیے ملک وحی کا نزول ضروری نہیں ہے، الہام اور منام صادق بھی کافی ہوتا ہے۔

اگر نبی عام ہو اور رسول خاص ہو (جیسے کہ جمہور علمائے اسلام کا مختار ہے)، تو پھر عقائد نسفی میں جو خبر الرسول کا عنوان قائم کیا گیا ہے وہ واجب التاویل ہوگا۔ یہاں پر یا یہ تاویل ضروری ہے کہ:

من ارسل اللہ تعالی سواء کان نبیا او مرسلا

"جس کو اللہ تعالیٰ مقرر اور معین فرمائے اور بھیجے خواہ عرف شرع میں بھی رسول ہو یا نبی ہو"

یا یہ تاویل ہوگی کہ یہاں مجاز مرسل ہے ذکر خاص کا ہے اور اس سے مراد عام لی گئی ہے یعنی رسول کو نبی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رسول والی خصوصیات اس میں ملحوظ نہیں ہیں۔ اور نبی کا معنی ہی یہ ہے، کہ نبی وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مامور اور معین فرمائے (نبراس، ص:۸)

الغرض رسول ہو یا نبی ہو اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ کی تبلیغ دونوں کے لیے ضروری ہے

ان احکام کی معلومیت اور معرفت کے ذرائع میں تفاوت ہوسکتا ہے، لیکن یہ نہیں کہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام کیلئے لازم ہی نہ ہو۔

ورنہ

ا) ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دولاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بنانے کا فائدہ مخلوق اور انسانوں کو کیا ہوگا؟

ب) کفار و مشرکین، انبیاء علیہم السلام کو شہید کرتے رہے، کما قال تعالیٰ: یقتلون النبیین بغیر الحق ،تو کیا وہ صرف مباح یا مستحب کام کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے رہے؟ کون عقلمند اس امر کا تصور کرسکتا ہے کہ مباح یا مستحب امر کے لیے جان قربان کردی جائے؟

ج) اللہ رب العزت شہادت دے رہا ہے کہ میں نے انبیائے کرام کو مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا، قال اللہ تعالیٰ :فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین ۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا اس حال میں کہ وہ (اہل ایمان کو) بشارت دینے والے تھے (ثواب اور جنت کی) اور ڈرانے والے تھے (اہل کفر و ضلال کو عذاب نار سے)''

فرائض و واجبات اور حرام و مکروہ تحریمی کے بیان کے بغیر اور اول پر عمل کی صورت میں بشارت اور ثانی پر عمل کی صورت میں عذاب کا ڈراوا، یا اول قسم کے ترک پر وعید اور ثانی کے قصد و ارادہ کے ساتھ ترک پر وعد اور بشارت متصور ہو سکتے ہیں، جب ان احکام کا بیان ہی نہ پایا جائے تو بشارت اور وعید و انذار کا تصور ہی کس طرح ہوسکتا ہے؟

د) رسول کے لیے تبلیغ شرط ہو، اور نبی کے لیے نہ ہو، تو اس آیت کریمہ کی رو سے سارے انبیاء رسول بن جائیں گے۔ اور نبی و رسول کا تفاوت ختم ہو کر رہ جائے گا حالانکہ یہ لازم سراسر باطل ہے۔ اور کوئی عقل مند ایسا قول نہیں کرسکتا۔

ہ) علاوہ ازیں جو اپنے نبی ہونے کا نہ اظہار کریں نہ تبلیغ احکام فرماویں تو ان کے نبی بنانے کا مقصد ہی کوئی نہیں ہوگا۔ اور نہ ان لوگوں کو کوئی فائدہ اس کی نبوت کا ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ عبث و بے فائدہ کام کرے۔

و) مزید برآں یہ کہ امت کے لیے تمام رسل وانبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور جب وہ خود اپنا نبی ہونا ظاہر ہی نہ کریں تو ان پر ایمان لانے کو فرض ٹھہرانا تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوگا اور تکلیف مالا یطاق باطل ہے۔

ز) اندریں صورت امت دعوت کے لیے غیب دان ہونا ضروری ہوگا تاکہ اپنے اس علم غیب سے اس ہستی کا نبی ہونا معلوم کریں اور پھر ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، کون عقل مند آدمی اس کا تصور کرسکتا ہے یا اس کا قائل ہوسکتا ہے کہ امت دعوت کو غیب دان تسلیم کرے تاکہ اپنے زور علم سے انبیاء کی نبوت بھی معلوم کریں اور ان پر ایمان لائیں؟ ایسی صورت میں وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیوں نہ کرلیں گے، انبیاء کرام علیہم السلام کا تابع اور اطاعت گزار ہونا اور ان کو ہدایت کے حصول میں واسطہ و وسیلہ بنانا ان پر کیونکر لازم اور ضروری ہوگا؟

نوٹ:

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ نبی کے لیے تبلیغ ضروری نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اپنی تکمیل اور تزکیہ نفس کے لیے وحی کا نزول (اور وہ بھی الہام اور منام صادق کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو)، اس کے نبی ہونے اور کہلانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کا سچے خوابوں کا جو دورانیہ تھا یعنی چھ ماہ وہ ان کے نزدیک آپ کی نبوت کا دورانیہ تھا۔ اور بعد والا سارا عرصہ آپ ﷺ کی رسالت کا عرصہ ہے۔ کما نقل عنھم المحدث الدھلوی قدس سرہ العزیز، لیکن ان مجتہد حضرات کو اس قول کا سہارا لینا بھی کارآمد ثابت نہیں ہوسکتا۔

کیوں کہ:

(۱) منامات صادقہ سے پہلے چالیس سال کا عرصہ بقول ان (محدثین) کے نہ نبوت آپ ﷺ کو حاصل تھی اور نہ ہی رسالت، جبکہ یہ لوگ اس آڑ میں آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) محل بحث ہے وہ نبوت جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفارت ہے اور افاضہ واستفاضہ اور افادہ واستفادہ کا واسطہ ووسیلہ ہے۔ اور اس نبوت میں صرف اس نبی کی ذات کی تکمیل ملحوظ ہے اور اس کا ذاتی فائدہ ہے نہ کہ مخلوق کا، تو اس کو یہاں زیر بحث لانے کا کیا فائدہ؟

(۳) نبی مکرم ﷺ ہزاروں سال عالم ارواح میں بالفعل نبی ہوں، اور مبدأ فیوض وفتوح اور سرچشمۂ خیرات وبرکات، لیکن یہاں پر پھر عمر شریف کا دو تہائی حصہ صرف اپنے تزکیہ وتصفیہ اور تکمیل وتربیت پر لگا دیں، اس کا از روئے عقل ودانش کیا جواز ہے؟

کیا وہاں اپنے تزکیہ وتصفیہ اور تربیت وتکمیل کے بغیر نبی بن گئے تھے؟ یا جسمانی حالت میں ڈھلنے پر اور روح اقدس کے جسم عنصری میں حلول وسریان کی وجہ سے یہ تبدیلی آ گئی تھی؟

شق اول کا بطلان واضح ہے، اور شق ثانی تسلیم کرنے پر سیالوی والا راستہ اپنانا اور اس کا نظریہ وعقیدہ اپنانا لازم اور ضروری ٹھہرا۔ جس میں قرار علی مامنہ الفرار بھی ہے اور اپنے فتووں کا ہدف اور نشانہ بننا بھی لازم ہے، جب کہ یہ بہت بڑا مہنگا سودا ہے اور ان مجتہدین کے لیے ناقابل قبول ہے۔

(۴) مجتہد حضرات آغاز ولادت سے آپ ﷺ کو بالفعل نبی نہ ماننے کو آپ ﷺ کے حق میں تنقیص وتفریط اور توہین وتحقیر قرار دیتے ہیں، کہ اتنا عرصہ آپ ﷺ بالفعل نبی نہ ہوں

بلکہ صرف بالقوۃ ہوں تو یہ آپ کی کسر شان ہے۔

ان سے کون پوچھے کہ جب آپ کی طرف سے لوگوں کو افادہ نہ ہو، نہ عقیدہ وعمل کی اصلاح نہ ہو، بلکہ اتنا عرصہ آپ ﷺ صرف اپنی طہارت اور صفائی پر لگا دیں، تو اس میں آپ ﷺ کا کونسا کمال ظاہر ہوا؟ اور عالم ارواح والی ہزاروں سال کی نبوت کے کیا ثمرات اور نتائج اس عالم میں سامنے آئے؟

جبکہ دنیوی عمر شریف کا دو تہائی حصہ صرف اپنی تطہیر وتصفیہ اور تربیت وتزکیہ پر صرف ہو گیا، اور صرف ایک تہائی حصہ امت کے کام آیا، ”دوسروں کے لیے اس عرصہ میں بالقوۃ نبی ہونے“ یا ”صرف اپنی ذات کے لیے بالفعل نبی ہونے والے“ دونوں اقوال میں کیا کوئی خاص فرق سامنے آسکتا ہے کہ پہلے قول کو سراسر بے ادبی قرار دے دیا جائے، اور دوسرے قول کو سراسر ادب وتعظیم؟؟؟

(۵) اگر یہ مذہب ومسلک اور نظریہ وعندیہ قابل قبول اور لائق اعتداد ہوتا تو اکابرین ملت ایسے لوگوں کو جاہل ونادان اور عقل وفہم اور دانش وبینش سے عاری اور خالی کیوں ٹھہراتے؟ اور اس کو دین ومذہب اور منصب نبوت اور خلافت کے ساتھ بدترین مزاح اور استہزاء کیونکر قرار دیتے؟ جیسا کہ حضرت علامہ میر سید اور حضرت امام قرطبی اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ تعالی کے ارشادات نظر نواز ہو چکے ہیں۔

(۶) علاوہ ازیں، جو ہستی اپنی تکمیل وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ میں مصروف ہوگی وہ لوگوں کے لیے تو نبی بالقوۃ ہی ہوگی نہ کہ بالفعل، اور اگر اپنے لیے بالفعل ہو بھی تو لوگوں کو اس کا علم وعرفان کیسے اور کیونکر حاصل ہوگا؟ کیا ان پر یہ اعلان لازم ہوگا کہ میں اپنے لیے نبی بن ہو چکا ہوں اور اپنی تکمیل کے بعد تمہارا بندوبست کرتا ہوں؟ بس تھوڑا عرصہ صبر کرو، یا لوگوں کو غیب کا علم وعرفان حاصل کرنا لازم ہوگا تاکہ

ان کی نبوت معلوم بھی کریں اور اس پر ایمان بھی لائیں، بینوا فتوجروا۔

لطیفہ عجیبہ:

ہمارے معاصر محققین حضرات، نبی اکرم ﷺ کی آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ملنے والی نبوت کو دلیل بناتے ہیں، مگر انہوں نے تو تبلیغ بھی کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عبدیت کا اعلان کیا، کتاب دیے جانے کا، نماز وزکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ مامور ہونے اور والدہ ماجدہ کے ساتھ بر و احسان سے پیش آنے کا پابند ہونے وغیرہ وغیرہ کا اعلان فرما دیا، اور اپنی حیثیت کو واضح کر دیا یوں ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ہم عمروں اور ہم جولیوں کو فرماتے تھے: ہم کھیل کود اور لہو ولعب کے لیے پیدا نہیں کیے گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، لہذا آؤ اپنے خالق و مالک کی عبادت کریں۔

اگر بقول ان حضرات کے نبی کے لیے تبلیغ شرط اور فرض نہیں ہوتی تو حرام اور مکروہ تحریمی بھی نہیں ہوتی، بلکہ یقیناً مستحب امر ہے، تو بطور استحباب ہی آنحضرت ﷺ تبلیغ فرماتے رہتے، اور اپنے مشن اور مقصد تخلیق اور مصلحت بعثت سے آگاہ فرماتے رہتے۔ لیکن قطعاً اس طرح نہ ہوا بلکہ مکمل سکوت اور خاموشی اختیار فرمائے رکھی، تو لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ ذمہ داری آپ کو عرصہ بعد سونپی گئی تھی۔

کیا ارواح کاملین کا بشری لباس میں منتقل ہونا ان میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کرتا ہے یا نہیں؟

روح کے وہ کمالات اور قوتیں جو اسے اپنی نورانیت اور تجرد والی حالت میں حاصل ہوتے ہیں بدن میں حلول وسریان کے بعد ان کا تبدیل ہونا ممکن ہے، محبوب کریم علیہ

الصلوٰۃ والتسلیم بقول بعض صوفیائے کرام اور عرفائے عظام عالم ارواح میں نبی تھے اور ارواح انبیاء علیہم السلام کو تعلیم و تربیت دیتے تھے اور ملائکہ بھی ان سے مستفید ہوتے تھے جیسے کہ مروی ہے کان ذالك النور یسبح وتسبح الملائکة بتسبیحه آپ کا نور اقدس اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف اور مشغول ہوتا تھا اور ملائکہ اسکی تسبیح کے ساتھ اور اسکی اقتداء واتباع میں تسبیح کہتے تھے۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ اور ان قدسیوں کے درمیان واسطۂ افاضہ وافادہ اور وسیلۂ استفاضہ واستفادہ تھے لیکن ناسوتی بدن میں آنے کے بعد جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گئے۔ وحی لانا اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر ونواہی آپ تک پہنچانا ان کے سپرد ہوگیا۔ وہ قراءت کرتے تو آپ ﷺ ان کی قراءت سن کر قراءت کرتے ہیں، وہی وضو کا طریقہ، نماز پڑھنے کا طریقہ اور باجماعت ادائیگی کی کیفیت آپ کو سکھلاتے ہیں۔

ابتدا میں قراءت کا حکم (اقراء) سن کر آپ ﷺ معذرت کرتے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور اسکے بار بار سینے کے ساتھ لگانے اور دبانے اور توجہ اتحادی کے ذریعے بشریت کو مغلوب کرنے اور روحانیت و نورانیت کو غالب کرنے اور عالم ملائکہ کے ساتھ اور عالم بالا و عالم غیب کے ساتھ آپ کا ربط و تعلق قائم کرتے ہیں تب آپ ﷺ ابتدائی وحی میں نازل ہونیوالی آیات کی تلاوت فرماتے ہیں اور گھر پہنچنے پر کس قدر اضطرابی کیفیت طاری تھی کتب احادیث اور کتب سیرت میں ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی وحی والی حدیث کے متعلق چند غور طلب امور:

اول:

جبرائیل امین علیہ السلام آپ کو سینہ سے لگا کر دباتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حتی بلغ منی الجهد حتی کہ میری قوت برداشت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اس کا اس سے زیادہ

دبانا میرے لیے نا قابل برداشت تھا۔

(نوٹ)

یہ معنی اس صورت میں ہے کہ الجھد کے لفظ پر رفع پڑھا جائے لیکن اگر (حتی بلغ منی الجھدَ) زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے دباتے میں اپنی قوت وطاقت کی انتہا کو پہنچ گئے اس سے زیادہ مجھے دبانا ان کے بس میں نہیں تھا۔

دوم:

سوال یہ ہے کہ عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے نبی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق آپ کا ہو اور اس سے فیوضات وکمالات حاصل کر کے ان ارواح قدسیہ کی اصلاح و تربیت فرمائیں تو لامحالہ آپ کی روحانی قوت وطاقت ان سے بدرجہا زائد اور ارفع ہونی چاہیے جیسے کہ لازم وضروری ہے کہ ہر نبی اپنی امت سے روحانی قوت وطاقت اور صلاحیت واستعداد میں زائد اور برتر ہو اور ارفع واعلیٰ تو پھر آپ کی قوت برداشت کا انتہاء کو پہنچنا اور اس سے زائد دباؤ برداشت نہ کرسکنا قابل تصور نہیں ہے۔

دوسری صورت میں جبرائیل کی قوت وطاقت ایک شخص کو دبانے میں اپنی انتہا کو پہنچ جائے جو کہ کوہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لا کر فضا میں کھڑا رہا اور نیچے پھینکنے اور ان کو کچلنے کے حکم کا منتظر رہا جب وہ طوعاً کرھاً تورات قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تو واپس اسے اپنی سابقہ جگہ پر لے جا کر رکھ دیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرتے وقت ان کے علاقہ کی زمین کو نچلی تہہ سے اٹھا کر آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا اور ان کا نام ونشان بھی مٹا دیا اتنی قوت وطاقت کا مالک یہاں اتنا کمزور اور ضعیف اور نحیف ونزار کیوں ہو رہا تھا کہ ایک شخص انسانی کو دبانے اور بھینچنے میں اسکی قوت وطاقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح اقدس کے تجرد اور بدن سے تعلق سے قبل قوت وطاقت اور تھی جو بدن میں

حلول وسریان کی وجہ سے ضعف وناتوانی سے دوچار ہوگئی تھی۔

مگر جب معراج شریف سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا تو اس وقت بدن اقدس بھی سراسر نور بنا ہوا تھا اور روح اقدس کی خداداد استعدادات اور صلاحیتوں کے ظہور میں مانع اور حائل نہیں تھا اس لیے جبرائیل امین تمام تر قوتوں کے باوجود اور حاجب ومانع امر طاری نہ ہونے کے باوجود آپ کی رفتار اور اس بے پر نبی کی پرواز کا ساتھ نہ دے سکے اور اپنے مسکن قدیم سے بال برابر بھی آگے جانے کی ہمت نہ کر سکے جبکہ آپ فرما رہے تھے:

چون در دوستی مخلصم یافتی عنانم ز صحبت چرا تافتی

بدو گفت سالار بیت الحرام که اے حامل وحی بر تر خرام

مگر اس امین وحی کا جواب کیا تھا؟

اگر یکسر موے بر تر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

صرف ایک بال کی مقدار آگے جانے پر ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہے، کیونکہ ملائکہ اوھام وخیالات کا شکار نہیں ہو سکتے اور پھر وہ بھی جبرائیل امین جیسے رسول من الملائکہ بلکہ وہ اپنی طرف سے حتمی فیصلہ دے رہے ہیں اور معذرت خواہ ہیں۔

بگفتا فرا تر مجالم نماند بماندم که نیروئے بالم نماند

لہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عالم ارواح میں ہوتے ہوئے محبوب کریم ﷺ کی طاقت اور توانائی اور تھی صلاحیتیں اور استعدادیں اس بشری حالت سے مختلف تھیں اور بشری حالت والی طاقت تجردوالی توانائیوں اور استعدادوں سے مختلف ہو چکی تھی۔

یہی وجہ علمائے اعلام اور شراح احادیث نے دوسرے معنی کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ اب جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں تھے جب کہ اس وقت ملکی حالت میں تھے جب کہ کوہ طور اور قطعہ ارضی کو ایک پر کنارے پر اٹھالیا تھا۔ لہذا بشری حالت میں اتنا ہی زور ظاہر کر سکتے

تھے۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری جلد اول ص ۵۷، ارشاد الساری جلد اول ص ۹، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۱ ص ۱۰۸، اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۵۳۲)

عبارت ملاحظہ ہو:

لا شك انّ جبرائيل في حالة الغط لم يكن علىٰ صورته الحقيقية التي تجلىٰ بها عند سدرة المنتهىٰ و عند ما رواه مستويا على الكرسي فيكون استفراغ جهده بحسب صورته التي تجلىٰ له وغطه و اذا صحت الروايات اضمحل الاستبعاد۔

"بلا شک وشبہ جبرائیل علیہ السلام نبی مکرم ﷺ کو سینہ سے لگا کر دباتے وقت اپنی اصلی صورت پر نہیں تھے جس کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ پر جلوہ گر ہوتے تھے، اور جس کے ساتھ آپ ﷺ نے اس کو آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر جلوہ گر دیکھا تھا لہٰذا اسکی طاقت کا اپنی انتہا کو پہنچنا اس صورت کے اعتبار سے ہے جس میں وہ جلوہ گر ہوئے اور آپ کو بھینچا اور جب یہ روایت صحیح طور پر ثابت ہے تو اس میں استبعاد اور ریب وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے"

مقام غور ہے کہ اگر صرف وقتی اور عارضی بشری روپ اس قدر حائل اور مانع ہوسکتا ہے تو کیا اصلی اور حقیقی اور دائمی بشریت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا اور اسکی طرف سے کوئی رکاوٹ اور مانع پیدا نہیں ہوگا؟ یقیناً اثر ظاہر ہونا لازم اور ضروری ہے اور یہ حقائق حدیثیہ اس امر کے شاہد صادق اور دلیل ناطق ہیں۔

سوم:

حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور ان کو موت قبول کرنے کا حکم سناتے ہیں، کہتے ہیں اجب ربك رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دو تو جوابی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے منہ پر مکا رسید کرتے ہیں جس سے انکی آنکھ پھوٹ جاتی ہے وہ واپس جاکر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ارسلتني الىٰ عبدٍ لا يريد الموت

وقد فقاعینی اے بارالہ! تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیج دیا جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے فرد اللہ علیہ عینہ تو اللہ تعالیٰ نے اسکی آنکھ درست فرمائی اور سابقہ حالت پر لوٹائی جیسے کے بخاری مسلم شریف میں متفق علیہ روایت کے طور پر مذکور ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ملک الموت اپنی حالت میں ہوتے تو کیا ان کو موسیٰ علیہ السلام کا مکا لگ سکتا تھا اور کیا وہ اس سے متاثر ہو سکتے تھے؟ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اس تکلیف اور ایذاء پر شکایت کرنے کی نوبت آسکتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بحالی اور درستگی کی ضرورت پیش آسکتی تھی؟ یقیناً نہیں تو لامحالہ تجرد و تعلق کی دونوں حالتوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور اگر محض روپ بشری اختیار کرنے پر اور اس صورت بشریہ میں متمکن ہو کر ظاہر ہونے پر یہ تبدیلی اور اثر پذیری اور انفعالی کیفیت پائی جا سکتی ہے تو حقیقی بشری بدن میں مقید اور محبوس ہونے پر اسی طرح کی انفعالی کیفیت اور تغیر و تبدل والی حالت و کیفیت کیونکر وقوع پذیر نہیں ہوگی۔

چہارم:

مقام غور ہے کہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ کیوں کیا گیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں انبیاء کرام کے ارواح اور ملائکہ کے لیے نبی تھے اور ان کے معلم اور مربی؟ پہلے دن ہی کیوں نہ حضرت جبرائیل امین اپنی اصلی ملکی شکل و صورت میں وحی لے کر حاضر ہوئے؟ چھ ماہ تک سچے خوابوں پر اکتفاء کیا گیا بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں ڈھل کر حاضر خدمت ہوئے۔

علمائے اسلام اور مقتدایان انام نے اسکی جو حکمت و مصلحت بیان فرمائی وہ ملاحظہ فرماویں:

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری میں تھے اچانک اور پہلی دفعہ ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اپنی اصلی ملکی صورت میں نازل ہونا آپ کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا لہذا حکمت

خداوندی کا تقاضا یہ ہوا کہ سچے خوابوں کے ساتھ آغاز کیا جائے تا کہ عالم غیب اور روحانیت سے آپ کا ربط و تعلق قائم ہو جائے اور نزول وحی تک کی آپ ﷺ کے بدن اقدس میں استعداد پیدا ہو جائے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: انما ابتدء ﷺ بالرویا لئلا یفجأ الملك ویاتیه بالصریح النبوة بغتة فلا تحتملها القوی البشریة فبدا باوائل خصال النبوة۔

(ارشاد الساری جلد اول ص ۸۷ نووی شرح مسلم جلد اول ص ۸۸)

ترجمہ: سچے خوابوں کے ساتھ آپ پر وحی کی ابتداء صرف اور صرف اس لیے کی گئی تا کہ اچانک فرشتۂ وحی کی آمد اور واضح اور صریح نبوت کا اچانک آپ پر نزول نہ ہو ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کے اولین خصائل کے ساتھ آپ کے لیے آغاز کیا گیا۔

علامہ علی قاری مرقاۃ میں اس طرح کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما ابتدء ﷺ بالرؤیا (الیٰ) بتباشیر الکرامة و صدق الرء ویا استیغاسا قلت وهو مقتضی الامور القدر یجبه فی الامور الدینیة والدنیوة (جلد ۱۱ ص ۱۰۵)

آپ ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں کے ساتھ ہوئی (تا) تو کرامت و عزت کی بشارت اور سچے خوابوں سے آغاز کیا گیا تا کہ عالم غیب و روحانیت کیساتھ آپکو انس حاصل ہو جائے، میں کہتا ہوں کہ جو دینی اور دنیوی امور درجہ بدرجہ ترقی پذیر ہوں ان کا تقاضا یہی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں سوال و جواب کی صورت میں یہی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اجیب بانه انما ابتدء به (الیٰ) فبدئی باوائل خصال النبوة وتباشیر الکرامة من صدق الرؤیا مع سماع الصوت و سلام الحجر و الشجر علیه بالنبوة ورؤیة الضوء ثم اکمل له النبوة بارسال الملك فی الیقظة و کشف له عن الحقیقة کرامة له۔

(عمدۃ القاری جلد اول ص۶۰)

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اچانک فرشتہ کے نزول اور صریح نبوت کے نزول سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوائے بشریہ مضمحل ہو جاتے اس لیے خصال نبوت کے مبادیات اور تاشیر کرامت کے ساتھ آغاز کیا گیا یعنی خوابوں کا سچا اور برحق ہونا بمع غیبی آوازیں سننے کے اور شجر و حجر کی طرف سے نبوت والے لقب کے ساتھ سلام سننے کے اور نور وضیاء کے مشاہدہ کے۔ پھر فرشتہ کو بیداری میں نازل فرما کر اور حقیقت سے حجاب اور پردہ ہٹا کر آپ کو عزت وکرامت بخشتے ہوئے آپ کی نبوت کو کامل کر دیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حکمت و مصلحت کو اس طرح بیان فرمایا:

مناسبة الآية للترجمة واضح من جهة ان صفة الوحی الیٰ نبينا صلی اللہ علیہ وسلم توافق صفة الوحی الیٰ من تقدمه من النبيين و من جهة ان احوال الانبياء فی الوحی بالرؤيا كمارواه ابو نعيم فی الدلائل باسناد حسن عن علقمة بن قيس صاحب ابن مسعود رضی الله عنه قال ان اول مايوتیٰ به الانبياء فی المنام حتی تهدأ قلوبهم ثم ينزل الوحی بعد ذالك (زیر حدیث ابتدائے وحی)

آیت کریمہ انا اوحينا اليك (النساء:۱۶۳) کی مناسبت ترجمہ اور عنوان کے ساتھ واضح ہے اس لحاظ سے بھی کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونیوالی وحی کی حالت و کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تشریف لانیوالے انبیاء علیہ السلام کے موافق و مطابق ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ابتداء وحی سچے خوابوں سے ہی ہوتی ہے جیسے کہ علقمہ ابن قیس جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصاحب اور شاگرد ہیں سے ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اسناد حسن کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو خوابوں میں علوم حاصل

ہوتے ہیں اور انکشافات ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے دلوں کو سکون وقرار حاصل ہو جاتا ہے بعد ازاں ان پر بیداری میں ملائکہ کے ذریعے وحی نازل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی نے اس حدیث اقام بمكة خمس عشر سنة يسمع الصوت و يرى الضوء سبع سنين ولايرىٰ شيئًا و ثمان سنين يوحىٰ اليه کے تحت ارشاد فرمایا، یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ سال اس حال میں قیام پذیر رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے آوازیں سنائی دیتی تھیں اور سات سال تک نور وضیا دکھائی دیتا مگر کوئی شئی نظر نہیں آتی تھی اور آٹھ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی تو اسکی حکمت و مصلحت کیا تھی؟

از کتب سیرت و احادیث دیگر معلوم میشود که این حال پیش از ظهور نبوت بود وحکمت درآں تحصیل استیناس وایتلاف بعالم ملکوت بود تا ظهورآں یکایك سبب انهدام بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد وباوجود حصول استقرار وتمکین دروقت وحی بعضے اوقات از ثقل و تعب می یافت که از خود میرفت والله اعلم و بر هرتقدیر بر این روایت بعد از نبوت پانزده سال او در مکه بود بعد ازاں هجرت کرد بسوئے مدینه منوره۔

(اشعة اللمعات جلد ٤ ص ٥٣٠)

ترجمہ:

کتب سیرت اور احادیث کی دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیات آپ پر طاری ہوتی تھیں نبوت کے ظہور سے قبل اور اس میں حکمت یہ تھی کہ عالم ملکوت اور عالم بالا کیساتھ انس اور الفت کاملہ حاصل ہو جائے تا کہ یک دم اور اچانک نبوت کا نزول اور ظہور بنائے بشریت کے انہدام اور رسوم انسانیت کے اضمحلال کا سبب نہ بن جائے۔ بلکہ (اس تدبیر اور تدریجی طریقہ پر) استقرار و تمکین اور سکون وقرار کے حصول کے باوجود بعض اوقات نزول وحی کے وقت آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر بوجھ اور گرانی محسوس فرماتے تھے کہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتے تھے (تو اگر یہ تدریجی طریقہ اختیار نہ کیا جاتا اور اچانک وحی نازل ہو جاتی تو پھر آپ کی حالت کیا ہوتی) واللہ اعلم۔ بہر تقدیر اس روایت کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حصول نبوت اور نزول وحی کے بعد پندرہ سال تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے بعد ازاں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی دوسری دو روایتوں کے مطابق آپ نبوت حاصل ہونے کے بعد دس سال یا تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے جبکہ راجح تیرہ سال والی روایت ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کانت مدۃ الرؤیا ستۃ اشھر فیما حکاہ البیھقی فحینئذ یکون ابتداء النبوۃ بالرؤیا حصل فی شھر ربیع الاول و ھو شھر مولدہ واحترز بقولہ من الوحی مما رأی من دلائل نبوتہ من غیر وحی کتسلیم الحجر و اولہ مطلقا ما سمعہ من بحیرا الراھب کما فی الترمذی بسند صحیح (ارشاد الساری جلد اول ص ۸۷)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خوابوں کی مدت امام بیہقی کی روایت کے مطابق چھ ماہ تھی تو اندریں صورت خوابوں کے ذریعے آپ کی نبوت کی ابتداء آپ کی ولادت باسعادت والے مہینہ یعنی ربیع الاول میں پائی گئی۔ من الوحی کے الفاظ ذکر فرما کر وحی کے علاوہ دیگر دلائل اور علامات نبوت سے احتراز کیا ہے جو آپ نے ملاحظہ اور مشاہدہ فرمائے جیسے کہ پتھروں کا آپ کو سلام پیش کرنا اور دلائل نبوت اور امارات رسالت سے علی الاطلاق پہلی دلیل اور علامت وہ ہے جو آپ نے بحیرا راہب سے سنا۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان اللہ فطر محمد اصلی اللہ علیہ وسلم علی التوحید و بغض الاوثان الیہ ووھب لہ اول اسباب النبوۃ وھی الرؤیا فلما رأی ذالک اخلص الی اللہ تعالیٰ فی ذالک فکان یتعبد

بغار حراء فتقبل الله عمله و اتم له النعمة۔قال المهلب ما محصله قصد البخاری رحمه الله تعالیٰ الاخبار عن حال النبی ﷺ فی حال منشأ ئه و ان الله بغض الیه الاوثان وحبب الیه خصال الخیر و لزوم الوحدة فراراً من قرناء السوء فلما التزم ذالك اعطاه الله علیٰ قدر نیته ▪ وهب له النبوة کما یقال الفواتح عنوان الخواتم۔ولخصه بنحو من هذا القاضی ابو بکر ابن العربی۔قال ابن المنیر فی اول التراجم کان مقدمة النبوة فی النبی ﷺ الهجرة الی الله بالخلوة فی غار حراء فناسب الافتتاح بحدیث الهجرة۔

(فتح الباری جلد اول ص ۸)

اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو توحید پر اور اوثان اور اصنام کی عداوت پر پیدا فرمایا اور آپ ﷺ کو اسباب نبوت میں سے پہلا سبب یعنی رویائے صالحہ عطا فرمایا۔ان کے دیکھنے پر آپ ﷺ کی توجہ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئی چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں عبادت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ عمل قبول فرمایا اور آپ پر اپنی نعمت کو کامل اور تام فرمایا، امام مہلب نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصد ہے نبی مکرم ﷺ کے احوال منشا اور آغاز ولادت کے کیفیات سے خبر دینا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اوثان و اصنام کو آپ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ٹھہرایا اور خیر و بھلائی والی خصلتوں کو آپ کے ہاں محبوب و مرغوب ٹھہرایا اور خلوت و گوشہ گیری کو آپ کے ہاں پسندیدہ امر ٹھہرایا برے ساتھیوں کی صحبت سے فرار اختیار کرتے ہوئے جب آپ ﷺ نے ان امور کا التزام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپکو آپ کی نیت اور خلوص کے مطابق نوازا اور آپ کو نبوت عطا فرما دی جیسے کہ مثل مشہور ہے اور زبان زد عوام و خواص ہے کہ آغاز انجام کا عنوان اور ترجمان ہوا کرتا ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن العربی نے بھی اسی طرح کی تعبیر اور تلخیص اس مقام پر فرمائی ہے۔علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ہجرت کے ساتھ باب بدء الوحی والبعث کی ابتدا

کرنے سے امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک حکمت و مصلحت کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تراجم میں سے پہلے ترجمہ میں نبی مکرم ﷺ کی نبوت کے مقدمہ اور بدء کا بیان تھا یعنی غار حرا میں خلوت اور گوشہ نشینی کی صورت میں ہجرت الی اللہ (جس کو ہجرت در وطن سے تعبیر کیا جاتا ہے) تو حدیث ہجرت کے ساتھ افتتاح کرنا مناسب ہوا اور حدیث ہجرت کا ربط و تعلق بدء الوحی اور آغاز نبوت کے ساتھ واضح ہو گیا۔

حکی البیھقی ان مدۃ الرؤیا کانت ستۃ اشھر و علیٰ ھذا فابتداء النبوۃ بالرؤیا وقع من شھر مولدہ و ھو ربیع الاول بعد اکمالہ اربعین سنۃ و ابتداء وحی الیقظۃ وقع فی رمضان۔ (فتح الباری ص ۲۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ رویائے صالحہ کی مدت چھ ماہ تھی تو اندریں صورت نبوت کی ابتدا رویائے صادقہ کیساتھ آپ کی ولادت مبارکہ والے مہینہ یعنی ربیع الاول میں ہوئی جبکہ آپ عمر شریف کے چالیس سال پورے کر چکے تھے اور بیداری میں وحی نبوت کی ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی۔

عن الشعبی انزلت علیہ النبوۃ و ھو ابن اربعین سنۃ فقرن بنبوتہ اسرافیل ثلاث سنین الخ اخرجہ ابن ابی خیثمۃ عن داود بلفظ بعث للاربعین و وکل بہ اسرافیل ثلاث سنین ثم وکل بہ جبرئیل صلیٰ اللہ علیہ وعلیھما وسلم۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ پر نبوت نازل کی گئی جبکہ آپ ﷺ چالیس سال کے تھے پس تین سال تک حضرت اسرافیل آپ کے قرین اور مصاحب رہے الخ اس مضمون کو ابن ابی خیثمہ نے داؤد سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور تین سال تک حضرت اسرافیل کو آپ کے لیے وکیل اور دمساز بنایا گیا بعد ازاں حضرت جرائیل علیہ السلام کو آپ کے لیے مامور اور مکلف ٹھہرایا گیا۔

ان تصریحات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس امر میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کاملین واکملین نوری نہاد اور نورانی حقائق والی ہستیاں جب بشری صورت وشکل اور انسانی حالت وکیفیت میں ڈھلتی ہیں تو ان میں ضرور بالضرور تغیر وتبدل پایا جاتا ہے اور حالت تجرد والی قدرت وطاقت اور استعداد وصلاحیت برقرار نہیں رہتی اور بشری حالت خواہ عارضی روپ ہی کیوں نہ ہو حجاب اور مانع بن جاتی ہے چہ جائیکہ حقیقی بشریت ہو اور وہ بالکل حجاب اور مانع نہ بنے اور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس میں یہ انفعالی کیفیت پائی گئی تھی اسی لئے مرحلہ وار اور تدریجی طور پر آپ پر وحی نازل ہوئی تاکہ کلام اور اچانک جبرئیل امین کے اپنے اصلی روپ میں اور ملکی شکل وصورت میں ظاہر ہونے پر آپ کی بنائے بشریت منہدم ہی نہ ہو جائے اور قوائے بشریہ مفلوج ہو کر ہی نہ رہ جائیں جبکہ اس حجاب بشریت سے الگ ہونے اور اپنا حقیقی جلوہ دکھانے پر ہو سکتا ہے کہ جبرئیل امین اپنے ہوش وحواس گم کر بیٹھیں کما قال مولائے روم:

احمد ار بکشا ید آں پر جلیل تا ابد بے ہوش ماند جبرئیل

لہذا تجرد وتعلق والے مراتب کا باہم فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا فرق:

محل نزاع میں یعنی اس معاملہ میں کہ نبی مکرم ﷺ کی روح اور حقیقت محمدیہ عالم ارواح میں بالفعل اور عملی طور پر ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے لیے مربی اور فیض رساں ہو اور عالم اجسام میں ظہور کے بعد چالیس سال تک بالفعل اور عملی طور پر نبی نہ ہوں اس موقعہ اور محل میں اس امر کا ملحوظ اور مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ روح مجرد اور بدن میں حلول وسریان رکھنے والے اور مادہ سے متعلق روح کے درمیان بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ روح انسانی ملائکہ کی جنس سے ہے اور جو قدرت وقوت اور طاقت وتوانائی ان میں ہوتی ہے یہ ارواح بھی اسی قسم کی قوت وطاقت اور قدرت واستطاعت سے بہرہ ور ہوتی ہیں مگر جب مادی ابدان سے متعلق ہو جاتی ہیں اور اسکی

تدبیر وتربیت میں مصروف ہوجاتی ہیں تو انکی وہ صلاحیتیں اور استعدادیں اور قوتیں اور توانائیاں کمزور پڑ جاتی ہیں اور بدنی کثافت اور جسمانی کدورت کی وجہ سے مغلوب ہوجاتی ہیں۔ لیکن جب مجاہدات وریاضات اور عبادات واعمالِ شاقہ اور ذکر وفکر میں انہماک اور اشتغال ہوجاتا ہے اور روحوں کو روحانی غذا ملنے لگتی ہے اور عبادات وریاضات کے انوار سے بدنی کثافت اور جسمانی ظلمت اور کدورت دور ہونے لگتی ہے تو روح کے انوار کو ان ظلمات وکدورات پر غلبہ حاصل ہونے لگ جاتا ہے حتی کہ بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کو قربِ فرائض اور قربِ نوافل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی بدولت بندے کو فنائے صفات اور فنائے ذات حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی لازوال صفات کا بلکہ اسکی ذات پاک کے انوار وتجلیات کا مظہر کامل بن جاتا ہے جیسے کہ اس حدیث قدسی کا مدلول اور مقتضیٰ ہے:

ما تقرب الیّ عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیه ولایزال عبدی یتقرب الیّ بکثرۃ النوافل حتیٰ احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصرہ الذی یبصر به و یدہ التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها الحدیث رواہ البخاری۔

خلاصۂ مفہوم یہ کہ فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا کوئی محبوب ترین ذریعہ نہیں ہے اور بندہ نوافل کی کثرت کی بدولت اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے مقام محبوبیت پر فائز فرما دیتا ہے تو جب اس منصب پر فائز ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نور اسکے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور ہی اسکی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہی نور اسکا ہاتھ بنتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہی نور اسکے پاؤں بنتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ان جوهر الروح لیس من جنس الاجسام الکائنة الفاسدۃ المتعرضة للتفرق

والتمرق بل هو من جنس جواهر الملائكة وسكان عالم السموٰت و نوع المتقد سين المتطهرين الا انه لما تعلق بهذا البدن و استغرق فی تدبیرہ صارفی ذالك الاستغراق الیٰ حیث نسی الوطن الاول والمسکن المتقدم وصار بالكلية متشابها بهذا البدن الفاسد ضعفت قوته و ذهبت مكنته ولم يقدر علیٰ شئی من الافعال واما اذا استانس بمعرفة الله ومحبته و قل انغماسه فی تدبیر هذاالبدن و اشرقت علیه انوار الارواح السماوية العرشية المقدسة و فاضت عليها من تلك الانوار قويت على التصرف فی اجسام هذ ا العالم مثل قوة الارواح الفلكية علیٰ هذه الاعمال و ذ الك هو الكرامات

(تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۶۷و۴۶۸)

ترجمہ:

"یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ روح انسانی کا جوہر حقیقت، اجسام دنیویہ فاسدہ کی جنس سے نہیں ہے جو کہ ریزہ ریزہ ہونے والے ہیں اور افتراق وانتشار کے درپے ہیں بلکہ ملائکہ والے جواہر کی جنس سے ہے اور سماوی عالم کے ساکن ومقدس ومطہر نفوس کی جنس سے ہے مگر جب اسکا تعلق اس خاکی بدن سے قائم ہوگیا اور وہ اسکی تدبیر اور تربیت میں مشغول اور مستغرق ہوگیا تو اس استغراق وانہماک میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے اصلی وطن اور قدیم مسکن کو بھی بھول گیا اور بالکل اس فاسد جسم کے مشابہ ہوگیا تو اسکی وہ قوت وطاقت ختم ہوکر رہ گئی اور قدرت واستطاعت رخصت ہوگئی اور کسی بھی فعل وعمل پر اسکو قدرت حاصل نہ رہی۔ لیکن جب یہی روح معرفت الہی اور محبت خداوندی سے مانوس ہوجائے اور اس بدن کی تدبیر وتکمیل میں اس کا استغراق وانہماک کم ہوجائے اور اس پر ارواح سماویہ عرشیہ مقدسہ کا عکس وپرتو پڑنے لگے اور اس کو ان انوار سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوجائے تو اس کو بھی اس جہان کے اجسام میں تصرف کی اسی طرح قدرت حاصل ہوجاتی ہے جس طرح ارواح فلکیہ کو ان اعمال پر تصرف کی طاقت اور

قدرت حاصل ہوتی ہے اور یہی کرامات ہیں"

یعنی کرامات کا دارومدار روح کی اصلی حالت کی بحالی پر ہوتا ہے اور عالم بالا کے ساتھ اسکے تعلق اور ربط کے قائم ہونے پر۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

فاذا اتفق فی نفس من النفوس کونها قویة القوة القدسیة مشرقة الجوهر علویة الطبیعة ثم انضاف الیها انواع الریاضات والعبادات التی تزیل عن وجهها غبرة عالم الکون والفساد اشرقت و تلألأت و قویت علیٰ التصرف فی هیولیٰ عالم الکون والفساد باعانة نور معرفة الحضرة الصمدیة و تقویة اضواء حضرة الجلال والعزة

(تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۶۷ و ۴۶۸)

ترجمہ:

(ہمارا مذہب و مسلک یہ ہے کہ روحیں ماہیت کے لحاظ سے مختلف ہیں ان میں انتہائی قوی اور توانا بھی ہیں اور ضعیف و ناتواں بھی ہیں اور غایت درجہ نورانی بھی ہیں اور ظلمانی بھی ہیں) "تو جب کسی نفس میں قوت قدسیہ بھی موجود ہو اور اسکا جوہر بھی نورانی ہو اور طبیعت بھی عالم بالا سے تعلق رکھنے والی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ مختلف عبادت و ریاضات بھی شامل ہو جائیں جو اس کے جوہری حسن و جمال کے چہرے سے عالم کون وفساد اور جہان آب و گل کی گرد و غبار کو زائل کر دیں تو اس روح میں چمک دمک پیدا ہو جائے گی اور اس میں معرفت الٰہیہ کے انوار اور بارگاہ صمدیت و جلال کی ضیاء پاشیوں کی بدولت اس عالم کون وفساد کے اصول و مبادیات اور حقائق میں تصرف کرنے اور انقلاب بپا کرنے کی قدرت وطاقت پیدا ہو جائے گی"

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں علامہ کاشانی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ جب روح بدن میں مقید ہو تو مجاہدات ریاضات کی بدولت اس جہان میں اس کے خوارق عادات اور

معجزات وکرامات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ سب کچھ روح کی تدبیرات اور تصرفات ہوتے ہیں تو جب روح اس کے بدن کی قید سے آزاد ہو جائے اور ملاءاعلیٰ کے ساتھ واصل ہو جائے تو بطریق اولیٰ اس سے اس طرح کے بلکہ ان سے بھی زائد تصرفات اور خوارق عادات ظاہر ہو سکتے ہیں۔

بل ھو بعد المفارقة اشد تاثیراً و تدبیراً لان الجسد حجاب فی الجملة الا ترٰی ان الشمس اشد احراقاً اذا لم یحجبھا الغمام او نحوہ۔

(روح البیان جلد ۱۰ ص ۲۱۶)

"بلکہ بدن سے علیحدگی کی صورت میں اس کی تاثیر اور تدبیر زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہو گی کیونکہ جسم اور لباس بشری کچھ نہ کچھ حجاب اور رکاوٹ ضرور ہی بنا رہتا ہے دیکھتے نہیں ہو کہ سورج کے لیے بادل وغیرہ کا حجاب نہ ہو تو اسکی حرارت کتنی شدید اور ضیاء کتنی تیز ہوتی ہے" (مگر معمولی بدلی حائل ہونے پر نہ وہ چمک دمک اور ضیاء پاشی باقی رہتی ہے اور نہ ہی حرارت اور تمازت باقی رہتی ہے)۔

الغرض ارواح جتنی کامل ترکیوں نہ ہوں ان کے مادی بدن سے تعلق اور اس میں تدبیر و تصرف والی مشغولیت کے بعد پہلی حالت برقرار نہیں رہتی اور بدن کچھ نہ کچھ حائل اور حاجب ضرور بن جاتے ہیں جب تک کہ ان کی کثافت لطافت میں نہ بدل جائے اور کدورت و ظلمت نورانیت میں تبدیل نہ ہو جائے اور مادیت اور تعلق لطافت اور تجرد میں تبدیل نہ ہو جائے اور بدن میں ہوتے ہوئے بدن سے آزاد نہ ہو جائیں (مفصل بحث جلاء الصدور اور ھدایة المتذبذب الحیران میں ملاحظہ ہو)

لہذا اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بشری لباس میں دنیا پر جلوہ فرما ہونے کا دورانیہ اس حالت وکیفیت سے مختلف اور جداگانہ ہے جس حالت وکیفیت

پر اس تعلق مادی سے قبل آپ تھے۔ وہاں فیض دینے والی حقیقت بھی نورانی اور فیض لینے والے بھی نورانی۔ جن میں اتصال کامل اور تناسب و توافق اکمل طریقہ پر موجود تھا لیکن یہاں انسانوں اور بشروں کو فیض پہنچانا ہے اور وہ مادی ہیں اور روح اقدس آپ کے بدن شریف میں مقید ہو گئی اور وہ فی الجملہ مادیت اپنے اندر رکھتا ہے تو جب تک آپ ﷺ کے بدن شریف کو آپ کی روحِ اقدس اور حقیقت کے ساتھ کامل و اکمل ربط و تعلق حاصل نہ ہو جاوے اور وہ تعلق محض بدن کی تدبیر و تربیت والے تعلق سے بالاترین نہ ہو جائے تب تک نہ آپ ﷺ کا بدن روح اقدس کے انوار و تجلیات اور صلاحیت و استعداد سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور نہ دوسرے بشروں اور انسانوں کے لیے سرچشمۂ فیوض اور منبع رشد و ہدایت بن سکتا ہے لہٰذا ضروری تھا کہ پہلے آپ کے بدنِ اقدس اور روح پاک کے درمیان ربط کامل اور باہمی توافق و تناسب پیدا کیا جاتا چنانچہ چار سال کی عمر میں شق صدر کیا گیا اور وساوس کو قبول کر سکنے والے بدنی مادہ اور منجمد خون کے ٹکڑے کو دلِ اقدس سے نکال باہر کیا گیا، پھر دس سال کی عمر میں شق صدر کر کے آپ ﷺ کے دل مبارک کے لیے عالم نورانی کے پانی سے غسل اور صفائی کا انتظام کیا گیا اور شہوانی خیالات اور نفسانی میلانات کے مبدا و منشا کا قلع قمع کیا گیا پھر چالیس سال کی عمر میں شق صدر کے ذریعے دل مبارک کو انوار و تجلیات کا گہوارہ بنایا گیا اور عالم ارواح اور ملائکہ کے ساتھ ارتباط اور اتصال کی صلاحیت و استعداد کو مطلوبہ معیار تک پہنچا دیا گیا تب وحی کا سلسلہ شروع کیا گیا اور وہ بھی پہلے سچے اور حقائق پر مبنی خوابوں کے ذریعے اور اس کے بعد فرشتہ کے ذریعے، لیکن اس کو بھی بشری حالت میں بھیجا گیا تا کہ بشری قویٰ اور جسمانی اعضاء اس ملاقات اور افادہ اور استفاضہ کے متحمل ہو سکیں۔ اس معاملے میں درج بالا تفصیل کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

نبی مکرم ﷺ کے بدن اقدس اور روح اطہر کے درمیانی حجاب کا دور ہونا:

اب درج بالا تفصیل کی تائید و تصدیق اکابر اولیاء و اعاظم علماء کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

1: عظیم المرتبت ولی اور غوث کبیر شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:

ان المشاهدة علیٰ قدر المعرفة و ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبیب مع الحبیب ولا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سقیت روحه الکریمة من الانوار القدسیة والمعارف الربانیة ما صارت به اصلا لکل ملتمس ومادة لکل مقتبس فلما دخلت روحه الکریمة فی ذاته الطاهرة سکنت فیها سکون الرضا والمحبة والقبول فجعلت تمدها باسرارها وتمنحها من معارفها فصارت تترقی فی المعارج والمعارف شیئا فشیئا من لدن صغره ﷺ الیٰ ان بلغ اربعین سنة فزال الستر حینئذ الذی بین الذات والروح وانمحیٰ الحجاب الذی بینهما بالکلیة و حصلت له المشاهدة التی لا تطاق حتی صار یشاهد کمشاهدة العیان ان الحق سبحانه هو المحرك لجمیع المخلوقات وانه المنقل لهم من حیز الیٰ حیز والمخلوقات بمنزلة الظروف واوانی الفخار لا تملك لنفسها ضراً ولانفعاًفارسله الله تعالیٰ الخ

(ابریز شریف) (جواہر البحار جلد دوم ص ۲۵۳،۲۵۴)

ترجمہ:

تحقیق (باری تعالیٰ کے کائنات میں بذاتِ خود مکمل طور پر مدبر اور متصرف ہونے کا) مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مطابق ہے اور نبی مکرم ﷺ کو معرفت اس وقت سے حاصل ہے جبکہ حبیب اپنے حبیب کیساتھ موجود تھا اور کوئی تیسری ذات موجود نہیں تھی لہذا آنحضرت ﷺ اولین مخلوق ہیں تو وہاں پر آپ کی روح مکرمہ کو انوارِ قدسیہ اور معارفِ ربانیہ سے اس قدر سیر اور سیراب کیا گیا کہ آپ ان انوار و معارف کی بدولت ہر طلب گار کے لیے اصل اور اساس اور ہر مستفید اور مستفیض کے لیے مادہ اور بنیاد بن گئے۔ پھر جب آپ کی روح مکرمہ آپ کی ذات مقدس اور بدن مبارک میں داخل ہو گئی تو اس نے اس میں رضا و رغبت اور محبت و الفت کے ساتھ

سکونت اختیار کر لی اور روح کریمہ اس ذات اقدس کو اپنے اسرار و رموز اور معارف خاصہ کے ساتھ امداد و اعانت اور جود و سخا سے نوازنے لگی اور آپ کی ذات مقدسہ اور جسم اقدس کو معارج اور معارف میں لحہ بہ لحہ ترقی حاصل ہونے لگی بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک ۔ (اور جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے) تو اس وقت روح کریمہ اور جسم اقدس کا درمیانی حجاب بالکل زائل ہو گیا اور درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر اٹھ گیا اور آپ کو جسمانی طور پر وہ مشاہدہ حاصل ہو گیا (جس کی پہلے جسم میں) استطاعت اور استعداد نہیں تھی حتی کہ آپ آنکھوں کے ساتھ دیکھی جانے والی اشیاء کی طرح اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے لگے کہ اللہ تبارک و تعالی ہی تمام مخلوقات کا محرک ہے اور انہیں ایک حیز و مکان سے دوسرے حیز و مکان کی طرف منتقل کرنیوالا ہے اور ساری مخلوقات بمنزلہ ظروف اور بھٹی میں پکے برتنوں کی مانند ہے اور اپنی ذاتوں کے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا (الی ان قال) حصلت لهم المشاهدة بلا شك لكن الستر لم يزل بالكلية و في مشاهدة نبينا صلی اللہ علیہ وسلم زال بالكلية (جواہر ص ۲۵۲)

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی بلا شک و شبہ مشاہدہ حاصل ہوا (نہ کہ وہ عوام کی طرح رہے) لیکن ان میں روح اور بدن کا درمیانی پردہ اور حجاب مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں مکمل طور پر وہ ستر اور پردہ زائل ہو گیا تھا۔

2: یہی غوث کبیر اور ولی کامل شق صدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر تین مرتبہ ہوا:

اولها عند حليمة وا ستخرج منه حظ الشيطان و هو ما تقتضيه الذات المادية من مخالفة الامر و اتباع الهوى و ثانيها عند عشر سنين و نزع منه اصل الخواطر الردية و ثالثها عند النبوة۔ (جواهر البحار ص ۲۵۹)

پہلی دفعہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں شق صدر ہوا اور شیطانی وساوس کو قبول کر سکنے والا مادہ ہی آپ کے دل سے نکال باہر کیا گیا جو کہ خاکی مادہ کا مقتضی اور ممکنہ اثر اور نتیجہ ہوا کرتا ہے یعنی امر خداوند تعالیٰ کی مخالفت کرنا اور خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرنا۔ دوسری دفعہ دس سال کی عمر شریف میں شق صدر ہوا اور ردی اور ناپسندیدہ خواطر اور خیالات کا مبدا اور منبع ختم کر دیا گیا اور تیسری دفعہ نبوت عطا کرتے وقت (چالیس سال کی عمر میں) شق صدر ہوا۔

فائدہ:

ان دونوں عبارتوں میں غور کرنے سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جسمانی طور پر نبوت چالیس سال کی عمر شریف میں عطا ہوئی اور یہ وقت کے عظیم ولی اور غوث کبیر کا نظریہ اور عقیدہ ہے نہ کہ کسی عام آدمی کا۔

3: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ بار بار شق صدر کی مصلحت اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الف: چار سال کی عمر میں شق صدر کی حکمت یہ تھی:

آنکہ در اطفال دیگر از حب ملاعبت و لہوو عبث و دیگر حرکات نا شائستہ میباشد از دل مبارک ایشاں دور کردہ شود چنانکہ ہمیں واقع شد کہ آنجناب را در حالت صغر سن و طفولیت اصلاً التفات بملاعبت و بازی و لہو و عبث نبود بوقار و تمکین نشست و برخاست میفرمودند۔

ب: دس سال کی عمر شریف میں شق صدر کی حکمت:

ایں بار آنحضرت ﷺ را چوں سن بلوغ قریب رسیدہ بود و از لوازم جوانی میل بشہوت و سورت غضب است برائے عصمت از گناہانے کہ تعلق بایں دو صفت دارند و بیشتر غلبئہ آنہا در جوانی و مابعد جوانی است شق صدر

مکرر واقع شد۔

ج: وقت بعثت قریب آنے پر شق صدر کی حکمت:

چون هنگام بعثت قریب رسید و زمان نزول وحی بردل مبارك آنحضرت ﷺ نزدیك آمد بار دگر دل ایشان را برائے تنقیه و تقویت چاك کردند۔

د: شب معراج شق صدر کی حکمت:

ایں بار شق صدر برائے آن بود که دل مبارك آنحضرت ﷺ قوت سیر عالم ملکوت بهم رساند و طاقت دیدن تجلیات بدیهه و انوار مثالیه پیدا کند۔

(ص ۲۳۱،۲۳۲)

ھ: قول باری تعالیٰ الم نشرح لك صدرك کی تفسیر میں فرمایا:

یعنی آیا کشاده نساخته ایم برائے تو سینه تراتا بار وحی را تحمل کند و اسرار الهی درآن سینه پاك گنجائش نمایند و غم دعوت و تبلیغ و غم امت و دین و غم دنیا و غم آخرت همه دراں قرار گیرندو غل وغش و حقد وحسد و ذمائم اخلاق بیروں روند و نور علم و ایمان وحکمت درآن محیط آید ۔(۲۷۲)

جب کہ بقول بعض صوفیائے کرام عالم ارواح میں آپ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بالفعل نبی ورسول تھے اور وحی خداوند تعالیٰ انہیں پہنچاتے تھے اور انہیں ان کی استعداد کے مطابق اسرار الہیہ سے باخبر رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے ساتھ منور ومستنیر فرماتے تھے لیکن لباس بشری پہننے اور عنصری مادہ کے ساتھ متعلق ہونے اور مادی بدن میں حلول وسریان اور اس کی تدبیر وتربیت میں مشغولیت کے بعد صورت حال یہ ہورہی ہے اور وہاں پر بے پردہ انوار الہیہ اور تجلیات صمدانیہ کا مشاہدہ ہوا کرتا تھا اب معراج کے موقع پر شق صدر کی ضرورت پیش آرہی ہے اور اس میں انوار وتجلیات بھرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے تو ثابت ہوگیا کہ روح مجرد کا

معاملہ اور ہے اور بدن سے متعلق اور اس میں مدبر و متصرف روح کا معاملہ اور ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس العزیز کے والد گرامی مولانا شاہ نقی علی خان کا ارشاد:

(پہلے شق صدر) "اس مرتبہ کے شق صدر میں یہ نکتہ کہ کھیل کی رغبت جو لڑکوں کے دلوں میں ہوتی ہے آپ کے دل سے دور ہو جاوے اور بزرگوں کی طرح تمکین اور وقار حاصل ہووے، دوسری بار دس سال کی عمر میں فرشتوں نے سینہ مبارک کو چاک کیا اور شفقت و مہربانی سے بھر دیا تا کہ غضب اور غصہ جو کہ اس عمر کا مقتضی ہے فرور ہے اور مہر و محبت کی کہ گناہگاراں امت کو اس کی حاجت ہوتی ہے عادت ہو جاوے حضرت فرماتے ہیں اسی دن سے اپنے دل میں شفقت اور مہربانی پاتا ہوں۔ تیسری بار نبوت کے قریب دل مقدس کو چاک کیا گیا تا کہ بار وحی کا تحمل اور کلام الٰہی کے سمجھنے کی قوت حاصل ہو جائے چوتھی بار معراج کی رات یہ معاملہ واقع ہوا کہ دل مبارک میں انوار و تجلیات اور علوم و معارف کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو اور حوصلہ اس کا بقدر ترقیات اور کمالات کے اس رات عنایت ہوویں گے وسیع اور فراخ ہو جاوے"

(انوار جمال مصطفےٰ ﷺ ص ۲۵)

فائدہ:

حضرت کی شق صدر ظاہری اور شرح صدر معنوی کی تقریر اور حکمت کا بیان بالکل شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ والا ہے اور دونوں نے تیسری مرتبہ کے شق صدر کو حصول نبوت اور نزول وحی کا پیش خیمہ ٹھہرایا ہے جو کہ چالیس سال کی عمر شریف مین ہوا اگر جسمانی لحاظ سے نبوت کے حصول کی یہ مدت نہیں تھی تو اس شق صدر کو نبوت کے قریب ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ بقول مخالفین حضرات کے نبوت آپ کو بچپن سے ہی حاصل تھی۔

نیز جو استعداد و صلاحیت اور قوت و طاقت وحی کے اخذ و قبول کی حالت تجرد میں تھی اگر بدن اقدس کے ساتھ تعلق اور مشغولیت کے بعد بھی وہ علیٰ حالہ قائم ہوتی تو بار بار اس شق صدر اور

ملکوتی آپریشنوں کی ضرورت کیوں پیش آتی ؟اور جو ملائکہ آپ سے عالم ارواح میں استفادہ اور استفاضہ کے محتاج تھے وہ یہاں آپ کے ذاتی استفادہ اور استفاضہ کی صلاحیتیں اور استعدادیں اجاگر کرنے میں کیوں واسطہ اور وسیلہ بن رہے ہیں ؟اور کبھی شق صدر کے ذریعے اور کبھی گلے لگانے اور توجہ اتحادی ڈالنے اور ملکی انوار کو آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک کے مساموں سے اندر داخل کر کے ملکیت اور بشریت میں تناسب وتوافق پیدا کرنے اور تباین اور تباعد کو دور کرنے کی کیا ضرورت تھی جیسے کے عن قریب ان امور کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔

سچے خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز کیوں کیا گیا ؟

نبی مکرم ﷺ پر جبریئل امین علیہ السلام کے وحی کے ساتھ نزول سے قبل سچے اور واقعاتی حقائق پر مشتمل خوابوں کے ذریعے وحی کی ابتدا کی گئی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اول ما بدء به رسول الله ﷺ من الوحی الرو یا الصالحة ثم حبب الیه الخلا

(الحدیث رواه البخاری)

چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران آپ کے دل میں خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کی محبت اور رغبت پیدا کر دی گئی اور بالآخر چھ ماہ بعد اسی خلوت گاہ اور غارِ حرا میں ہی جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی کے ساتھ نازل ہوئے تو معلوم کرنا چاہیے کہ چالیس سال بعد پہلی وحی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کیوں اتری ؟ بچپن سے ہی یہ سلسلہ کیوں نہ شروع ہو گیا ؟ اور اس قدر طویل عرصہ اور لمبی مدت گزرنے کے باوجود بھی رؤیائے صادقہ کے ساتھ آغاز کیا گیا تو کیوں ؟

مفسرین کرام، شراح حدیث اور علمائے سیر اور ارباب علم وفضل نے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی بیان کی ہے کہ بدن کو پوری قوت اور طاقت حاصل ہونے سے قبل اور اس کی صلاحیت واستعداد میں عروج اور ترقی کے بغیر نزول وحی سے قوائے بشریہ اور اعضائے بدن مضمحل اور مفلوج ہو کر رہ جاتے اس لیے یہ تدریجی اسلوب اور ترقی پذیر انداز اختیار کیا گیا، اس

کے متعلق اکابر علماء کی تصریحات پیش خدمت ہیں:

1: علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

ان قیل لم ابتدأ علیه الصلوة والسلام بالرؤیا اولاً؟

اجیب بانه انما ابتدا بها لئلا یفجاه الملك و یاتیه بصریح النبوة ولا تحتملها القوی البشریة فبدئی باوائل خصال النبوة و تباشیر الکرامة۔

(عمدۃ القاری جلد اول ص ۱۰۴)

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضور ﷺ پر وحی کا آغاز خوابوں کے ذریعے کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ اس لیے کیا گیا تا کہ وحی کا فرشتہ اچانک آپ پر نازل نہ ہو اور صریح اور ظاہر نبوت آپ کے پاس ابتدا میں نہ لائے ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کی خصلتوں میں سے ابتدائی خصلتوں اور عزت و کرامت کی ابتدائی بشارتوں کیساتھ آغاز کیا گیا۔

2: حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ان ابتدائی کیفیات کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

از کتب سیر و احادیث دیگر معلوم میشود که این حال پیش از ظهور نبوت بود و حکمت دران تحصیل استیناس و ایتلاف بعالم ملکوت بود تا ظهور آن یکایك سبب انهدام بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد۔

(اشعة اللمعات جلد ٤ ص ٥٠٥ مدارج النبوت جلد ٢ ص ٤٠)

3: امام علامہ سید جعفر بن حسن برزنجی مدنی رحمۃ اللہ تعالی اپنے معروف زمانہ مولد شریف میں فرماتے ہیں:

و لما کمل لهﷺ اربعون سنة علیٰ اوفق الاقوال لذوی العالمیة بعثه الله

تعالیٰ للعالمین بشیراً و نذیراً فعمهم رحمته و بدئی الیٰ تمام ستة اشهر بالرؤیا الصادقة الجلیلة فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق صبح اضاء سناه و انما ابتدئی بالرؤیا تمرینا للقوة البشریة لئلا یفجاه الملك بصریح النبوة فلا تقواه قواه۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد۳ص۲۶۸)

جب محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو گئے تو اہل علم کے مناسب وموافق ترین قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالمین کے لیے بشیر ونذیر بنایا اور آپ نے اپنی رحمت کے ساتھ ان کا احاطہ فرمایا اور ابتدائی چھ ماہ تک سچے اور مبنی بر حقیقت واضح خوابوں کیساتھ وحی کا آغاز کیا گیا تو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے تھے اس کی تعبیر روشن ترین صبح کے نور وضیاء کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آجاتی اور سچے خوابوں کے ساتھ ابتداء کیے جانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کی قوت بشریہ کو وحی جلی کے برداشت کرنے کا اہل اور عادی بنایا جائے تا کہ اچانک فرشتۂ وحی کے صریح اور واضح وحی نبوت کے ساتھ نازل ہونے پر آپ کے قوائے بشریہ اس کے بوجھ کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر نہ ہو جائیں۔

4: حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز (جبریل امین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبانے کے متعلق) فرماتے ہیں:

و این تصرف بود از جبرائیل در وجود شریف آنحضرت ﷺ بدر آوردن نور ملکوت و وحی در باطن شریف وے تا متهیی و مستعد حمل آں بار گردد۔

(اشعة اللمعات جلد۴ص۵۳۲)

5: شرح سفر السعادت میں اسی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چون چهل سال تمام شد نور نبوت ظهور کرد و ما نا که حکمت الهی در امر اسرافیل و جبرائیل و ملازمت وے ﷺ و اسماع کلمات و اصوات و

اراء ت انوار آن بود که تا انس والفتے آنحضرت ﷺ را بعالم ملکوت و اسرار و انوار آن پیدا گردد و ظهور و بروز آن بناگهان موجب هدم بنائے بشریت و اضمحلال رسوم انسانیت نگردد باوجود آن بمشاهده جبرئیل و وقت نزول وحی چه تغیر و ثقل که بوجود شریف وے ره نمے یافت (ص ۲۵)

6: مدارج النبوۃ میں اس مرحلہ وار وحی کے نزول کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اگر نه آن بودے که بتدریج ظهور آیات و علامات و انوار و مستعد استفاضه آن انوار ساختندے و مانوس و مالوف بانعام گرانیدندے مشکل که نظام کارخانۂ وجود بحال خود ماندے و باستهلاك ناانجامیدے و قول آنحضرت ﷺ خشیت علیٰ نفسی بمثل این حال خواهد بودو بر این معنیٰ حمل باید کرد۔

(جلد ۲ ص ۳۲)

7: و ایں در بر گرفتن و بیفشردن تصرفے بود از جبرئیل علیه السلام در وجود شریف آنحضرت ﷺ باد خال انوار ملکوت تا متهیئی بقبول وحی و خالی از شغل بما سوائے آں گردد ۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۱)

8: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں:

نکته اول در ایں جا ایں که عادت تربیت در بنی آدم تدریج را تقاضا میکنند پس اگر اول وهله آنحضرت ﷺ را بوحی قرآن مشرف میساختند تحمل آنرا طاقت نمی آوردند ناچار اول در خواب که حالت غفلت ازیں عالم است اتقاء علوم جزئیه شروع فرمودند تا بمرور عادت تلقی علوم از عالم غیب پیدا شود و آهسته آهسته بایں تعلیم خو گر شوند بعد ازاں خواستند که ایشا ن را در حالت یقظه و هوشیاری و انقطاع از زن و فرزند و خانمان بهم رسد تا بکلی

متوجہ بعالم غیب گردند ایں وقت ایشا نراحب خلوت و عزلت در خاطر افتاد و مکانے برائے ایشان نشان دادند کہ در آنجا ہیچ کس از جنس بشر نباشد در وقت نزول وحی کسی را گمان تلمذ و تلقین بخاطر نگذرد و باز در وقت نزول وحی صدمہ شدیدو لرزہ و ترس در دل ایشان افگندندتا توہم تلبس و تصنع کسے را پیدا نہ شود۔ (تفسیر عزیزی ص۲۴۴ پ عم)

9: اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد گرامی مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حکیم مطلق نے نزول وحی سے پہلے آپ ﷺ پر انوار اور اسرار ظاہر فرمائے اور فرشتوں کو آپ کی خدمت میں رکھا اور ان کی آواز آپ ﷺ کو سنوائی تا کہ حضرت کو عالم ملکوت اور ملائکہ کی باتوں سے مناسبت ہو جائے اور رفتہ رفتہ بارِ نبوت کی طاقت اور مشاہدۂ انوار تجلیات جبروت اور لاہوت کی قوت حاصل ہو جائے اگر ناگہاں وحی نازل ہوتی تو بنائے بشریت منہدم ہو جاتی یہ سبب ہے کہ ابتداء وحی کی سچے خوابوں سے شروع ہوئی جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی ہوتا پھر تو ذوق وشوق اس طرف کا آپ کے دل میں زیادہ ہوا یہاں تک کہ اس شوق میں گھر مال اور زن و فرزند سے دل کو اصلاً تعلق نہ رہا۔ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور تنہائی میں اپنے مالک کی یاد اور اس محبت کو برابر ترقی تھی یہاں تک کہ دریائے ذکر قلبی میں مستغرق ہو گئے اور عالم غیب کے انوار و اسرار سماعت وبصارت آپ کے دل پر نازل ہونے لگے اور درخت اور جانور آپ کو بشارت دینے لگے جب استعداد اور قابلیت کا مرتبہ انتہاء کو پہنچا بقول ابن اسحاق ماہ رمضان میں اکثر محدثین کے نزدیک اکتالیسویں برس ولادت سے ماہ ربیع الاول میں ایک جوان خوبصورت خوش لباس کہ اس کے بازو یاقوت درخشاں کے تھے نظر آیا اور کہا اے محمد میں جبرئیل ہوں خدائے تعالےٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور تمہیں انسانوں اور جنوں کا پیغمبر کیا ہے۔

(انوار جمال مصطفےٰ ﷺ ص ۱۱۲)

الغرض بہتیرے علمائے اسلام اور مقتدایان انام نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے اور اس سے روح کے تجرد اور تعلق بدنی کا فرق بھی واضح ہو گیا ہے اور عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت کا فرق بھی واضح ہو گیا ہے۔ فتامل حق التامل!

جبرئیل امین علیہ السلام کے آپ کے ساتھ تین مرتبہ معانقہ کرنے اور دبوچنے کی حکمت:

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلی وحی کے موقعہ پر آپ ﷺ سے عرض کیا اقرأ (پڑھیے) تو آپ ﷺ نے معذرت کرتے ہوئے کہا میں امی ہوں اور لکھا ہوا پڑھ نہیں سکتا تو جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینہ سے لگایا اور اچھی طرح دبایا پھر عرض کیا اقرأ (پڑھیے) آپ نے وہی جملہ دہرایا تو انھوں نے دوبارہ سینے سے لگایا اور اچھی طرح دبایا پھر چھوڑ کر عرض کیا اقرأ اب پڑھیے! تین مرتبہ اس طرح معانقہ کیا اور زور سے دبایا تو بالآخر آپ ﷺ نے سورت علق کی یہ ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس بار بار کے معانقہ کرنے اور سینہ سے لگا کر دبانے میں کیا حکمت تھی؟ علماء اعلام اور مقتدایان انام کی زبانی ملاحظہ فرماویں:

حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعدہ ایک نامہ مرصع باقسام جواہر آپ کے سامنے رکھا کہ اسے پڑھیے آپ نے فرمایا ما انا بقاری میں پڑھا نہیں ہوں پھر آپ ﷺ کو خوب زور سے دبوچا پھر چھوڑ کر کہا اقرأ پڑھیے آپ نے وہی جواب دیا (تا) تیسری مرتبہ پھر خوب زور سے دبوچا اور اس مرتبہ کے دبوچنے سے ایک عجیب حالت جسے شان ملکی کہنا لائق ہے پیدا ہوئی اور آپ مرتبہ انسانیت و ملکیت کے جامع ہو گئے (انوار جمال مصطفےٰ ﷺ ص ۱۱۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

نکتہ دوم آنکہ تاثیر حضرت جبرئیل علیہ السلام را در روح ایشان بواسطہ

افشردن و در بر گرفتن بنهایت مرتبه کمال ثابت و راسخ کردند زیرا که انواع تاثیر کاملان در غیر خود که آن را در عرف اهل طریقت توجه نامد و آن بر چهار قسم باشد اول تاثیر انعکاسی (الیٰ) دوم تاثیر القائی (الیٰ) سوم اصلاحی (الیٰ) چهارم تاثیر اتحادی که شیخ روح خود را که حامل کمالیست باروح مستفید بقوت تمام متحد سازد تا کمال روح شیخ باروح مستفید انتقال نماید و این مرتبه اقویٰ ترین انواع تاثیر است چه ظاهر است که بحکم اتحاد روحین هر چه در روح شیخ است باروح تلمیذ مے رسدو بار بار حاجت استفاده نمی مانددر اولیائے کرام این قسم تاثیر بندرت واقع شود۔از حضرت خواجه باقی باالله -قدس الله سره منقول است که روزے در خانه ایشان چند کس مهمان شدند وما حضر موجود نبود اوقات حضرت خواجه در فکر ضیافت مهمانان مشوش شده در تلاش ماحضر شدند اتفاقاً نانوائی متصل باخانه ایشان دکان داشت برین تشویش مطلع شده یك قرص نان خوب پخته بانهاری مکلف و مرغن بخدمت ایشان آورد و وقت ایشان بایں سلوك او بسیار خوش شد فرمودند بخواه چه مے خواهی او عرض کرد مرا مثل خود سازید فرمودند تحمل این حالت نه میتوانی کرد چیزے دگرے خواه او بر همین سوال اصرار داشت وخواجه إعراض مے فرمود تاآنکه لجاج او بسیار شد نا چار او رادر حجره بردندتاثیر اتحادی بروے کردند چون از حجره بر آمدند درمیان خواجه و درمیان نانوائی در صورت و شکل هیچ فرق نمانده بودو مردم را امتیاز مشکل افتاد ۔اینقدر بود که حضرت خواجه هوشیار بودند و آن نانوائی ملهوش و بیخود ۔آخر بعد از سه روز در همین حالت سکر و بے هوشی قضا کرد رحمه الله تعالیٰ ۔بالجمله تاثیر حضرت جبرئیل علیه السلام دریں افشردن تاثیر اتحادی بود که روح لطیف

خود را از راہ مسام بدن درون بدن آنحضرت ﷺ داخل فرمودہ باروح مبارک متحد ساختند و چوں شیر و شکر بھم آمیختند و حالت عجیب درمیان بشریت و ملکیت پیدا شد کہ دربیان نمی آید۔ (تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۴۵)

آپ کے لیے رؤیا صالحہ سے ابتداء وحی:

امام ابن حجر ہیتمی مکی علیہ الرحمہ اس خلوت گزینی اور جبرئیل امین کے تین دفعہ کے معانقوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لما بلغ النبی ﷺ اربعین سنۃ قیل و کسر أبعثہ اللہ تعالیٰ یوم الاثنین کما فی خبر مسلم لسبع عشر من رمضان و قیل لثمان من ربیع الاول و قیل کان فی رجب رحمۃ للعالمین و رسولا الیٰ کافۃ الخلق اجمعین کما قال ﷺ و ارسلت الیٰ الخلق کافۃ۔روی البخاری وغیرہ اول ما بدء ی بہ ﷺ من الوحی الرویا الصالحۃ فکان لایری رؤیا الاجاء ت مثل فلق الصبح و انما ابتدی بھا لان الملک لو فجاہ بغتۃ لم تحتملہ قواہ البشریۃ۔وکان یاتی حراء فیتعبد فیہ اللیالی الکثیرۃ ثم یرجع الیٰ خدیجۃ فیتزود لمثل ذالک حتی فجاء ہ الحق (الیٰ) و حکمۃ الغط ثم تکریرہ مزید التاھل الیٰ لقاء الملک لمابین البشریۃ والملکیۃ من التباین ثم الیٰ التلقی منہ۔

(جواہر البحار جلد ثانی ص ۷۷، ۷۸)

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ سچے خوابوں کے ساتھ آغاز کی وجہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اچانک پہلی دفعہ نازل ہوتا (عالم بالا کے ساتھ ربط و تعلق قائم ہوئے بغیر) تو آپ ﷺ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہوسکتے ،اور جبرئیل علیہ السلام کے معانقہ اور بار بار سینہ سے لگا کر دبانے کی حکمت یہ ہے کہ آپ میں ملائکہ کے ساتھ ملاقات، میل جول اور پھر ان سے احکام خداوند تعالیٰ وصول کرنے کی زیادہ اہلیت اور استعداد پیدا ہو جائے۔ کیونکہ بشریت اور ملکیت کے درمیان (بذات

خود) تخالف اور بہت دوری اور فاصلہ ہے (اور اس معانقہ کے ذریعے اس بعد اور دوری کو ختم کر دیا گیا ہے اور ملاقات ملائکہ اور حصول وحی کی استعداد کامل کر دی گئی)

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

جاورت بحراء شهراً

"میں نے غار حرا میں مہینہ بھر خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کی"

ان الفاظ کی شرح میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

ای لا لطلب النبوة فانها موهبة لا تنال بكسب۔ الله اعلم حيث يجعل رسالة الخ (ص ۷۸)

یہ عزلت اور خلوت نشینی نبوت کی طلب اور آرزو میں نہیں تھی کیونکہ نبوت تو سراسر اللہ تعالیٰ کی طرف سے موہبت اور ہدیہ وتحفہ ہوتی ہے اس کو محنت، مشقت اور مجاہدہ وریاضت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا کما قال اللہ تعالیٰ: الله اعلم حيث يجعل رسالته اللہ اس مکان اور محل کو بہتر جانتا ہے جس میں رسالت والی امانت کو ودیعت فرماتا ہے۔

فائدہ:

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو بچپن سے نبوت حاصل ہوتی تو سچے خوابوں سے ابتدا کی اکتالیسویں سال ضرورت کیوں پیش آئی اور جبرئیل امین علیہ السلام کو معانقوں اور توجہ اتحادی کے ذریعے بشریت اور ملکیت کا بعد اور تباین دور کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی، اور علمائے اعلام کو یہ کہنے کی حاجت ہی کیوں پیش آتی کہ آپ کی چلہ کشی اور خلوت گزینی اور مجاہدہ اور ریاضت کہیں نبوت حاصل کرنے کی سعی اور جدوجہد تو نہ تھی جبکہ بقول مخالفین وہ تو پیدا ہوتے ہی حاصل ہو چکی تھی لہذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی روح اقدس کے بدن مبارک میں حلول سے قبل اور حلول وسریان کے بعد جداگانہ معاملہ ہے، اور تعلق والی حالت کا تجرد والی

حالت پر قیاس سراسر لغو اور باطل ہے حالت تجرد میں بالفعل حاصل ہونے والے کمالات بدن سے تعلق اور حلول کے بعد بالقوۃ رہ گئے تھے۔

تنبیہ:

جبرئیل علیہ السلام کے معانقہ کو مرشدوں کی توجہ اتحادی کی مانند قرار دینے سے آنحضرت ﷺ پر ان کی فضیلت کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ جب آپ ﷺ کی ابتداء وہاں سے ہو رہی ہے جہاں تک ہزاروں لاکھوں سال کی تسبیح وتقدیس سے اور تنزیل وحی وغیرہ والی عبادات کے ذریعے حضرت جبرئیل پہنچے تھے تو آپ کے درجات ومراتب کی انتہاء کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ لہذا صرف اس ابتدائی مرحلہ میں نظر عقل اور نگاہ فکر کو محدود اور محصور نہیں رکھنا چاہیے۔ اگلے مراحل اور معارج ومدارج پر بھی نظر ہونی چاہیے اور یہیں سے روح متعلق البدن اور مجرد عن البدن کا فرق بھی واضح ہو جائے گا اور جب مجاہدات وریاضات اور بار بار کے شق صدر سے بدن اور روح میں اتحاد کامل ہو گیا اور روح وحقیقت کے ساتھ اتصال کامل کی بدولت بدن بھی سراسر نورانی ہو گیا تو جب جبرئیل امین سدرہ پر پہنچ کر محبوب کریم ﷺ کی رفاقت کو ترک کرنے لگے تو آپ نے آخری منزل تک رفاقت نبھانے اور مصاحب رہنے کی دعوت دیتے ہوئے (شیخ سعدی کے الفاظ میں) فرمایا:

بدو گفت سالار بیت الحرام کہ اے حامل وحی برتر خرام

چوں در دوستی مخلصم یافتی عنانم ز صحبت چرا تافتی

لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام کا چھ سو پروں کا مالک ہونے اور عظیم قوت وطاقت کا مالک ہونے کے باوجود جواب کیا تھا:

بگفتا فراتر مجالم نماند بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

حالانکہ کہاں سدرہ کی بلندی اور کہاں قاب قوسین او ادنیٰ کی رفعت۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

نیز فرماتے ہیں:

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں بلبل سدرہ تو ان کی بو سے بھی محرم نہیں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں ▪ خدا ہے جسکا مکاں نہیں

نبی کریم علیہ السلام کا فرمان حتی بلغ منی الجهد اور روح مجرد و روح متعلق بالبدن کا فرق:

حدیث پاک کے الفاظ کے شارحین نے دو معنے بیان فرمائے:

(۱) جبرئیل نے اتنا دبایا کہ اس کی قوت وطاقت انتہا کو پہنچ گئی

(۲) میری قوت انتہا کو پہنچ گئی

سوال یہ ہے کہ جب عالم ارواح کے لحاظ سے جبرئیل امین آپ ﷺ کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں جیسا کہ روایات میں ہے:

کان ذالک النور یسبح و تسبح الملائکة بتسبیحه (رواه القاضی عیاض فی الشفا) یعنی پہلے نبی کریم ﷺ کا نور اقدس تسبیح کرتا تھا اور ملائکہ اسکی تسبیح کی اتباع واقتداء میں تسبیح کیا کرتے تھے اور آپ نبی بھی تھے اور ملائکہ آپ کی امت میں داخل ہیں راجح اور مختار قول یہی ہے اور نبی قوائے ظاہرہ میں بھی امت سے منفرد اور ممتاز مقام کا مالک ہوتا ہے جیسے قوائے باطنیہ میں تو جبرئیل کے دبانے پر آپ کی قوت برداشت انتہاء کو کیسے پہنچ سکتی تھی؟ اس کے جواب

میں شراح حدیث اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ بدن عنصری اور جسم مادی میں ہوتے ہوئے آپ کی قوت برداشت اتنی ہی ہو سکتی تھی اس سے زیادہ دباؤ آپ کے لیے برداشت کرنا دشوار تھا۔

علامہ طیبی نے اور علامہ بدرالدین عینی نے پہلی صورت اختیار کی یعنی حضرت جبرئیل کی دبانے والی قوت اپنی انتہا کو پہنچ گئی لیکن سوال یہ ہے کہ چھ سو پروں والا جبرئیل جس نے طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لاکر کھڑا کردیا اور دھمکی دی کہ تورات قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کو تم پر گرا کر بے نام ونشان کردیا جائے گا، کما قال اللہ تعالیٰ و رفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوۃ، جس جبرئیل نے پر کے ایک کنارے پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آبادی والے قطعہ زمین کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا تھا اور ذرا بھر کلفت اور گرانی محسوس نہیں کی تھی ایک انسان اور بشر کو دباتے وقت اس کی قوت انتہاء کو کیسے پہنچ سکتی تھی؟ تو علامہ طیبی اور علامہ بدرالدین عینی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اب جبرئیل بشری حالت میں تھے اور اس حالت میں ہوتے ہوئے اس قدر ہی طاقت ظاہر کر سکتے تھے جب کہ پہلی دونوں حالتوں میں اپنی ملکی حالت پر تھے عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال الطیبی لاشك ان جبرئیل علیه السلام فی حالة الغط لم یکن علیٰ صورته الحقیقیه التی تجلّٰی بها عند سدرة المنتهٰی و عند مارآه مستویا علیٰ الکرسی فیکون استفراغ جهده بحسب صورته التی تجلی له و غطه واذا صحت الروایة اضمحل الاستبعاد۔ (عمدۃ القاری جلد اول ص ۵۷)

اجاب الطیبی بان جبرئیل فی حالة الغط لم یکن علیٰ صورته الحقیقیة التی تجلّٰی له بها عند سدرة المنتهٰی فیکون استفراغ جهده بحسب الصورة التی تجلی له بها و غطه و حینئذ فیضمحل الاستبعاد۔

(ارشاد الساری شرح البخاری للامام القسطلانی جلد اول ص ۸۹)

الغرض صرف وقتی طور پر بشری روپ اختیار کرنے پر اور مثالی بدن میں منتقل ہونے پر اگر جبرئیل کی قوت وطاقت میں اس قدر فرق پڑ سکتا ہے تو جہاں بشریت بھی حقیقی اور واقعی ہو اور اس کے ساتھ حلولی تعلق اور تدبیر وتربیت والا اور کھانے کھلانے اور پینے پلانے والا تعلق بھی ہو تو اس وقت اس قدر تفاوت کیوں کر موجود و متحقق نہیں ہو سکے گا؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی کے موقع پر بشری حالت میں کیوں ڈھلے!

چھ ماہ تک رؤیائے صادقہ اور احلام واقعیہ کے ذریعے جب عالم بالا کے ساتھ قدرے مناسبت پیدا ہو گئی اور وحی قرآنی کے تحمل کی استعداد پیدا ہو گئی تو جبریل امین علیہ السلام سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے ساتھ بشری حالت میں آپ پر نازل ہوئے کیونکہ اگر اصلی حالت میں ظاہر ہوتے تو آپ ﷺ کے قوائے بشریہ اس کے دیدار کے متحمل نہ ہو سکتے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر نورانی شکل میں بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ مرعوب ہو گئے اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئے اور لرزتے کانپتے اٹھے اور گھر تشریف لے گئے اور کہا دثرونی دثرونی "مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے کمبل اوڑھا دو"

اگر چھ سو پروں والی شکل کے ساتھ جن میں سے صرف دو پروں کے ساتھ وہ مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیتے تھے آپ ﷺ پر ابتدائی وحی کے ساتھ ظاہر ہوتے تو آپ ﷺ پر کیا اثرات مرتب ہوتے؟

لیکن بدن کے روح اقدس کی مانند لطیف تر اور نور محض بن جانے کے بعد یا بدن عنصری میں مقید اور محبوس ہونے سے قبل اگر آپ جبرئیل علیہ السلام کے سامنے اپنی حقیقت دکھلاتے تو جبرئیل امین علیہ السلام کا کیا حال ہوتا عارف رومی فرماتے ہیں:

احمد ار بکشاید آں پر جلیل تا ابد بیہوش ماند جبرئیل

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں: رحمۃ اللہ علیہ

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل

یعنی مجھے باری تعالیٰ کے ساتھ وصل کا اور خلوت میں مشاہدہ و دیدار کا ایسا وقت نصیب ہوتا ہے جس میں (بشریت کی مغلوبیت اور روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے) میرے دیدار کی تاب نہ کوئی مقرب فرشتہ لا سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل تاب دیدار رکھتا ہے۔

اور بعض روایات میں یوں وارد ہے:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی

اس مخصوص وقت میں جو میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل اور ملاقات کا ہوتا ہے اس میں میرے مشاہدہ اور دیدار کی رب تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی تاب نہیں لا سکتا۔

پہلی وحی کے بعد تعطل اور انقطاع کی حکمت!

پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک نزول وحی کا سلسلہ موقوف رہا اور آنحضرت ﷺ اس دوران بڑے مضطرب اور بے چین رہتے، جبرئیل کی ملاقات کے لیے بہت زیادہ مشتاق اور متمنی رہتے، زیادہ تاخیر کی صورت میں الم فراق نا قابل برداشت ہو جاتا اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرا دینے کا خیال باندھ لیتے تو جبرئیل نمودار ہو کر عرض کرتے: یا محمد انك رسول اللہ حقاً تم اللہ کے برحق رسول ہو۔ تو آپ ﷺ کے دل کو قرار آ جاتا اور اضطراب و بے قراری سکون و اطمینان میں بدل جاتی۔

اس فترت وحی اور التواء کی حکمت بیان کرتے ہوئے علماء کرام اور مقتدایان انام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن حجر شہاب مکی ہیتمی فرماتے ہیں:

صح عن الشعبی رضی اللہ عنہ انہ قال انزلت علیہ النبوۃ و ھو ابن اربعین سنۃ فقرن بنبوتہ اسرافیل علیہ السلام ثلاث سنین فکان یعلمہ الکلمۃ والشیئ ولم

ینزل علیه القرآن علیٰ لسانه فلما مضت ثلاث سنین قرن بنبوته جبرئیل علیه السلام فنزل علیه بالقرآن علیٰ لسانه عشرین سنة و حکمة الفترة ذهاب الروع الذی وجده ﷺ و مزید تهیجه الیٰ الاشتیاق للعود۔

(جواهر البحار جلد دوم ص ۷۸ و کذا فی فتح الباری شرح البخاری للامام ابن حجر العسقلانی جلد اول ص ۲۶)

"شعبی جو کہ عظیم تابعی ہیں ان سے صحیح طریق و سند کے ساتھ مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ پر نبوت نازل ہوئی تو تین سال تک آپ ﷺ کو نبوت ملنے پر حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کے مصاحب اور رفیق بنے رہے اور وہ کوئی ایک کلمہ یا کوئی ایک چیز آپ ﷺ کو سکھلاتے تھے۔ تین سال گزرنے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام کو آپ کا قرین اور مصاحب بنایا گیا تو بیس سال کے عرصہ میں ان کی زبان پر پورا قرآن نازل ہوا۔ اور اس انقطاع اور فترت وحی میں حکمت یہ تھی کہ جو رعب اور ہیبت وحی کی آپ پر ابتدا میں طاری ہوئی تھی وہ آپ سے مکمل طور پر دور ہو جائے اور دوبارہ نزول وحی کا شدید شوق اور غایت درجہ کی آرزو اور تمنا آپ کے دل میں پیدا ہو جائے"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے والد ماجد، حضرت مولانا نقی علی خان صاحب فرماتے ہیں:

وحی کا اترنا موقوف ہو گیا سرور عالم ﷺ اشتیاق وحی میں حد سے زیادہ بے قرار رہتے اور بزبان حال اس شعر کا مضمون ادا کرتے:

دیر است کہ دلدار پیامے نفرستاد   ننوشت کلامے و سلامے نفرستاد

(تا) جبرئیل امین حاضر ہوتے آپ کو تسلی دیتے گھبرایئے نہیں اللہ تعالیٰ نے روز اول سے آپ کو صاحب دولت کیا ہے بڑا رتبہ دیا ہے۔

مصطفٰی را ہجر چوں پرداختی خویش را از کوہ می انداختے
اورا بگفتے جبرئیلش ایں مکن کہ ترا بس دولت است از امر کن
(انوار جمال مصطفٰی جلد۲ ص ۱۱۳)

اقول:

عالمِ ارواح میں آپ ﷺ ان کے لیے نبی اور رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کے فیوضات جبرئیل اور اسرافیل اور دیگر ملائکہ تک بھی پہنچاتے تھے اور بدنِ اقدس میں روحِ اطہر کے حلول و سریان کے بعد عمر شریف کے چالیس سال گزرنے کے باوجود اس تدریج کی ضرورت ہے اور شوق و محبت میں اضافہ اور ترقی کی تاکہ جبرئیل کے ساتھ ربطِ کامل اور مناسب اتحاد و اتصال پیدا ہو سکے اور وحی کے اخذ اور تلقی میں کوئی دشواری باقی نہ رہے بلکہ بسہولتِ تام اسی سے آیاتِ کلامِ مجید اور احکامِ الٰہیہ موصول ہوتے رہیں۔ اس حکمت اور مصلحت سے بھی روح کے مرتبۂ تجرد اور تعلق کا فرق واضح ہو گیا اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ روحِ مجرد کے عالمِ ارواح میں ملائکہ اور ارواحِ انبیاء کے لیے بالفعل نبی اور رسول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن میں حلول و سریان اور تدبیر و تصرف والی مشغولیت کے بعد بھی آپ پیدا ہوتے ہی بالفعل اور عملی طور پر نبی اور رسول ہوں۔ بلکہ وہ اب آپ کے لیے رسول بنے ہوئے ہیں اور افاضہ اور افادہ میں واسطہ اور وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔ اور احکامِ نبوت کے حصول میں آپ حضرت جبرئیل کے انتظار میں رہتے ہیں لیکن تعلق کے باوجود تجرد حاصل ہونے اور حلول کے باوجود آزاد ہونے کے بعد کا معاملہ دوسرا ہے جیسے معراجِ مصطفٰی ﷺ اس فرق کا شاہدِ صادق ہے نبی مکرم ﷺ سدرہ سے آگے ساتھ دینے اور رفیقِ سفر بننے کا مطالبہ کرتے ہیں مگر وہ عرض کرتے ہیں:

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

(فائدہ)

اگر بچپن سے ہی آپ منصب نبوت پر فائز ہوتے اور تین دفعہ شق صدر بھی ہو چکا تھا تو چالیس سال کے طویل عرصہ تک وہ مرتبہ و مقام کیوں حاصل نہ ہوا جو ابتدائے وحی کے گیارہ سال بعد اور چوتھے شق صدر تقریباً اکیاون سال کی عمر میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جبکہ بدن سے تعلق اور حلول سے قبل ہزاروں لاکھوں سال آپ کو وصلِ باری تعالیٰ کا عظیم و جلیل مرتبہ حاصل رہا تھا جیسے کہ غوث کبیر حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ نے فرمایا: ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبیب مع الحبیب ولا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سقیت روحه الکریمة من الانوار القدسیة والمعارف الربانیة ما صارت به اصلا لکل ملتمس و مادة لکل مقتبس الخ

"یہ مخصوص معرفت نبی مکرم ﷺ کو اس وقت سے حاصل تھی جبکہ حبیب کریم ﷺ حبیب کبریاء جل وعلیٰ کے ساتھ تھے اور کوئی تیسری ذات ان کے ساتھ موجود نہیں تھی تو نبی کریم ﷺ اولین مخلوق ہیں اور اس اولیت میں کوئی شئی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور اس وصل اور تام ربط کی حالت میں آپ کی روح اقدس کو اس قدر انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ کے ساتھ سیراب کیا گیا کہ آپ ﷺ آنے والے اہل التماس اور طالبوں کے لیے اصل اور بنیاد قرار پائے اور اہل اقتباس کے لیے مبنیٰ اور اساس قرار پائے"

نزول وحی سے پہلے والے چالیس سال اور نزول وحی کے بعد والے گیارہ سال کا یہ عظیم تفاوت درجات اور تباین مدارج اس امر کی واضح دلیل اور بین برھان ہے کہ چالیس سال تک روح اور بدن کا درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا اور چالیس سال بعد وہ پردہ اور حجاب و حائل مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا حتیٰ کہ گیارہ سال کے قلیل عرصہ میں روح الامین علیہ السلام کا مکان اور مستقر آنحضور ﷺ کی رفعتوں کے مقابل گردِ راہ بن کر رہ گیا اور آپ نے عرشِ

اعظم سے بھی آگے ہزار ہا حجابات عظمت کو عبور کر کے لامکان کو اپنا مکان بنایا اور لامکانی ذات اقدس کا جلوۂ ذات سر کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا:

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

لہٰذا روح مجرد اور بدن سے حلولی تعلق رکھنے والی روح میں فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے اور دونوں کے درجات و مراتب اور صلاحیات اور استعدادات کا تفاوت مدنظر رکھنا واجب اور لازم ہے۔

کیا عالم ارواح والی نبوت عالم اجسام میں موثر اور موجب اصلاح تھی؟

ظاہر ہے کسی ہستی کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے طفیل اس علاقہ والوں کی عقائد و اعمال اور اخلاق و خصال کے لحاظ سے اصلاح ہو، فسادات و خرابیاں دور ہوں اور خیرات و حسنات اپنائی جائیں، اور دنیوی اور اخروی فوائد، فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ اگر اس نبی کو نہ کوئی دیکھ سکے اور نہ اس کی سنت و سیرت سامنے آ سکے، نہ اس کی تعلیم و تربیت کے اصول و ضوابط پتہ چل سکیں تو اس کی نبوت کا فائدہ و فیضان کیا ہوا؟ اور اس سے استفادہ و استفاضہ کی کیا صورت ہوگی؟ اور اس کو نبی بنانے کی غرض و غایت کیا ہوگی؟

لامحالہ اس امر کا اعتقاد و اذعان لازم ہے کہ قوم کا نبی قوم میں موجود ہونا ضروری ہے اور اس کو اپنے منصب کا دعویٰ بھی لازم اور ضروری ہے اور اس پر دلائل و شواہد بھی معجزات کی صورت میں پائے جانے ضروری ہیں۔ اسی لئے عالم ارواح میں باعث تخلیق کائنات کی جلوہ گری کے باوجود اور قول مختار کے مطابق بالفعل نبوت کے ساتھ اتصاف کے باوجود عالم اجسام اور عالم انسانیت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء و رسل تشریف لائے جن میں

مستقل ارباب شرع بھی تھے اور تابع مقتدی بھی۔ اور ہر ایک نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی شریعت یا اپنے متبوع کی شریعت کی تبلیغ بھی فرمائی اور زیادہ سے زیادہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے تشریف لانے کی خوشخبری سنادی اور علامات شخصیہ جسد اطہر کے لحاظ سے یا جائے ولادت یا مقام ہجرت کے لحاظ سے بیان فرمادیے۔ ہجرت یا سلطنت وحکومت کے خاص ظہور کا محل اور مکان بیان کردیا گیا اور ان کی دیگر انبیا علیہم السلام پر شان اور مرتبہ کے لحاظ سے بلندی اور برتری بیان کردی گئی، حتیٰ کہ لوگوں کو نبی مکرم ﷺ کی مکمل معرفت حاصل ہوگئی، کما قال تعالی:

یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ (البقرۃ:۱۴۶)

وہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو

اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی آپ کی عظمت خداداد ان پر اس طرح واضح ہوگئی کہ وہ مہمات ومشکلات میں اپنے پیغمبران کرام کے ساتھ توسل کی بجائے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے کما قال تعالیٰ:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (البقرۃ:۸۹)

اور آپ کی انتظار میں آنکھوں کو فرش راہ کیے ہوئے تھے، اور مدینہ شہر کی تعمیر ہی اسی وجہ سے ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک آپ کے امتی نہیں بنے تھے بلکہ پیغمبران کرام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔ اور ان کے ہی مخالف اور کتب منزلہ کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔ اور عمل پیرا تھے۔ اگرچہ ان میں بڑے احبار اور رہبان موجود تھے جو علم ودانش اور تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔

لہذا اس صورت حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماننا پڑیگا کہ آپ عالم اجسام کے لیے اس دوران نبی نہیں تھے، ورنہ جس طرح آپ کی ولادت پاک کے بعد اور اعلان نبوت کی صورت میں تمام جسمانی حیات کے ساتھ زندہ موجود انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتیں بھی اختتام پذیر

ہوگئیں اور شریعتیں بھی منسوخ، خواہ وہ زمین میں موجود تھے جیسے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام یا آسمانوں میں جیسے کہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ چہ جائیکہ فوت شدہ حضرات کی نبوتیں اور شریعتیں اختتام پذیر نہ ہوتیں۔ بلکہ اگر آپ ﷺ کی نبوت اس عالم میں موثر ہوتی تو کسی نبی کو اپنی نبوت کا دعویٰ کرنے کی جراءت ہی نہ ہوتی۔ جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر اور ثابت حقیقت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے، حکومت کریں گے، لیکن اپنی کتاب انجیل اور عیسوی شریعت پر نہ عمل کریں گے نہ کرائیں گے بلکہ صرف اور صرف قرآنی تعلیمات اور شریعت محمدیہ کے مطابق خود بھی عمل پیرا ہوں گے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کے پابند اور مکلف ٹھہرائیں گے۔ جبکہ اسی زمین پر اپنے نبوت کے دورانیہ میں اپنی کتاب اور شریعت کے مطابق عمل کرتے بھی رہے تھے اور کراتے بھی رہے تھے، لیکن وہی عیسیٰ روح اللہ اب اس عمل کو دہرا نہیں سکیں گے۔

تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپ ﷺ کا عالم ارواح کی نبوت کا، معاملہ الگ ہے اور عالم اجسام کا معاملہ الگ ہے اور وہ نبوت یہاں مؤثر نہیں تھی۔ بلکہ وہاں بھی عام انسانوں کی ارواح کے لیے ثابت نہیں تھی، اسی لیے ان سے الست بربکم کے سوال پر اور بلیٰ کے جواب پر اکتفا کیا گیا۔

آپ کے وہاں بالفعل نبی ہوتے ہوئے یہاں دوسرے انبیاء و رسل اپنی نبوتوں اور رسالتوں کے دعوے بھی کر رہے تھے، معجزات کے ذریعے منوا بھی رہے تھے اور اپنی اپنی شریعتوں پر عمل کر بھی رہے تھے اور عمل کرا بھی رہے تھے۔ اور دو چار کی تعداد میں نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چالیس ہزار کی تعداد میں اور ان کی اتباع و اقتداء کی بدولت امتی لوگ ولایت اور محدثیت کے اعلیٰ مقامات پر فائز بھی ہو رہے تھے۔ اور عظیم روحانی تصرفات بھی ظاہر فرما رہے تھے مگر اب اگر سابقہ مذاہب پر قائم رہیں، اور نبی آخر الزمان ﷺ کے حلقہ

غلامی میں داخل نہ ہوں تو ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو جائیں بلکہ ان کے مقتدا اور پیشوا انبیاء علیہم السلام بھی دنیا پر ظہور کی صورت میں اس محبوب کی اطاعت واتباع کے پابند ہوں گے اور حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کے مکلف ہوں گے اور سرتابی کی صورت میں انکا دامن بھی رشد وہدایت سے خالی ہو کر رہ جائے گا، اور ضلالت وغوایت سے بھرپور ہو جائے گا کما قال ﷺ:

لو بدالکم موسی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل۔ لو کان موسیٰ حیالما وسعہ الا اتباعی (مشکوۃ شریف)

"اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ظاہر ہوں اور تم انکی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے"

"اگر موسیٰ علیہ السلام ظاہری جسمانی حیات کے ساتھ دنیا میں موجود ہوتے تو انہیں میری اتباع واطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا"

موسیٰ کلیم علیہ السلام جن کی کتاب اور شریعت کی تعلیم دینے کے لیے ہزاروں تابع نبی اللہ تعالیٰ نے بھیجے اگر وہ اپنی شریعت پر قائم بھی نہ رہ سکیں چہ جائیکہ اس کا پرچار کریں تو دوسرے انبیاء کرام کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جائے گا۔ اور سینکڑوں، ہزاروں انبیاء کی گنجائش کجا ایک کیلئے بھی ایسی گنجائش ناممکن ہے۔

الحاصل اگر ہزاروں سال عالم اجسام میں آپ ﷺ کی نبوت کا براہِ راست مؤثر نہ ہونا آپ کے خداداد مرتبہ ومقام میں نقص اور کمی کا موجب نہیں ہے تو جسم اقدس کی تکمیل تک اور عادت جاریہ اور سنت الٰہیہ کے معیار تک رسائی تک اگر وہ نبوت مؤثر نہ ہو تو پھر بھی یہ امر آپ کی قدر ومنزلت اور رفعت درجت میں تفریط وتنقیص کا موجب اور علت نہیں بن سکتا، ھذا ماعندی واللہ ورسولہ اعلم۔

الغرض عالم عناصر میں عنصری اور مادی جسمانی حالت میں ظاہر ہونے پر یہ نبوت

صرف زمین میں نہیں بلکہ آسمانوں میں بھی موثر ہوگئی، لیکن عالم ارواح میں ہزاروں سال تک یہ نبوت حاصل ہوتے ہوئے زمین میں سرے سے ایک لحہ کے لیے موثر نہ ہوسکی، تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دورانیہ میں عالم عناصر واجسام کے براہ راست نبی نہیں تھے۔ نیز وہ نبوت اور تھی جو صرف ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام تک محدود رہی اور اس عالم عناصر میں ظہور کے بعد والی نبوت اور تھی جو سب مکانوں کو بھی اور مکینوں کو بھی محیط ہوگئی والحمد لله على ذالك۔

دو نبوتیں اور دو رسالتیں!

جن حضرات نے ارشادِ نبوی کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کو ظاہری معنیٰ پر محمول کیا ہے اور آپ کے لیے عالم ارواح میں بالفعل اور عملی نبوت تسلیم کی ہے اور ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے فیض رسان اور مربی ہونا تسلیم کیا ہے انہوں نے آپ کے لیے دو نبوتیں اور دو رسالتیں تسلیم کی ہیں پہلی عالم ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالم اجسام اور ابدان کے اعتبار سے۔

حضرت العلامہ الامام الشیخ سلیمان الجمل، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک (الداعی) کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اسم مبارک یا "دعا" سے ماخوذ ہے تو اس وقت اس کا معنیٰ اور مفہوم یہ ہوگا کہ آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرنے والے اور تضرع اور زاری کرنیوالے ہیں اگر دعوۃ سے ماخوذ ہے تو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا:

انه داع للخلق ليعبلوا على الله تعالىٰ و على توحيده و عبادته و قد دعا صلی اللہ علیہ وسلم الخليقة فى عالم الارواح والذر فدعت روحه الشريفة جميع الارواح ودلتها على الله و علىٰ توحيده و عرفتها بربها و دعت ذرته الشريفة جميع الذرات و ارشدتها و عرفتها بربها۔ ودعا الخليقة ايضافى عالم الاجساد بعد ان ظهر جسدا انسانيا آدميا فدعا الانس

والجن و عرفهم بربهم فقد انذر الخلیقة جمیعا آمن الکل به فی الاولیة والآخریة

کہ وہ مخلوق کو دعوت دینے والے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالی اور اس کی توحید اور عبادات کی طرف مائل اور راغب ہوں۔ اور آپ نے اس اسم مبارک کا حق ادا کرتے ہوئے اور تقاضا پورا کرتے ہوئے عالم ارواح اور عالم ذر میں مخلوق کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کی روح اقدس نے تمام ارواح کو دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید کی طرف رہنمائی فرمائی اور انہیں اپنے رب تعالیٰ کی پہچان کرائی اور آپ کے جسم اقدس مادہ اور جوہر نے (جو پشت آدم علیہ السلام سے برآمد کیا گیا تھا) دیگر تمام اجسام کے مواد کو (جن سے ان کی ارواح متعلق تھیں) دعوت دی انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف رہنمائی فرمائی اور اس کی پہچان کروائی اور آپ نے عالم اجساد میں نمودار ہونے پر بھی مخلوقات کو دعوت دی جبکہ آپ ﷺ خود آدمیت وانسانیت والے جسم کی حالت میں ظہور فرما ہوئے تو آپ نے اس حال میں انسانوں اور جنوں کو دعوت دی اور عذاب خداوندی سے ڈرایا اور تمام تر مخلوق کو ابتداء میں بھی اور آخر میں بھی آپ کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا

(الیٰ ان قال): انه نبی فی عالم الارواح والنور وارسل الیها بالفعل و دعاها ودلها ثم نبئی و ارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغه اربعین سنة من عمره فامتاز عن الانبیاء والرسل بانه نبئی مرتین و ارسل مرتین الاولیٰ فی عالم الارواح للارواح و ثانیة فی عالم الاجساد للاجساد فقد دعا ﷺ و دلّ علیٰ الله تعالیٰ فی کل من العالمین کما تقدم والاشارة الیٰ ذالك بقوله تعالیٰ وما ارسلنٰك الا کافة للناس والانبیاء والرسل وجمیع اممهم و جمیع المتقدمین والمتاخرین داخلون فی کافة الناس و کان هو داعیا بالاصالة و جمیع الانبیاء والرسل یدعون الخلق الی الحق عن تبعیته و کانوا خلفائه و نوابه فی الدعوة۔

(بحوالہ جواہر البحار للنبہانی جلد ثانی)

(درمیان میں امام سبکی کا کلام بطور تائید ذکر کرنے کے بعد کہا)

''بیشک نبی مکرم ﷺ کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی اور رسول بنایا گیا اور آپ نے ان کو دعوت دی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔ پھر آپ کو دوبارہ نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد تو آپ کو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام سے اس طرح امتیاز اور انفرادیت حاصل ہوگئی کہ آپ کو دو مرتبہ نبی بنایا گیا اور دو مرتبہ رسول بنایا گیا پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کے لیے۔ تو آنحضرت ﷺ داعی ہیں کیونکہ آپ نے دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وما ارسلناك الا كافة للناس بشيراً و نذيراً﴾ میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے اور انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی تمام امتیں اور تمام متقدمین اور متاخرین کافۃ الناس میں داخل ہیں۔ نبی مکرم ﷺ اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی و رسول ہونے کے لحاظ سے دعوت دینے والے تھے اور دوسرے انبیاء اور رسل علیہم السلام حق کی طرف مخلوق کو دعوت دیتے تھے۔ تو آپ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اور آپ کی اتباع میں اس لیے الداعی کا لقب صرف اور صرف آپ کے ہی شایان شان ہے''

فائدہ:

علامہ سلیمان جمل نے بھی دوسری جسمانی نبوت چالیس سال کی عمر میں تسلیم فرمائی اور پہلی روحانی نبوت کو بھی دائم اور باقی اور مستمر تسلیم کیا ہے اس کے سلب ہو جانے کا شائبہ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا بلکہ روح مجرد اور روح کے بدن میں حلول اور عالم اجسام کی طرف نزول کا فرق واضح کیا ہے کہ روح اقدس کی ارواح کے لیے نبوت الگ معاملہ ہے اور بدن اقدس سے تعلق حلولی کے بعد ابدان و اجسام انسانیہ کے لیے نبی و رسول ہونے کا معاملہ جداگانہ ہے۔

عالمِ ارواح میں نبوت کب حاصل ہوئی؟ اس کے مراتب و مراحل کا بیان!

جن حضرات نے ارشادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد، اور اس مضمون کی دیگر احادیث اور روایات کو بالفعل نبوت حاصل ہونے پر محمول کیا ہے تو ان میں سے بعض حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسمِ اقدس کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے آپ کی روح اقدس کو اس اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف ٹھہرایا گیا چنانچہ سید احمد عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لیس المعنیٰ انه کان نبیا فی علم الله تعالیٰ کما قیل لانه لا یختص به بل ان الله خلق روحه قبل سائر الارواح و خلع علیها خلعة التشریف بالنبوة ای ثبت لها ذالك الوصف دون غیرها فی عالم الارواح اعلاما للملأ الأعلیٰ به (الیٰ) و هذا هو المراد بقوله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله خلق نوری قبل أن یخلق آدم علیه السلام بأربعة عشر ألف عام کما رواه ابن القطان و فی روایة یسبح ذالك النور و تسبح الملائکة بتسبیحه و هذا یؤید أنه صلی اللہ علیہ وسلم مرسل للملائکة کغیرهم فهذا صریح فی أنه صلی اللہ علیہ وسلم ظهرت نبوته فی الوجود العینی قبل نبوة آدم وغیره و ان الملائکة لم تعرف نبیاً قبله

(بحوالہ جواھر البحار جلد سوم ص ۳۵۷)

"ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا الحدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ علمِ الٰہی میں نبی ہونا کوئی آپ کی خصوصیت نہیں (تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے نبی ہیں جبکہ یہاں آپ اپنی خصوصیات بیان فرما رہے ہیں) بلکہ اس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح اقدس کو دیگر تمام ارواح سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو نبوت والی خلعت کے ساتھ مشرف فرمایا یعنی آپ کو یہ وصف حاصل ہوا بخلاف دیگر ارواح کے۔ ملاء اعلیٰ اور عالم بالا کے باسیوں کو آپ کے اس اعزاز و امتیاز سے آگاہ

کرنے کے لیے (تا) اور یہی مراد ہے نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد سے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا جیسے کہ ابن قطان محدث نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کا نورِ اقدس تسبیح کہتا تھا اور ملائکہ اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کہتے تھے یعنی بطورِ اتباع اور اقتداء اور یہ روایت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت آدم علیہ السلام اور دیگر حضرات کی نبوت سے قبل اپنے عینی اور خارجی وجود کے ساتھ ظاہر اور متحقق ہو چکی تھی اور ملائکہ کی معلومات کے مطابق آپ سے پہلے کوئی دوسرا نبی نہیں تھا"

هذا ما يدل عليه ظاهر بعض الاحاديث من ان نبوته كانت بعد خلق جسد آدم (ص ۳۵۸)

"اور بعض احادیث کا ظاہری معنیٰ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی نبوت آدم علیہ السلام کے جسم کی تخلیق کے بعد پائی گئی"

لیکن علامہ شیخ ابراہیم کورانی اپنے شیخ عارف قشاشی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ان نبوته صلى الله عليه وسلم كانت سابقة على خلق اللوح والقلم وما بعدهما

"محبوب کریم ﷺ کی نبوت لوح و قلم اور بعد والی اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے متحقق اور ثابت تھی"

علامہ محقق شیخ احمد بن محمد بن ناصر سلاوی فرماتے ہیں:

فالظاهر ان بين ظرف زمان اى فى زمان كان بين خلق روحه و جسده فيفيد ظهور نبوته بعد خلق روحه و قبل خلق جسده اى انه نباه الله تعالىٰ فى عالم الارواح واطلع الارواح علىٰ ذالك وامرها بمعرفة نبوته و الاقرار بها

(جلد چہارم ص ۲۱۰)

"(فرمانِ نبوی ﷺ کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد کے بارے میں) یقینی امر یہ ہے کہ بین کا لفظ ظرف زمان ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ میں نبی تھا اس زمانہ میں جو کہ آدم علیہ السلام کی روح اور ان کے جسم کے درمیان تھا تو اس کا مفاد اور مدلول یہ ہوگا کہ آپ کی نبوت آدم علیہ السلام کی روح پیدا ہونے کے بعد اور جسم پیدا ہونے سے پہلے ظاہر ہو چکی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو عالم ارواح میں نبی بنا دیا تھا اور ارواح کو اس حقیقت سے مطلع بھی فرما دیا تھا اور ان کو آپ کی نبوت اور معرفت اور اس کے اقرار واعتراف کا مامور اور مکلف بھی ٹھہرا دیا تھا"

وبالجملة فحقيقته سابقة علىٰ خلق آدم فيستفاد ان نبوته مقدرة في العلم اولاً اى تعلق علم الله تعالىٰ بانه يصير نبياً و هذا المرتبة الاولىٰ ثم خلق نوره و هذا المرتبة الثانية ثم كتبه في ام الكتاب و هذه هي المرتبة الثالثة والنبوة الثانية ثم اظهره للملائكة وهذه المرتبة الرابعة والنبوة الثالثة ثم اظهر للوجود و هذه المرتبة الخامسة والنبوة الرابعة فقد علم اتصاف حقيقته ﷺ بالاوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الالٰهية من اول الامر قبل خلق كل شئى و انما تأخرا تصافه بالاوصاف الوجودية العينية لجسده لما وجد في الدنيا۔

(بحوالہ جواهر البحار جلد چہارم ص ۲۱۱)

"خلاصہ یہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ کی حقیقت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقدم ہے تو اس سے مستفاد (یہ ہوا کہ آپ کی تخلیق اور حصول نبوت کے کئی مراتب اور مراحل ہیں) کہ پہلے پہل آپ ﷺ کی نبوت علم الٰہی میں مقدر تھی یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آپ نبی بنیں گے یہ پہلا مرتبہ ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا کیا یہ دوسرا مرتبہ ہوا۔ پھر لوح محفوظ (کو پیدا فرما کر) اس میں آپ کی شان ثبت فرمائی یہ تیسرا مرتبہ و مرحلہ ہوا (از روئے تخلیق) اور دوسرا مرتبہ ہوا نبوت کا۔ پھر ملائکہ (کو پیدا فرما کر ان) پر اس امر کا اظہار فرمایا یہ چوتھا مرتبہ ہوا (از روئے تخلیق

)اور نبوت کا تیسرا مرتبہ ہوا۔ پھر بالفعل آپ کو موجود فرمایا اور موجودات پر ظاہر فرمایا تو یہ پانچواں مرتبہ ہوا (از روئے تخلیق) اور چوتھا مرتبہ ہوا نبوت کا۔ تو معلوم ہو گیا آپ کی حقیقتِ مقدسہ کا اوصافِ شریفہ کمالیہ کے ساتھ موصوف و متصف ہونا جو آپ پر بارگاہِ الوہیت کی طرف سے فیضان کیے گئے تھے اول امر سے ہی ہے جب کہ کوئی شے تخلیق نہیں کی گئی تھی اگر التواء اور تاخیر پائی گئی تھی تو صرف اور صرف دنیا میں موجود ہونے پر آپ کے جسدِ اطہر کے اوصافِ وجودیہ خارجیہ محسوسہ کے ساتھ اتصاف میں"

شیخ جلیل نور الدین علی بن زین الدین الشہیر بابن الجزار ارشاد فرماتے ہیں:

والمراد انه کان نبیا بالفعل فانه تعالیٰ لما اطلع علیٰ عالم الارواح فی عالم الذر و قال لهم ألست بربکم فاول من قال بلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوهبه مواهب شریفة تلیق بذاته وأرسل روحه الیٰ أرواح الأنبیاء فآمنوا بها وسبب ذالك بانه لو قیل انه کان نبیا فی علم الله تعالیٰ و آدم بین الماء والطین لم یکن فی التنصیص علی قوله کنت نبیا الحدیث عظیم فائدة انهم مستوون معه فی ذالك فتعین تقریره علیٰ ما ذکرنا۔ (جواہر البحار جلد سوم ص ۸۹)

"اس حدیث کا معنیٰ مرادی یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ذر اور نسمات آدم پر عالم ارواح میں تجلی فرمائی اور ان سے دریافت کیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے پہلے جس نے بلیٰ (ہاں کیوں نہیں) کہا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کو عظیم اور بزرگ تحفے اور ہدایا عطا فرما دیے جو ان کی ذات والا صفات کے شایانِ شان تھے اور آپ کی روح کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے لیے نبی اور رسول بنا دیا تو وہ سب آپ پر ایمان لے آئے اور اس معنیٰ پر اس حدیث شریف کو محمول کرنے کا سبب باعث یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور

کیچڑ کے درمیان تھے تو آپ کے اس وقت میں نبی ہونے کی تخصیص اور تصریح کا کوئی عظیم فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ سبھی انبیاء علیہم السلام علم الٰہی میں نبی ہونے کے اعتبار سے آپ کے ساتھ مساوی اور ہم پلہ تھے لہٰذا اس حدیث کی یہی تشریح اور تفسیر متعین ہوگئی جو ہم نے ذکر کی ہے''

تنبیہ: اقول:

اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوح و قلم کی تخلیق سے قبل یا ملائکہ اور ارواح انبیا علیہم السلام کی تخلیق سے قبل بالفعل نبی ہوں تو پھر آدم بین الماء والطین اور آدم بین الروح والجسد کی تخصیص اور تعیین کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ راجح اور مختار قول یہی ہوگا کہ نور تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر چیز سے پہلے پیدا کیا گیا لیکن بالفعل نبوت و رسالت اس وقت عطا کی گئی جب ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام پیدا کر دیے گئے اگرچہ آدم علیہ السلام کا جسم ابھی پیدا نہیں کیا گیا تھا یا جسم اقدس پیدا کر کے جب اس میں سے اولاد کے نسمات اور ذرات کو نکالا گیا اور ان کی روحوں کا ان کے ساتھ تعلق قائم کر کے اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرمایا ھذا واللہ و رسولہ اعلم

کیونکہ لوح و قلم کو ملائکہ کی تخلیق سے ہزاروں سال (پچاس ہزار سال براویتے) پہلے پیدا کیا گیا اور اس سے پہلے ہزاروں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس اور جوہر روح اور حقیقتِ محمدیہ کی تخلیق ہوئی اور ملائکہ کی تخلیق کے ہزاروں سال بعد آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر ظاہر فرمایا تو اس طرح لاکھوں سال کا عرصہ آدم علیہ السلام کے جسم بلکہ روح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اقدس کی تخلیق کے درمیان گزرا تو پھر آدم بین الماء والطین اور آدم بین الروح والجسد کے ساتھ آپ کی نبوت کی تعیین اور تخصیص کا مقصد یا فائدہ نظر نہیں آتا بلکہ نقصان یہ نظر آتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ کی نبوت کے انتفاء اور انقطاع کا وہم اور مغالطہ پیدا ہوگا بلکہ کتنے اکابر سے اس کی تصریح و تخصیص بھی منقول ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی تخلیق کے بعد آپ کو بالفعل نبوت و رسالت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا بلکہ بعض حضرات نے آدم علیہ السلام

کے جسم کی تخلیق اور اس سے نسمات اور ذرات کی تخریج کے بعد آپ کا بالفعل نبی اور رسول ہونا تسلیم کیا ہے، ابھی ابھی دونوں تصریحات نظر نواز ہو چکی ہیں گویا صرف وہم اور مغالطہ کا امکان ہی ثابت نہ ہوگا بلکہ اس کا وقوع اور تحقق بھی ہو چکا۔ فتامل حق التامل

فائدہ:

اگر اتنا طویل ترین عرصہ آپ کے نورِ اقدس اور جوہر حقیقت کا وجود بالفعل نبوت کے حصول سے قبل تسلیم کرنا درست ہے اور اس میں نہ بے ادبی اور گستاخی ہے نہ اس کا شائبہ ہے تو بدنِ اقدس کی تخلیق کے ساتھ ہی آپ میں بالفعل نبوت ماننا کیونکر لازم اور ضروری ہے اور اس کو تسلیم نہ کرنا سراسر بے ادبی و توہین اور گستاخی کیوں ہے؟ جب کہ روح اور حقیقت سراسر نور تھی اس میں نورِ مطلق جل وعلیٰ سے استفادہ اور استفاضہ کی صلاحیت اور استعداد اعلیٰ طریق پر موجود تھی اور لباسِ بشری میں جلوہ گری پر وہ اعلیٰ صلاحیت برقرار نہیں رہ سکتی تھی بلکہ روح و بدن اور حقیقتِ نوریہ اور جسمِ مادی میں باہم تناسب اور توافق پیدا ہونے کے لیے اور روح اقدس کی طرح بدنِ اقدس کے استفادہ و استفاضہ کی صلاحیتِ کاملہ اور استعدادِ تام حاصل کرنے کے لیے مناسب وقت درکار تھا جیسے کہ قانونِ قدرت، آئینِ فطرت اور عالمِ اسباب کا تقاضا ہے۔

حضرت علامہ نبہانی جواہر البحار میں، امام کبیر عارف شہیر قطب عالم سید ابو العباس التیجانی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

الحقيقة المحمدية لم تزل مشحونة من جميع هذه المعارف والعلوم والاسرار من اول الكون من حيث انه اول موجود اوجده قبل وجود كل شيء و فطره على هذه العلوم والمعارف والاسرار و لم يزل مشحونة بها الى ان كان زمن وجود جسده الكريم صلى الله عليه وسلم فضرب الحجاب بينها و بين علمه بها الى ان كان زمن النبوة فرفع الحجاب و اعلمه على ما اودعه فى حقيقته المحمدية (الى) حتى اذا بلغ مرتبة

النبوة رفع الحجاب بین علمه و بین ما كان مودعاًفی حقیقته المحمدیة من العلوم والمعارف والاسرار و یدل علیٰ هذا الذی ذکرنا قولهﷺ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین و حیث کان فی ذالك نبیا یستحیل ان یجهل الرسالة والنبوة والکتاب مطالبات الجمیع وما یول الیه کل منها وما یراد من جمیعها فالحدیث شاهد علیٰ ما ذکرنا۔ (جواہر البحار جلد ثالث ص ۵۲، ۵۳)

"حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام ابتدائے تخلیق سے ہی تمام معارف اور علوم واسرار سے معمور اور بھرپور تھی کیونکہ وہ پہلی موجود چیز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر شے اور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو انہی علوم و معارف اور اسرار پر فطری طور پر مطلع فرمایا اور ان علوم و معارف سے ہمیشہ وہ حقیقتِ مقدسہ معمور رہی یہاں تک کہ اس کے جسدِ اطہر کے موجود ہونے کا زمانہ آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان علوم و معارف کا اور آپ کے ان کے عرفان وادراک کے درمیان حجاب اور پردہ قائم کیا یہاں تک کہ آپ کا زمانہ نبوت آپہنچا تو اس حجاب کو اٹھا دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم و معارف اور اسرار پر مطلع فرمایا جو آپ کی حقیقت اور روحِ اقدس میں ودیعت فرمائے تھے (تا) حتی کہ جب آپ کو منصبِ نبوت تک رسائی حاصل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم و ادراک اور آپ کی حقیقت میں ودیعت کیے ہوئے علوم و معارف اور اسرار کا درمیانی حجاب اٹھا دیا اور ہمارے اس قول کی دلیل نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطین، میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے۔ کیونکہ جب اس وقت نبی تھے تو یہ محال امر ہے کہ نبی ہونے کے باوجود رسالت و نبوت اور کتاب سے بے خبر ہوں اور ان کے مطالب اور تقاضوں سے آگاہ نہ ہوں اور نہ ان کے نتائج اور مقاصد سے باخبر ہوں لہٰذا یہ حدیث ہمارے دعویٰ کی اہم دلیل اور ہمارے اس قول پر شاہد صادق ہے۔"

ولادت پاک کے فوراً بعد کیوں نہ نبوت ورسالت عطا کی گئی!

یہی امام کبیر اور عارف شہیر اور قطب وقت ابوالعباس تیجانی فرماتے ہیں:

ینبغی اعتراض علی ما ذکرنا و هوان یقال اذا صح ما ذکر تم و کان هذا السرهو المانع من ظهور ما فی حقیقته المحمدیة قبل النبوة فلم لا یکون رسولا ولا نبیا من اول نشاته عند ما فی حقیقته المحمدیة کما کان حال الغیب قبل وجود جسده الکریم فالجواب عن هذا الاعتراض ان منع الله له من الرسالة والنبوة قبل بلوغه اربعین سنة ان النبوة والرسالة لا تکون الا عن تجلی الٰهی و لو وضع اقل قلیل منه علیٰ جمیع ما فی کورة العالم لذابت کلها لثقل اعباه و سطوة سلطانه فلا تقدر الانبیا ء علیٰ تحمل اعبائه والثبوت لسطوة سلطانه الا بعد بلوغهم اربعین سنة واما قبل بلوغ الاربعین سنة فلا قدرة لاحد علیٰ تحمل اعباء ذالك التجلی لما فطرت علیه البشریة من شدة الضعف حتی اذا بلغ الانسان اربعین سنة و کان فی علم الله نبیاًاو رسولاًافاض علیٰ روحه من قوة الٰهیة ما یقدر به علیٰ تحمل اعباء ذالك التجلی فلهذا السر لم یعبأ احد الا بعد اربعین سنة و هذا هو المانع له من النبوة قبل ذالك ﷺ ولغیره من النبیین علیهم السلام۔ و اما سیدنا عیسیٰ علیه الصلوٰة و السلام کونه نبیا قبل الاربعین فالجواب لم یکن بشریا محضا انما کان نصفین نصف بشری و نصف روحانی اذ نشا من نفخة الروح الامین فی امه فقوی فیه ضعف البشریة وزاد بذالك قوة علیٰ النبیین فلذالك بعث قبل الاربعین للقوة التی اعطیها من نفخ الروح الامین فی امه۔ (بحوالہ جواہر البحار للعلامۃ النبھانی جلد سوم ص ۵۴،۵۵)

''یعنی ہم نے جو (آپ کے زمانہ نبوت تک علوم ومعارف پر حجاب طاری ہونے کا سبب بیان کیا ہے کہ اگر آغاز ولادت سے ہی آپ ان اسرار ورموز اور علوم ومعارف کے بارے

میں بتلاتے اور عالم ارواح میں نبی ہونے کا انکشاف کرتے تو چالیس سال بعد والے اعلان نبوت ورسالت کے متعلق لوگ شکوک وشبہات اور غلط توہمات وتخیلات کا شکار ہوتے ہوئے کہہ دیتے کہ یہ تو مدت سے ایسی باتیں کر رہے ہیں کسی دوسرے شخص سے انہوں نے یہ باتیں سیکھی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان احوال اور کیفیات اور اسرار ورموز اور علوم ومعارف کو مستور فرما دیا تا کہ آپ کی زبان پر زمانہ نبوت سے قبل ان کا ذکر ہی نہ آنے پائے اور لوگوں کو صرف اور صرف آپ کا امی ہونا اور علوم ظاہرہ سے بظاہر خالی ہونا نظر آئے اور اہل کتاب سے ایسے علوم کا حصول اور آپ کا ان کے قریب تک نہ جانا اور اجتناب معلوم ہو اور انہیں آپ کے متعلق ہر طرح کے اکتساب علوم اور تعلیم وتعلم سے دوری کا یقین ہو جائے تو پھر جب آپ ان پر اپنی نبوت اور رسالت کے بارے میں کلام کریں اور انکشاف فرمائیں تو، یعلمون ان ذالك حق لکونه صدر ذالك عن امی لا یعلم شیئا ولم یکن تعلم ذالك ولا ابوہ و هذا سر الاحتجاب و شاهد هذا قوله تعالیٰ وما کنت تتلو من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینك اذا لارتاب المبطلون ۔ تو مخاطبین اور مدعوین کو آپ کے دعویٰ کے برحق ہونے کا علم الیقین ہو جائے کیونکہ وہ امی کی ذات سے صادر ہونے والا ہے جو قبل ازیں ایسے علوم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اس قسم کے علوم کسی سے حاصل کیے اور نہ ہی نبوت تھی کہ صاحب نبوت سے استفادہ کر کے یہ بھی مدعی نبوت بن جاتے تو یہ ہے ان علوم واسرار کے حجاب وپردہ میں چلے جانے کی حکمت اور راز اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاہد صادق ہے، کہ تم قبل ازیں نہ کوئی کتاب تلاوت کرتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے ہی تھے ورنہ باطل عقائد والے ریب اور تردد کا شکار ہو جاتے ۔) تو اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے جس کا جواب دینا ہماری ذمہ داری بنتا ہے کہ جو راز اور بھید اور سبب حجاب اور مانع کے طاری ہونے کا تم نے بیان کیا ہے کہ حقیقت محمدیہ میں مکنوز اور مستور معارف اور علوم اور اسرار ورموز کو اس وجہ سے ظاہر نہیں کیا گیا تو اس کا تدارک اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ

آپ کو آغازِ ولادت سے ہی منصبِ نبوت ورسالت پر فائز کر دیا جاتا تاکہ ان امور میں سے کوئی آپ سے مخفی اور پوشیدہ نہ رکھنا پڑتا جیسے کہ عالم غیب میں ہوتے ہوئے اور لباس بشری میں ملبوس ہونے سے قبل آپ کی حالت وکیفیت تھی۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے آپ کو نبوت ورسالت سے دور رکھا کیونکہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی کے بعد حاصل ہوتی ہے جس کا اقل قلیل حصہ بھی اگر ہمارے جہان اور آبادی پر رکھا جائے تو وہ اس کے بوجھ اور ثقل اور غلبہ رعب وشکوہ کی وجہ سے پگھل جائے لہذا پیغمبران کرام بھی نبوت کا بارِ گراں اور اس کے رعب وشکوہ کے غلبہ کے متحمل ہونے اور اس کے آگے ثابت قدم رہنے کی ہمت وطاقت چالیس سال کی عمر سے پہلے نہیں رکھتے اور چالیس سال کی عمر تک رسائی سے پہلے کسی میں بھی اس تجلی کے برداشت کرنے کی سکت اور استطاعت نہیں ہوسکتی کیونکہ بشریت میں فطری اور پیدائشی طور پر شدید ضعف اور ناتوانی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب انسان چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور علم الٰہی کے مطابق اس کا نبی ورسول ہونا مقدر ہو چکا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی روح پر قوتِ الٰہیہ میں سے افاضہ فرماتا ہے جس کی بدولت وہ اس تجلی کے بارِ گراں کو برداشت کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ اور سبب خاص ہے جس کے تحت ہر پیغمبر کو منصبِ نبوت چالیس سال کے بعد ہی عطا کیا گیا اور آپ کے لیے بھی اور دوسرے انبیاء کے لیے بھی چالیس سال سے قبل اس عظیم منصب پر فائز ہونے سے یہی امر مانع ہے علیہم الصلوات والتسلیم۔

رہا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی بن جانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض بشر نہ تھے وہ نصف نصف تھے، آدھے بشر تھے اور آدھے روحانی تھے کیونکہ وہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے انکی امی جان حضرت مریم میں تین نفخ اور پھونک سے پیدا ہوئے تھے تو ان میں بشریت والا ضعف (روح الامین کے نفخ کی آمیزش سے)

قوت وتوانائی میں بدل گیا اور دوسرے انبیا علیہم السلام پر قوت برداشت اور استعداد تحمل میں زائد ہو گئے تو والدہ ماجدہ میں روح الامین کے نفخ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ملکی قوت کی وجہ سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو مبعوث فرما دیا گیا"

فائدہ:

جو حضرات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس سال سے قبل حاصل ہونے والی نبوت سے بطور دلالۃ النص اور اولویت کے نبی مکرم ﷺ کے لیے بھی آغازِ ولادت سے نبوت ثابت کرتے ہیں انہیں عارف تیجانی کے اس ارشاد پر بھی ذرا غور وخوض کرنا چاہیے کہ وہاں باپ کے مادہ کی آمیزش نہیں ہے بلکہ نفخ جبرئیل کی آمیزش ہے اور وہ آدھے بشر اور آدھے ملک ہیں لہذا ان پر دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا قیاس، قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی تسلیم کریں کیونکہ وہ بھی بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور اگر وہاں قیاس نہیں ہوسکتا تو پھر یہاں بھی اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا اور یہی ہمارے اسلاف اور سابقین اولین علمی اور روحانی کمالات کے مجمع البحرین حضرات کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔ ہم تو انہیں کے خوشہ چین ہیں اور ان کے متبع اور مقتدی نہ کہ اپنی طرف سے عقائد ونظریات کا اختراع کرنے والے ہیں۔

بعض "محققین" کی ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض بزعم خویش محققین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا جوہر پاک بھی عظیم نور ہے اور بقیہ انوار ان سے مستفاد ہیں تو آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے تو آپ کا بھی آغاز سے نبی تسلیم کرنا ضروری ہے۔

تو جواباً گزارش یہ ہے کہ یہاں نورِ حقیقت میں تقابل نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس پر جو

حجابِ بشریت ہے اس میں کلام کیا جارہا ہے کہ دوسرے حضرات میں ابدان کی تخلیق ماں باپ کے دونوں مادوں کی آمیزش سے ہوتی ہے۔ بالخصوص لڑکے میں باپ کا مادہ تولید ماں کے مادہ تولید کی نسبت غالب ہوتا ہے بخلاف لڑکی کے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ باپ کا مادہ تولید سرے سے شامل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ جبرئیل علیہ السلام کی وجہ سے آدھا بدن ملکی ہو گیا (بلکہ آدھے سے بھی زیادہ) لہٰذا ان میں حقیقتِ نوریہ پر طاری ہونے والا حجاب بالکل خفیف تھا لہٰذا ابتداء سے ہی نبوت و رسالت کی اہلیت و استعداد موجود تھی اس لیے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا اور نبی مکرم ﷺ کا لباس بشری ماں باپ دونوں کے مادہ تولید کی آمیزش سے تیار ہوا لہٰذا وہ نسبتاً کثیف تھا اس لیے اس کی کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کر دیا گیا اور حقیقتِ نوریہ کا ہم رنگ تب یہ منصب آپ کو سونپا گیا۔

اس حقیقت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ چودھویں کے چاند کے آگے سفید اور باریک بدلی ہو مگر دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہ والا بادل ہو تو چاند کی چاندنی محسوس ہوتی رہے گی جبکہ سورج کی دھوپ اور شعاعیں محسوس نہیں ہوں گی حالانکہ نور القمر مستفاد من نور الشمس، مسلم امر ہے کہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہونیوالا ہے۔ هذا والله و رسوله اعلم۔

عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے پر نبوت و رسالت کب حاصل ہوئی!

نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا انتظام و اہتمام کرنا ہوتا ہے تو لامحالہ اس کی عمر شریف اتنی ہونی چاہیے کہ عالم اسباب کے تحت بدنی قوت اور عقلی قوت تکمیل پا چکی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تجلی خاص اور وحی کے بوجھ کو برداشت کرنے کی قوت اور طاقت اور صلاحیت و استعداد اس میں پیدا ہو چکی ہو۔ نیز لوگوں میں ان کی انفرادی خوبیوں اور امتیازی صفات کی شہرت اور چرچا ہو چکا ہو، تاکہ وہ ان کی بات کو توجہ سے سنیں اور اس میں غور و فکر کی

ضرورت بھی محسوس کریں تو ظاہر ہے کہ آغازِ ولادت سے یا بلوغت سے قبل بلکہ بلوغت کے بعد بھی بدنی اور عقلی قویٰ کی پختگی تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔اور اللہ کی سنت بھی یہی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث فرمایا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اور ان کا بھی بچپن میں بالفعل نبی ہونا اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے جیسے کہ بعد میں تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔لہذا ازروئے عقل بھی اور سنۃ اللہ کے تقاضا کی رو سے بھی آنحضرت ﷺ کے جسمانی لحاظ سے عملی طور پر اور بالفعل نبی ہونے کا عرصہ چالیس سال کی عمر شریف کے پورے ہونے پر ہی شروع ہوتا ہے اور اس پر کتاب اللہ اور تفاسیر اور روایات و آثار اور اقوال محدثین اور سیرت نگار حضرات کے اقوال و ارشادات دلالت کرتے ہیں۔

بابِ دوم

عالمِ اجسام میں چالیس سال کے بعد اعطائے نبوت پر قرآنی دلائل اور جلیل القدر ائمہ تفسیر کی تفسیرات

پہلی آیہ مبارکہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (یونس:۱۶)

ترجمہ:

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے (قرآن مجید کو) تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے باخبر کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے۔

(کنز الایمان)

اس کے تحت اکابر امت کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

الف: یعنی قرآن کی تلاوت محض اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے اور میں چالیس سال تم میں رہا ہوں اس زمانہ میں تمہارے پاس کچھ نہیں لایا اور میں نے تمہیں کچھ نہیں سنایا تم نے میرے احوال کا خوب مشاہدہ کیا میں نے کسی سے ایک حرف نہیں پڑھا کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اس کے بعد یہ عظیم کتاب لایا جس کے حضور ہر ایک فصیح پست اور بے حقیقت ہو گیا۔ اس کتاب میں نفیس علوم ہیں، اصول و فروع کا بیان ہے، احکام و آداب ہیں، مکارم اخلاق کی تعلیم ہے، غیبی خبریں ہیں، اس کی فصاحت و بلاغت نے ملک بھر کے فصحاء اور بلغاء کو عاجز کر دیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم کے لیے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ یہ بغیر وحی الٰہی کے ممکن نہیں ہے۔

(خزائن العرفان ص ۴۲۷ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

ب: عقائد میں اہل سنت کے امام حضرت علامہ ابو منصور ماتریدی اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

فلم اسمع احداًادّعیٰ البعث ولااقام حجة عليه وانا قد ادعيت البعث و اقمت على ذالك الحجة افلاتعقلون هذا انی لم اخترع من عند نفسی

(تاویلات اہل سنت جلد ۶ ص ۲۲)

ترجمہ:

میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اپنے مبعوث ہونے کا دعوٰی کیا ہو اور نہ یہ سنا ہے کہ اس نے اس پر کوئی حجت اور دلیل قائم کی ہو۔ جب کہ میں نے مبعوث ہونے کا دعوی بھی کیا ہے اور اس دعوی پر میں نے حجت اور دلیل بھی قائم کر دی ہے۔ کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ میں نے اپنی طرف سے (اس کتاب منزل کا) اختراع اور گھڑنت نہیں کی ہے یعنی کسی سے سن سنا کر اور اسکی دیکھا دیکھی نہ دعوائے نبوت کیا ہے اور نہ کسی سے سیکھ کر یہ کلام پیش کیا ہے بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

ج: حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کے تحت حضرت جعفر بن ابی طالب کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کے سامنے بیان فرمایا تھا:

بعث الله فينا رسولا نعرف صفته و نسبه وامانته وقد كانت مدة مقامه عليه السلام بين اظهرنا قبل النبوة اربعين سنة۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۴۷۸)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان رسول مبعوث فرمایا جن کی صفت و حالت اور نسب وقبیلہ اور امانت و دیانت کو ہم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ کی نبوت سے قبل ہمارے ہاں ان کے قیام کی مدت چالیس سال تھی۔ چالیس سال عمر گزرنے پر آپ کو منصب نبوت پر فائز فرمایا گیا

(صاحب البیت ادری بما فیہ کے تحت گھر والوں کی شہادت کے بعد کسی اور کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی)

د: امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ در منثور میں تحریر فرماتے ہیں:

اخرج احمد والبیھقی فی الدلائل عن انس رضی اللہ عنہ انہ سئل بسن ای الرجال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ بعث قال کان ابن اربعین سنۃ۔

(الدر المنثور جلد سوم ص ۵۴۱)

امام احمد علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا اور امام بیہقی علیہ الرحمہ نے اپنی دلائل النبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ بعثت کے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس شخص کی عمر پر تھے تو انہوں نے فرمایا چالیس سال کی عمر میں تھے۔

اخرج ابن ابی شیبۃ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ راس الاربعین۔ (در منثور جلد ۳ ص ۵۴۱)

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مبعوث ہوئے۔

اخرج البیھقی فی الدلائل عن الشعبی قال نزلت النبوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن اربعین سنۃ۔ (در منثور جلد سوم ص ۵۴۱)

شعبی (جو کہ اکابرین تابعین سے ہیں) سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ چالیس برس کے تھے اس آیت کریمہ اور اہل بیت اور صحابی اور تابعی کی شہادت سے واضح ہوگیا کہ آپ کی عمر شریف کا معتد بہ حصہ یعنی چالیس سال گزرنے پر آپ اس منصب پر فائز فرمائے گئے۔ (و کذا فی الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۹۳ بروایۃ احمد بن حنبل و یعقوب بن سفیان و ابن سعد والبیھقی)

دوسری آیہ مبارکہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ الایۃ (شوریٰ:۵۲)

''تم بذاتِ خود ازروئے عقل نہیں جانتے تھے کتاب کو اور نہ ایمان (کی تفصیلات) کو''

ظاہر ہے کہ قول باری تعالیٰ ﴿فقد لبثت فيكم عمراً من قبله﴾ میں لوگوں کو جس عرصہ اور زمانہ میں قرآن سے آگاہ کیے جانے کی اور ان پر قرآن تلاوت کرنے کی نفی کی گئی ہے اسی دورانیہ کے متعلق یہاں کتاب اور ایمان کی درایت کی نفی کی جارہی ہے نہ کہ یہاں ولادت پاک سے پہلے زمانہ کے لحاظ سے نفی کی جارہی ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ آپ ولادتِ پاک کے عرصہ بعد نبوت و رسالت والے اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف فرمائے گئے اور وحی کتاب اور تفصیلاتِ ایمان سے بہرہ ور فرمائے گئے۔

اس سلسلے میں علمائے اسلام کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں:

عن علی قيل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم هل عبدت وثنا قط؟ قال لا۔ قالوا هل شربت خمرا قط؟ قال لا۔ ومازلت اعرف الذی هم عليه كفر وما كنت ادری ما الكتاب ولا الايمان (درمنثور ج۵ ص۷۱۲)

مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کیا آپ نے کبھی کسی بت کی عبادت کی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کیا کبھی آپ نے شراب پی؟ آپ نے فرمایا نہیں، میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ جس عقیدہ اور عمل پر یہ لوگ (دور جاہلیت میں) ہیں یہ سراسر کفر ہے حالانکہ نہ میں کتاب کو جانتا تھا اور نہ ایمان کی (تفصیلات) کو۔

فائدہ:

اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کو وقتِ ولادت سے نبی مانتے ہوتے تو پھر بت پوجنے اور شراب پینے کے بارے میں سوال کیونکر کرتے؟ نیز آپ ﷺ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ میں بچپن سے نبی تھا اور نبیوں سے ایسے ناپسندیدہ امور کیسے سرزد ہو سکتے ہیں؟

(۲) علامہ ابوحیان اندلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انما معناہ الایمان الذی یدرکہ السمع لان شیئا من الایمان لاتعلم الا بالوحی۔ اماتوحیداللہ و براءتہ عن النقائص و معرفۃ صفاتہ العلیٰ فجمیع الانبیاء علیھم السلام عالمون بذالک معصومون ان یقع منھم زلل فی شیئ من ذالک سابق لھم علم ذالک قبل ان یوحیٰ الیھم (الیٰ)ومن طالع سیرالانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام من نشأتھم الیٰ مبعثھم تحقق عندہ انھم معصومون من کل نقیصۃ موحدون للہ تعالیٰ منذ نشاؤا (الیٰ) وعن ابی العالیۃ ما کنت تدری قبل الوحی ان تقرء القرآن و لا کیف تدعو الخلق الیٰ الایمان۔ (البحرالمحیط جلد۹ص۳۵۱)

’’آیت کریمہ میں جس ایمان کی درایت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ ایمان ہے جو سمعی دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ہمارے کئی ایسے ایمانی نظریات اور عقائد ہیں جو صرف اور صرف وحی سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک لہ ماننا اور اس کو نقائص اور عیوب سے مبراء ومنزہ ماننا اور اس کی صفات عالیہ کی معرفت تو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کا علم رکھتے ہیں اور ان امور میں سے کسی بھی امر میں لغزش اور غلطی کھانے سے معصوم ہیں۔ وحی کے نزول سے قبل ہی وہ ان امور کا حتمی علم رکھتے ہیں (تا) اور جس شخص نے بھی انبیاء علیہم السلام کے آغاز ولادت سے بعثت تک کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے تو اسے اس امر کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ہر نقص اور عیب سے منزہ ومبرا ہوتے ہیں اور آغاز ولادت سے ہی اللہ

تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ابو العالیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آپ نزول وحی سے قبل قرآن مجید کی قراءت اور تلاوت نہیں جانتے تھے اور نہ یہ کہ لوگوں کو ایمان کی طرف دعوت کس طرح دینی ہے"

(۳) امام ابوبکر الحنفی الحداد اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

کان محمد ﷺ یعبد اللہ قبل الوحی علیٰ دین ابراھیم علیہ السلام الحداد۔ (جلد ۷ ص ۱۸۲)

"محمد کریم ﷺ وحی کے نزول سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین وملت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے"

(۴) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

ویتبع شریعۃ ابراھیم علیہ السلام و یتعبد بھا حتی جاءہ الوحی وجاءتہ الرسالۃ (روح البیان جلد ۸ ص ۳۳۷)

"محبوب کریم ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع کرتے تھے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تا آنکہ آپ پر وحی نازل ہوئی اور نبوت ورسالت حاصل ہوئی (تو اس وقت اپنی شریعت پر عمل فرمانے لگے)

(و کذا فی التفسیر الکبیر للامام فخر الدین الرازی)

فائدہ عظیمہ:

ان حضرات کے اقوال سے واضح ہو گیا کہ آپ نزولِ وحی اور نزولِ کتاب سے قبل بالفعل نبی نہیں تھے ورنہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع واقتداء کیوں فرماتے کیونکہ آپ مستقل صاحب شرع نبی ہیں نہ یہ کہ یوشع علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح تابع نبی تھے اور بعد ازاں مستقل نبی بنائے گئے۔ نیز جو لوگ آپ کو نزول وحی سے قبل اللہ

تعالیٰ کی توحید اور صفات کی معرفت اور تصدیق سے بیگانہ اور بے خبر اور نعوذ باللہ ضال اور گمراہ سمجھتے ہیں ان کے اس قول کا بھی سراسر لغو، بیہودہ اور بذاتِ خود ضلالت و گمراہی ہونا واضح ہو گیا۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت اپنے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے اگر چہ ایمان کی درایت کی نفی اور تصدیقی علم کے حصول کی نفی کر رہی تھی لیکن ان اکابرین علماء اور مقتدایان انام نے اس کو ظاہری معنیٰ پر حمل نہیں کیا اور تاویل و توجیہ سے کام لیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ما ضل صاحبکم وما غویٰ﴾ ''تمہاری صحبت اور مشاہدہ میں رہنے والی ذات پاک محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ گمراہ ہوئے اور نہ کبھی بھٹکے''

لہذا آپ کے حق میں توحید باری تعالیٰ اور صفاتِ الوہیت اور عالم کے حدوث وغیرہ سے بے خبری اور جہالت کا اور ضلالت و گمراہی کا نظریہ سراسر لغو اور بیہودہ اور بذاتِ خود ضلالت و گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے برے عقائد سے پناہ دے۔ آمین ثم آمین

تیسری آیت مبارکہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿وَمَا كُنتَ تَرْجُوٓا۟ أَن يُلْقَىٰٓ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾ (القصص: ۸٦)

''اور تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی ہاں تمہارے رب نے رحمت فرمائی'' (کنز الایمان)

(۱) امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فهو يخرج على وجهين احدهما وما كنت ترجوا وان كنت مطيعا اى خاضعا ان يلقى اليك الكتاب وينزل عليك وتصير رسولا اى لم تكن تطمع ذالك لكن الله بفضله و رحمته جعلك رسولا نبيا۔ (تاویلات اهل السنة ص ٢٠٦)

''اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہیں اول یہ کہ اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار تھے اور متواضع اور منکسر مزاج تھے لیکن آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب کا القاء اور نزول ہوگا اور تم رسول بن جاؤ گے یعنی تمہیں اس امر کا طمع اور امید نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر (طمع ولالچ کے) محض اپنے فضل اور رحمت سے آپ کو رسول اور نبی بنا دیا''

(۲) امام ابوبکر الحداد نے اس آیت کریمہ کے تحت فرمایا:

ما کنت یا محمد ترجو ان یوحیٰ الیك القرآن وانك تکون نبیا تتلواعلیٰ اھل مکة قصص الاولین الا ان ربك رحمك واراد بك الخیر فاوحیٰ الیك الکتاب واکرمك بالنبوة منةً منه الیك۔ (تفسیر الحداد جلد ۵ص۲۷۰)

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر قرآن مجید کی وحی کی جائے اور نہ اس کی امید رکھتے تھے کہ تم نبی بنو گے اور اہل مکہ پر پہلے گزرے لوگوں کے احوال اور قصے بیان کرو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم وکرم کیا اور تمہارے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا پس تمہاری طرف کتاب کی وحی فرمائی اور تمہیں اپنی نعمت اور فضل کے ساتھ نبوت والی کرامت اور عزت سے نواز دیا''

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت ارشاد ملاحظہ فرماویں:

وما کنت یا محمد ترجو ان یلقیٰ الیك الکتاب ان ینزل علیك جبرئیل بالقرآن وتکون نبیا الا رحمةمن ربك ولکن منةو کرامةمن ربك اذارسل علیك جبرئیل بالقرآن وجعلك نبیا۔ (تفسیر ابن عباس علیٰ حاشیہ در منثور ج ۴ص۱۶۲)

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی یعنی جبرئیل علیہ السلام تم پر قرآن مجید کے ساتھ نازل ہوگا اور تم نبی بن جاؤ گے مگر رحمت ہے تمہارے رب تعالیٰ

سے۔ یعنی یہ تمہارے رب کا احسان ہے اور کرم کریمانہ ہے جبکہ اس نے جبریئل علیہ السلام کو آپ پر قرآن مجید کے ساتھ نازل فرمایا اور تمہیں نبی بنا دیا"

(۴) امام ابن جریر اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وما کنت ترجو ان ینزل علیك الکتاب وان تکون نبیا قبل ذالك۔

"آپ قبل ازیں یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی اور تم نبی بن جاؤ گے" (جلد ۱۰ ص ۸۱)

(۵) امام قرطبی اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ای ماعلمت انا نرسلك الیٰ الخلق و ننزل علیك القرآن۔

(تفسیر القرطبی الجامع الاحکام القران)

"آپ کو معلوم نہ تھا کہ ہم آپ کو مخلوق کی طرف بھیجیں گے اور تم پر قرآن نازل کریں گے" (لیکن تم پر تمہارے رب نے رحمت فرمائی)

(۶) امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

ای ما کنت تظن قبل انزال الوحی ان ینزل علیك لکن رحمة من ربك ۔ای انما انزل الوحی علیك من الله تعالیٰ عن رحمته بك و بالعباد بسببك۔

(جلد ثالث ص ۴۱۷)

"تم وحی کے نزول سے قبل یہ گمان نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر وحی نازل کی گئی بسبب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آپ پر اور بسبب آپ کے بندوں پر رحمت نازل فرمانے کے"

(۷) علامہ سلیمان بن عمر عجیلی المعروف جمل اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وما كنت قبل مجيئى الرسالة اليك ترجوا و تامل انزال القرآن عليك فانزاله عليك ليس عن ميعاد ولاعن تطلب سابق۔ (جلد۳ص۳۶۵)

''تم رسالت ونبوت کے پہنچنے سے قبل اپنے آپ قرآن مجید کے نازل کئے جانیکی امید ورجاء نہیں رکھتے تھے لہذا اس کا آپ پر نازل کیا جانا نہ کسی وعدہ کے بعد ہے اور نہ کسی سابقہ طلب اور خواہش پر''

(۸) علامہ صاوی علیہ الرحمۃ اس آیت کی تفسیر میں اپنے حاشیہ جلالین میں فرماتے ہیں:

اى ما كنت ترجوا اى قبل مجيئ الرسالة اليك ان يلقى اليك الكتاب اى فانزاله عليك ليس عن ميعاد و لا تطلب منك و من ههنا قال العلماء ان النبوة ليست مكتسبة لاحد قال فى الجوهرة:

ولم تكن نبوة مكتسبة ولو رقى فى الخيرا على عقبه

(جلد۳،ص۱۹۰)

''آپ رسالت کے نزول سے پہلے یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ تم پر کتاب القاء کی جائے گی یعنی اس کتاب کا آپ پر نزول نہ کسی وعدہ اور عہد کے بعد پایا گیا اور نہ جد جہد اور طلب و خواہش کے بعد۔ اور اسی وجہ سے علمائے کرام نے فرمایا کہ نبوت کسبی امر نہیں جو کسی کے کسب اور عمل سے حاصل ہو جائے۔ جوہرہ میں فرمایا کہ کبھی بھی نبوت کسبی امر نہیں رہا اگرچہ کوئی شخص خیر اور بھلائی کے اعلیٰ مراتب پر بھی فائز ہو جائے اور ترقی کی آخری حدود کو کیوں نہ چھونے لگے''

(۹) علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی القریشی البغدادی فرماتے ہیں:

ما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب اى ان تكون نبيا و ان يوحىٰ اليك

القرآن الا رحمة من ربك۔قال الفراء هذا استثناء منقطع والمعنى الاان ربك رحمك فانزله عليك ۔ (جلد ۶ ص ۲۵۱)

''اور تم امید نہیں رکھتے تھے کہ تمہاری طرف کتاب القاء کی جائے گی یعنی تم نبی بن جاؤ گے اور تمہاری طرف وحی قرآن نازل کی جائے گی (الا رحمة من ربك) فراء فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ ہے کہ مگر آپ کے رب نے آپ پر رحم فرمایا پس قرآن مجید کو آپ پر از روئے رحمت نازل فرمادیا''

(۱۰) امام قشیری علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما كنت تومل محل النبوة و شرف الرسالة و تاهيل مخاطبتنا اليك

(تفسیر القشیری جلد دوم ص ۴۴۹)

''تم نبوت کا محل بننے اور شرف رسالت کے ساتھ مشرف ہونے اور ہمارے خطاب کے لائق ہونے کی امید اور آرزو نہیں رکھتے تھے''

فائدہ:

محبوب کریم ﷺ سے نزول کتاب کی امید اور آرزو کی نفی کی جارہی ہے تو ظاہر ہے کہ آباؤ اجداد کے اصلاب اور امہات وجدات کے ارحام میں انتقالات اور گردش کے وقت کے لحاظ سے تو نفی نہیں کی جارہی ہے بلکہ ولادت پاک کے بعد اور نزول وحی اور کتاب سے قبل والے دورانیہ میں ہی یہ نفی کی جارہی ہے اور اس دورانیہ کو آپ نے ﴿فقد لبثت فيكم عمرا من قبله﴾ سے تعبیر کیا ہے کہ میں ایک عمر تمہارے اندر قیام پذیر رہا ہوں اور میں نے تم پر نہ کتاب تلاوت کی اور نہ تمہیں نبوت ورسالت کی اطلاع دی اور اسی دورانیہ میں آپ سے کتاب اور تفصیلات ایمان کی درایت کی نفی کی گئی ہے۔

لہذا ان آیات کریمہ کی رو سے اور ان کی تفسیرات کی رو سے یہ تسلیم کرنا لازم اور

ضروری ہے کہ عمر عزیز کا معتد بہ حصہ آپ کا ایسا گزرا جس میں آپ نہ عملی طور پر نبی تھے اور نہ بالفعل رسول تھے اور نہ ہی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

لطیفہ عجیبہ:

یہ امر کتنا عجیب و غریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر کے معتد بہ حصہ میں نزول کتاب اور نبوت و رسالت کے حصول کی امید و رجاء اور حرص و طمع کی بھی نفی فرما رہا ہے اور ادھر وقتِ ولادت سے ہی آپ کو بالفعل اور عملی طور پر منصب نبوت پر فائز سمجھا جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی یہ عقیدہ اور نظریہ اپنانے کا پابند ٹھہرایا جا رہا ہے۔ یا للعجب

بلکہ ان بزعم خویش "ائمہ زمان" اور "مقتدایانِ انام" کے اپنے مفروضہ نظریہ کی اقتداء اور تقلید نہ کرنے کی صورت میں گمراہی، بے دینی اور کفر و نفاق کے فتووں کا ہدف بھی بنایا جا رہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

چوتھی آیہ مبارکہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے: ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ﴾ (الاحقاف:۱۵)

ترجمہ:

"یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا تو عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے" (کنزالایمان)

(۱) امام قرطبی علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلما نبیٔ رسول اللہ ﷺ و ھوابن اربعین سنة صدق ابو بکر رضی اللہ عنه رسول اللہ ﷺ و ھوابن ثمانیة وثلاثین سنة (تفسیر القرطبی جلد۱۶ ص۱۹۴ روح المعانی

جلد۲۶ شیخ زادہ جلد۸ تفسیر مراغی جلد۸، تفسیر حسینی، تفسیر جلالین، تفسیر زاد المسیر، بیضاوی)

''جب نبی مکرم ﷺ کو نبی بنایا گیا جبکہ آپ چالیس سال کے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے''

(۲) قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ اور ابوحیان اندلسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ولم یبعث نبی الا بعد الاربعین۔ (البحر المحیط جلد۹ ص۴۴۰)

''کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے قبل مبعوث نہیں ہوا''

(۳) علامہ شہاب الدین خفاجی بیضاوی شریف کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

فلما نبی و هو ابن اربعین سنة و آمن به وهو ابن ثمان و ثلاثین سنة و صدقه۔ (حاشیۃ الشہاب جلد۸ ص۴۷۰)

''پس جب محمد کریم ﷺ کو نبی بنایا گیا جبکہ آپ چالیس سال کے تھے اور ابوبکر صدیق آپ پر ایمان لائے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی جبکہ وہ اڑتیس سال کی عمر کے تھے''

(۴) حضرت علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

چون سال مبارك آنحضرت رسالت پناه بچهل رسید مبعوث گشت و صدیق سی و هشت ساله بود که بوے ﷺ ایمان آورد۔ (روح البیان جلد۸ ص۶۰۳)

(۵) شیخ احمد صاوی مالکی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلما بلغ رسول ﷺ اربعین سنة و اکرمه الله تعالیٰ بالنبوة و اختصه برسالته آمن به ابو بکر الصدیق رضی الله عنه و صدقه ۔ (جمل جلد۴ الصاوی علی الجلالین جلد۴ ص۶۵ وکذا فی الخازن جلد۴ ص۱۲۵ معالم التنزیل جلد۴)

''جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت سے

نوازا اور رسالت کے ساتھ مشرف اور ممتاز ٹھہرایا تو ابوبکر صدیق آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق فرمائی"

(۶) حضرت علامہ ملا جیون صاحب مولف نورالانوار اپنی تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں:

فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالة و كان ابن اربعين سنة دعاه (ابابكر) فآمن به۔ (ص ۶۵۸)

"پس جب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے جبکہ چالیس سال کے تھے تو آپ نے انہیں یعنی ابوبکر صدیق کو اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوئے"

(۷) شیخ ابوبکر الحداد الحنفی الیمنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

و كان لا يفارقه صلی اللہ علیہ وسلم في اسفاره و حضوره فلما بلغ (ابوبكر) اربعين سنة ونبئي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دعا ربه۔ (تفسیر الحداد جلد ۶ ص ۲۳۲)

"ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اٹھارہ سال کی عمر سے) ہر سفر اور حضر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور کبھی جدا نہیں ہوتے تھے تو جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنائے گئے (اور ابوبکر آپ پر ایمان لا چکے تھے جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے) تو جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی"

فائدہ:

یہ آیت کریمہ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوانی کی قوت تک رسائی اور چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر یہ دعا کرنے پر دلالت کر رہی ہے جو کہ اپنے اوپر اور والدین پر

ہونے والے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور استطاعت طلب کرنے پر مشتمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر ایسی دعا کیسے متصور ہو سکتی ہے اور ایمان لانے کا ذریعہ اور وسیلہ ان کا صرف اور صرف یہ تھا کہ نبی مکرم ﷺ کے مصاحب اور رفیق تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہی آپ کو یہ شرف حاصل ہوا جبکہ حضور کریم ﷺ کی عمر شریف بیس سال تھی اور اس مصاحبت کی برکت سے آپ پر نبوت اور وحی نازل ہوتے ہی مشرف بایمان ہو گئے اور پھر یہ دعا کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام حق ترجمان میں بیان فرمایا۔

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی خزائن العرفان میں فرماتے ہیں کہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کی ہمراہی میں بغرض تجارت شام کا سفر کیا ایک منزل پر ٹھہرے وہاں بیری کا درخت تھا حضور کریم ﷺ اس کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے قریب ہی ایک راہب رہتا تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس کے پاس چلے گئے راہب نے آپ سے کہا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس بیری کے سایہ میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ محمد ﷺ ابن عبداللہ ہیں اور حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ راہب نے کہا کہ خدا کی قسم یہ نبی ہیں اس بیری کے سایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے آج تک ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھا یہی نبی آخرالزمان ہیں۔ راہب کی یہ بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اثر کر گئی اور آپ کی نبوت کا یقین ان کے دل میں جم گیا اور انہوں نے آپ ﷺ کی صحبت شریف کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور سفر و حضر میں آپ سے جدا نہ ہوتے تھے جب سید عالم ﷺ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنی نبوت اور رسالت کیساتھ سرفراز فرمایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لائے اور اس وقت حضرت صدیق اکبر کی عمر اڑتیس سال تھی جب حضرت صدیق اکبر کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ (خزائن العرفان ص ۹۰۶)

تنبیہ:

اگر آپ وقتِ ولادت سے نبی تھے تو پھر چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمائے جانے کا کیا مطلب ہوگا؟ اور حضرت صدیق کے اڑتیس سال کی عمر میں آپ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہوگا؟ پہلے نہیں تو راہب کے اس انکشاف کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں کیوں نہ ایمان لے آئے؟ اور نبی مکرم ﷺ نے اس انتہائی مخلص اور فدائی مصاحب اور رفیق پر خود کیوں یہ انکشاف نہ فرمایا کہ میں آغاز ولادت سے نبی ہوں اور ان کو بچپن میں ہی اپنے امتی بننے کا اعزاز اور شرف کیوں نہ بخشا؟۔ حالانکہ آپ بھی پیدائشی طور پر شرک دشمن تھے اور بت پرستی کے خلاف تھے اور بتوں کو عاجز اور بے بس سمجھتے تھے اور امی جان کے پیٹ میں تھے تو وہ غیب سے یہ بشارت سنا کرتی تھیں اور اپنے بطن والے کی شان ہاتفِ غیبی کی زبانی سماعت فرماتی تھیں جیسا کہ انہوں نے اپنے خاوند ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ انہیں آواز آتی تھی:

یا امة الله علیٰ التحقیق ابشری بالولد العتیق اسمه فی السماء الصدیق لرسول الله صاحب و رفیق۔

"اے اللہ تعالیٰ کی حقیقی باندی! اپنے بیٹے عتیق اور مردِ حر کی بشارت قبول کرو۔ اسکا نام آسمان میں صدیق (مرقوم و معروف) ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت دائمہ کے شرف سے مشرف ہونے والے ہیں"

اور اس انکشاف کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد ابوقحافہ بچپن میں اپنے ہمراہ بت خانہ میں لے گئے اور ایک بت کے بارے میں کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے اور ہماری ضروریات کی کفالت کرتا ہے اس کی پوجا پاٹ کرو۔ یہ کہہ کر وہ آگے دوسرے اصنام و اوثان کی طرف چلے گئے تو آپ نے اس بت سے کہا (انی جائع فاطعمنی) میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا آپ نے کہا (انی عطشان فاسقنی) میں پیاسا ہوں

مجھے پانی پلا اس نے کوئی جواب نہ دیا انہوں نے کہا (انی عار فاکسنی) میں برہنہ بدن ہوں مجھے کپڑا پہنا اس نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے کہا (انی ملق علیك حجرا فان كنت الهاً فامنع نفسك عنى) میں پتھر مارنے لگا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا لے تو اس نے کوئی جواب نہ دیا چنانچہ آپ نے پتھر مارا اور وہ آپ کے قدموں میں گر گیا۔ ابو قحافہ واپس آئے تو صورتحال دیکھ کر پوچھا یہ کیا تو آپ نے صورتحال بتائی تو انہوں نے آپ کی امی جان سے جا کر شکوہ کیا کہ یہ کیسا بچہ تو نے جنم دیا ہے جو ہمارے خداؤں کا دشمن ہے اور ان کی توہین کرتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس بچے کو مت تغلیظ وتشدید کا نشانہ بنانا یہ میرے پیٹ میں تھا تو مجھے غیب سے یہ ندائیں آتیں تھیں اور بشارت دی جاتی تھی۔

الغرض جب آپ بھی فطرت سلیمہ کے مالک تھے اور مخلص مصاحب اور رفیق تو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بطور راز مخفی ہی بتلا دیتے اور اسے مخفی رکھنے کی تلقین فرما دیتے لیکن آپ نے ان کو بھی نہیں بتلایا تو معلوم ہو گیا کہ آپ کو جسمانی لحاظ سے یہ اعزاز ملا ہی بعد میں تھا۔

پانچویں آیہ مبارکہ:

ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحی: ۷)

”اور پایا تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ تو اپنی طرف راہ دی“

(ا) علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں فرماتے ہیں:

فكان ابو طالب هو الذى تكفل رسول الله صلى الله عليه وسلم الى ان بعثه الله تعالىٰ للنبوة۔ (روح البیان جلد ۱۰ ص ۴۳۳)

”(یتیم ہونے کے بعد آپ کے جد امجد اور ان کی وفات کے بعد) جناب ابو طالب ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل اور سرپرست رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے منصب پر

فائز فرمایا"

(۲) حضرت علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

کانت هذه منازل رسول اللهﷺ قبل ان یبعثه الله تعالیٰ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۶ ص ۸۷۲)

"(یتیم، عائل اور خودرفتہ ہونا) یہ رسول گرامی ﷺ کی منازل اور کیفیات تھیں قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا"

(۳) امام ابو منصور ماتریدی جو کہ اہل سنت کے عقائد میں امام ہیں اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ووجدك ضالا عن النبوة فهداك للنبوة و هو قريب مما ذكرناه

(تاویلات اہل سنت جلد ۱۰ ص ۵۶۱)

"اور پایا تمہیں نبوت سے بے توجہ اور بے التفات تو نبوت کی طرف راہ دکھلائی بلکہ نبوت تک واصل فرمایا اور یہ معنی پہلے معانی مذکورہ کے قریب ہے"

(۴) امام ابن جریر طبری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عن قتادة الم یجدك یتیما فاویٰ و وجدك ضالا فهدیٰ ووجدك عائلا فاغنیٰ قال کانت هذه منازل رسول الله قبل ان یبعثه الله تعالیٰ

(تفسیر جامع البیان جلد ۱۵ ص ۲۹۳)

یہی مضمون اور مفہوم علامہ ابن کثیر کے حوالے سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۵) امام ابو عبداللہ قرطبی فرماتے ہیں:

ای غافلا عما یراد بك من امر النبوة فهداك ای ارشدك۔

(تفسیر قرطبی جلد ۲۰ ص ۹۲)

یعنی ضال سے مراد یہ ہے کہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ نبوت عطا کرنے کا تھا اس سے آپ کو غافل پایا تو اس کی طرف ہدایت اور رہنمائی فرمائی۔

(۶) حضرت فخر المفسرین امام رازی فرماتے ہیں:

ثامنها کنت ضالاً عن النبوة ما کنت تطمع فی ذالك ولا خطر شئی من ذالك فی قلبك فان الیهود والنصاریٰ کانوا یزعمون ان النبوة فی بنی اسرائیل فهد یتك الیٰ النبوة التی ما کنت تطمع فیها البتة (التفسیر الکبیر جلد۳۱ص ۲۱۷)

''اس آیت کریمہ کی آٹھویں تاویل اور توجیہ یہ ہے کہ تم نبوت سے ضلال میں تھے یعنی اس کا طمع نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی تمہارے دل میں اس کا اندیشہ اور خیال پیدا ہوا کیونکہ یہود ونصاریٰ یہی زعم اور نظریہ اپنائے ہوئے تھے کہ نبوت ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل میں ہی ہے پس میں نے تمہیں اس نبوت کی طرف ہدایت اور وصل کی توفیق دی جس کا قطعاً تمہیں حرص اور لالچ نہیں تھا''

العشرون روی عن علی علیه السلام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ماهممت بشیی مما کان اهل الجاهلیة یعملون به غیر مرتین کل ذالك یحول الله تعالیٰ بینی و بین ما ارید من ذالك ثم ما هممت بعد هما بسوء حتی اکرمنی الله برسالته۔

(تفسیر کبیر جلد۳۱ص ۲۱۸)

''اس آیت کریمہ کی بیسویں توجیہ یہ ہے کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی ان کاموں میں سے کسی کام کا ارادہ نہیں کیا تھا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے سوائے دو دفعہ کے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان افعال کے درمیان حائل ہو گیا جن کا میں ارادہ رکھتا تھا اس کے بعد میں نے کبھی کسی غیر موزوں اور نامناسب امر کا ارادہ نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت کے ساتھ مکرم ومشرف ٹھہرایا''

(۷) فخر المتاخرین حضرت شاہ عبدالعزیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر اور جن دو نامناسب امور کا آپ نے ارادہ فرمایا ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی یافت ترا راہ گم کردہ پس راہ نمود ترا و بیان ایں ہدایت و ضلال آنست کہ آنحضرت ﷺ را بعد از رسیدن بحد بلوغ بسبب کمال عقل ایں قدر معلوم شد کہ عبادت بتان و رسوم جاھلیت ھمہ ھیچ و پوچ است درپے تفتیش دین حق شدند و از زبان پیران کھن سال شنیدند کہ اصل دین ما دین حضرت ابراھیم علیہ السلام است، آنحضرت ﷺ را ایں خیال درسر افتاد کہ عبادت بتان را گذاشتہ و رسوم جاھلیت را ترک دادہ متوجہ برب ابراھیم شوم و اورا عبادت کنم۔

لیکن چون ملت ابراھیمی کسے را یاد نماندہ بود نہ در کتابے مدون بود و نہ آنحضرت ﷺ را قدرت خواندن کتاب حاصل ناچار در تلاش احکام آن ملت بے تاب و بیقرار بودند و بقدر معلوم از تسبیحات و تھلیلات و تکبیرات و اعتکاف و غسل از جنابت و ادائے مناسک حج و خلوت و دیگر امور از ھمیں جنس اشتغال می ورزید تاآنکہ حق تعالیٰ ایشان را بوحی خود بر اصول ملت حنیفی آگاہ ساخت و فروع آن ملت را بخوب ترین طریق برائے ایشان معین فرمودند۔ ازیں وقت تعطشے و بیتابی کہ بسبب نا یافت آن میداشتند زائل گشت گویا چیز گم کردہ خود را یافتند و میخواستند کہ براھے بروند و آنراہ معلوم ایشان نمیشد آن راہ را در نظر ایشان ظاھر کردند پس ازان تعطش و بیتابی و الم نا یافت تعبیر بہ گم کردن راھے فرمودند۔ ارباب تفسیر کہ ایں معنیٰ را کما ینبغی ندانستہ اند در تفسیر ایں گمراھی دور دور رفتہ اند۔

(تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۲۰)

در اینجا اینقدر بالیقین باید دانست که انبیاء علیهم السلام قبل از بعثت نیز از ضلال و کفر اصلی و طبعی معصوم و محفوظ اندبلکه ازمعاصی نیز به تعمد چنانچه در حدیث شریف است که من هیچگاه قصد نکردم که کارے ازان کارها که اهل جاهلیت مینمودند بعمل آرم مگر دوبار و در هر دوبار لطف الهی آن کار کردن نداد و عصمت او تعالیٰ درمیان من و درمیان آن کار حائل شد آن دو کار این است که روزے من نوجوان را از قریش که همراه من بزان و گوسفندان را بیرون مکه مے چرانید گفتم امشب از گوسفندان وبزان من خبردار باش تا درشهر مکه بروم ودرآنجا چندنوجوان نشسته افسانه میگویندمن هم آن افسانه رابشنوم چون باین قصد درمکه داخل شدم دراول خانه که در راه من افتاد آوازمزامیر و طبل و دیگر ملاهی شنیدم ۔ گفتم کیست گفتندفلان کس را با فلان زن امروز شادی میشود من هم درآن خانه درآمدم و خواستم که آن تماشا بینم ۔ همین که نشستم خواب رابرمن بآن حد مسلط کردند که تا طلوع آفتاب بیدار نشدم ۔ بعد از انکه بیدارشدم مجلس برخاسته بود ۔ همین قسم بار دیگر نیز قصد کردم و خواب درمیان من و درمیان شنیدن آن افسانه و سماع مزامیر حائل گشت و بعصمت او تعالیٰ محفوظ ماندم و ازان بعد هر گز خیالے بد پیر امون خاطر من نگشت تاآنکه مزاحق تعالیٰ برسالت خود نواخت و آن عصمت را دو بالاساخت ۔ ولیکن بدانستن شرائع و تعطش بد ریافت آنها انبیاء را قبل از بعثت نیز میباشد در تلاش راه حق میشوند و اینقدر برائے استعمال لفظ ضلال کافی است چنانکه گذشت ۔ (ص ۱۲۱، ۱۲۲)

ترجمہ :

"تمہیں راہ گم کرنے والا پایا پس تمہیں راہ دکھلائی۔ اس ہدایت اور ضلالت کا بیان یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حد بلوغت تک پہنچنے پر اپنے عقل کے کامل ہونے کی وجہ سے یہ تو قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ بت پرستی اور جاہلیت کی رسمیں لغو اور بیہودہ ہیں تو آپ دین حق کی تلاش اور جستجو کے درپے ہوگئے اور عمر رسیدہ لوگوں سے آپ نے سنا تھا کہ ہمارا دین دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام والا دین ہے آپ کے ذہن مبارک میں یہ خیال جاگزین ہوگیا کہ بتوں کی عبادت اور رسوم جاہلیت سے گریز کرتے ہوئے رب ابراہیم کی طرف توجہ کروں اور اس کی عبادت کروں۔ لیکن ملت ابراہیمی کسی کو یاد نہیں تھی اور کسی کتاب میں مدون صورت میں موجود نہیں تھی اور نہ آپ کو کتاب پڑھنے کی قوت واستعداد تھی تو ناچار آپ ملت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کی تلاش وجستجو میں بیتاب اور بیقرار تھے۔ اور جو کچھ اس میں سے معلوم ہوسکا تھا یعنی تسبیحات وتہلیلات اور تکبیرات، اعتکاف اور غسل جنابت، مناسک حج کی ادائیگی اور خلوت گزینی وغیرہ قسم کے اعمال و افعال میں آپ مشغول اور مصروف رہنے لگے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ملت حنفی کے اصول وقواعد سے آگاہ فرمایا اور اس ملت کے فروعات کو واضح طریقہ پر آپ کے لیے متعین فرمایا۔ اس وقت وہ پیاس اور بیتابی آپ کی زائل ہوگئی جو ان اصول وفروع کے معلوم ہونے سے قبل درپیش تھی۔ گویا آپ کو اپنی گمشدہ متاع عزیز دوبارہ دستیاب ہوگئی۔

اور آپ کی دلی آرزو تھی کہ راہ (ابراہیمی) پر چلوں اور وہ راہ آپ کو معلوم نہیں ہو رہی تھی تو اس راہ راست اور صراط مستقیم کو آپ پر آشکارا کر دیا گیا الغرض اس پیاس اور جستجو وتلاش اور بے چینی وبیتابی جو راہ راست کے دریافت ہونے سے قبل درپیش تھی اسکو ضلالت اور راہ راست دریافت نہ کر سکنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارباب تفسیر اس معنی ومطلب کا کما حقہ ادراک نہ کر سکنے کی وجہ سے اس ضلالت کی تفسیر میں دور دور تک چلے گئے۔

اس جگہ اس قدر یقینی طور پر معلوم ہونا لازم اور ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعثت سے قبل بھی ضلالت و گمراہی اور کفر طبعی و اصلی سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں بلکہ معاصی کے قصد و ارادہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں نے اہل جاہلیت والے کاموں میں کسی کام کا کبھی قصد و ارادہ نہیں کیا تھا مگر دو بار۔ اور ہر دو بار اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے [illegible] کام نہ کرنے دیا اور اللہ تعالیٰ کی عصمت و حفاظت میرے اور اس کام کے درمیان حائل ہوگئی۔

اور وہ دو کام یہ تھے کہ ایک دن میں نے اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں چرانے والے نوجوان ساتھی سے کہا کہ آج رات بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرنا تا کہ میں مکہ شہر جا کر افسانہ گوئی کی مجلس میں شرکت کرسکوں اور اسے سن سکوں چنانچہ جوں ہی میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو پہلا گھر جو راہ میں پڑتا تھا، اس سے مزامیر، طبلوں اور دیگر آلات لہو و غنا کی آواز سنائی دینے لگی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بتلایا کہ فلاں مرد کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہو رہی ہے میں بھی اس گھر میں داخل ہو گیا اور وہ تماشا دیکھنا چاہا لیکن بیٹھتے ہی مجھ پر نیند کو اس قدر غالب اور مسلط کر دیا گیا کہ طلوع آفتاب تک آنکھ ہی نہ کھل سکی اور جب آنکھ کھلی تو محفل برخاست ہو چکی تھی۔ اس طرح دوسری دفعہ بھی قصد اور ارادہ کیا لیکن نیند میرے اور افسانہ [illegible]ر مزامیر سننے کے درمیان حائل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی عصمت اور حفاظت کی بدولت جاہلیت والے اس کام سے محفوظ و مامون رہا اور اس کے بعد ہرگز اس قسم کا خیال بھی میرے قریب نہیں پھٹکا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے منصب پر فائز فرما دیا اور اس عصمت کو دوبالا فرما دیا۔ لیکن احکام شریعت جاننے اور انہیں دریافت کرنے کی طلب اور پیاس بعثت سے قبل انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی ہے اور وہ راہ حق کی تلاش اور جستجو میں رہتے ہیں اور لفظ ضلال استعمال کرنے کے لیے یہ تلاش اور پیاس کافی ہے جیسے کہ بیان ہو چکا"۔

صاحب دلائل نبوت نے اس روایت کو مفصل طور پر نقل کرتے ہوئے آخر میں نقل

فرمایا:

فواللہ ماهممت ولاعدت بعدها لشئی من ذالك حتی اکرمنی اللہ عزوجل

بنبوته۔ (دلائل النبوة جلد دوم ص ۳۴)

بخدا میں نے نہ اس کے بعد ارادہ کیا اور نہ ایسے کسی امر کی طرف رجوع کیا حتی کہ اللہ

تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت کا شرف عطا کیا۔

نوٹ:

اس حدیث کو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے خصائص کبریٰ میں، امام حاکم علیہ الرحمہ نے مستدرک میں، اور حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے البدایہ والنھایہ میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ نیز شفا شریف (جلد اول ص ۸۰) پر بھی یہ روایت موجود ہے۔

الغرض ان تمام تفسیری اقوال میں نبوت سے غفلت اور اس کا طمع و لالچ اور امید و آرزو کا نہ ہونا، پیرانِ کہن سال سے ملت ابراہیمی کی اتباع کا لزوم و وجوب معلوم کرنا پھر جس قدر اس کے اعمال و افعال معلوم ہو سکے ان پر عمل کا التزام، مزید براں کے لیے تلاش و تجسس اور بے قراری اور بے تابی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کے ساتھ سرفرازی اور وحی و الہامات کے ذریعے رہنمائی وغیرہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ آغازِ ولادت سے منصب نبوت پر فائز نہیں تھے بلکہ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مرتبہ و مقام عطا فرمایا۔ کم از کم ان اکابر اسلاف کا نظریہ یہی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اکابر نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے یہی سمجھا اور یہی سمجھایا ہم بھی الحمدللہ ان اکابر کے مقتدی اور متبع ہیں اور ان کے دامن سے وابستہ اور متمسک ہیں۔ اور ان کی راہ پر گامزن ہیں جو کہ صراط مستقیم اور صراط الذین انعمت علیھم ہے والحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبه وآله وصحبه اجمعین۔

بابِ سوم

چالیس سال بعد حصول نبوت پر احادیثِ طیبہ سے دلائل

نبی کریم ﷺ کی اپنی شہادت:

فائدہ:

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا اور ان تفسیری اقوال اور تائید میں پیش کی جانے والی طویل حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ وقت ولادت سے بالفعل نبی نہیں تھے بلکہ عملی طور پر آپ کو نبوت عرصہ بعد عطا کی گئی اور اس معاملہ میں ان اکابر کا عقیدہ و نظریہ بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا جن کا اہل سنت ہونا بلکہ اہل سنت کا مقتدا اور پیشوا ہونا مسلم حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ عرصہ دراز گزارنے کے بعد نبوت و رسالت والے اعزاز کے ساتھ معزز و مکرم ٹھہرائے گئے۔

نیز نبی مکرم ﷺ نے نبی بنائے جانے والے اعزاز کو بطور غایت مرتبہ ذکر کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت اس وقت متحقق نہیں تھی جس دوران آپ نے افسانوی محفل میں شامل ہونے کا قصد اور ارادہ فرمایا تھا اور نہ ہی اس کے عرصہ بعد تک نبوت آپ کو حاصل تھی اور چونکہ ایسے امور سے عصمت اور تحفظ کا تعلق نبوت سے ہوتا ہے نہ کہ اعلان نبوت سے یعنی جس نے منصب نبوت پہ فائز ہونا ہو اللہ تعالیٰ اس کو حصول نبوت سے قبل بھی اور بعد بھی ناموزوں اور ناپسندیدہ امور کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اسی پر علمائے امت کا اجماع اور اتفاق ہے تو واضح ہو گیا کہ آپ اس عرصہ میں ایسے امور کے ارتکاب سے محفوظ رہے اور محفوظ رہنے پر نفس نبوت کے حصول کو مترتب فرما رہے ہیں نہ کہ اعلان نبوت اور اظہار نبوت کو۔

اہل بیت کی شہادت:

نیز یہ روایت مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو ان کا عقیدہ اور نظریہ بھی واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ بچپن سے منصب نبوت پر فائز نہیں تھے بلکہ بہت عرصہ بعد اس منصب پر آپ کو فائز کیا گیا اور آپ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا اصحمہ نجاشی کے سامنے بیان فرمانا کہ آپ نبوت سے قبل ہم میں چالیس سال قیام پذیر رہے نظر نواز ہو چکا اور یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے و منقول ہے چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ روایت ہے:

(۱) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال بعث رسول الله ﷺ لاربعين سنة فمكث بمكة ثلاث عشر سنة يوحى اليه ثم امر بالهجرة فهاجر عشر سنين و مات وهو ابن ثلاث و ستين سنة

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے جبکہ آپ پر وحی نازل ہوتی رہی پھر آپ کو ہجرت فرمانے کا حکم دیا گیا اور آپ نے دار ہجرت مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا"

(۲) عنه قال اقام رسول الله ﷺ بمكة خمس عشر سنة يسمع الصوت يا محمد ويرى الضوء سبع سنين ولا يرىٰ شيئا و ثمان سنين يوحىٰ اليه و اقام بالمدينة عشراو توفى وهو ابن خمس و ستين سنة متفق عليه

(مشكوة باب المبعث و بدء الوحى)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے اس حال میں کہ آواز سنتے تھے کہ کہنے والا یا محمد کہہ کر پکار رہا ہے اور

روشنی دیکھتے تھے سات سال تک اور آواز دینے والا اور روشنی دینے والا کوئی جوہر آپ کو نظر نہیں آتا تھا اور آٹھ سال اس حالت میں قیام پذیر رہے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور (بعد از ہجرت) مدینہ منورہ میں دس سال اقامت گزیں رہے اور پینسٹھ سال کی عمر شریف میں آپ کا وصال شریف ہوگیا"

تنبیہ:

شیخ محقق فرماتے ہیں یہ روایت صحیح مسلم شریف میں ہے بخاری شریف میں نہیں ہے لھذا متفق علیہ کہنا مناسب نہیں ہوگا۔

قال محمد بن اسماعیل البخاری ثلاث و ستین اکثر۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف کے متعلق (پینسٹھ ،ساٹھ اور تریسیٹھ کی روایات ہیں مگر) تریسٹھ سال والی روایت اکثر ہے اور وہی معتمد علیہ ہے

(۳) پہلی روایت میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال نزول وحی کا عرصہ بتایا گیا ہے اور اس میں آٹھ سال کا جبکہ سات سال تک یا محمد ﷺ کی ندائیں سنائی دیتی رہیں اور نور وضیاء کا مشاہدہ ہوتا رہا لیکن سیرت اور احادیث کی دوسری کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ندائیں سننے اور فقط روشنی دیکھنے والی کیفیت نبوت کے دورانیے سے پہلے تھی نہ کہ ظہور نبوت کے دوران چنانچہ شیخ محقق فرماتے ہیں:

ایں حدیث دلالت دارد برآنکه شنیدن آواز و دیدن روشنائی بعد از نبوت بود در مدت اقامت بمکه که پانزده سال بود و از کتب سیر و احادیث دیگر معلوم میشود که ایں حال پیش از ظهور نبوت بود۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۰۵)

لھذا مختار اور معتمد علیہ قول وہی ہوا جو پہلی متفق علیہ روایت سے اور دیگر کتب سیرت

سے اور احادیث سے معلوم ہو رہا ہے اور ثابت ہو رہا ہے اور اس طرح کی ندائیں آنے اور نور و ضیاء کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں:

حکمت ازاں تحصیلِ استیناس و ایتلاف بعالمِ ملکوت بود ظہور آں یکایک سببِ انہدام بنائے بشریت و اضمحلالِ رسومِ انسانیت نگردد و باوجود حصولِ استقرار و تمکین در وقت وحی در بعضے اوقات از ثقل و تعب از خود میرفت۔ (اشعۃ اللمعات ص ۵۰۵)

یعنی ان نداؤں اور روشنیوں کے سننے دیکھنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کو عالمِ ملکوت کے ساتھ انس اور الفت حاصل ہو جائے تا کہ وحی کا یک دم ظہور اور نزول بشریت کی بنیاد اور رسوم انسانیت کے مضمحل ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ (روشنیوں اور نداؤں کے دیکھنے، سننے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے) استقرار اور تمکین کے باوجود نزول وحی کے وقت بعض اوقات میں اس کے بار گراں اور تھکن کی وجہ سے آپ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتے تھے (تو اچانک وحی کا نزول ہوتا تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟)

فائدہ عظیمہ:

عمر شریف کے اڑتیں اور چالیس سال گزرنے پر بھی نزولِ وحی سے قبل عالمِ ملکوت کے ساتھ مانوس کرنے اور ربط و تعلق کی استعداد و صلاحیت اور اہلیت و قابلیت پیدا کرنے کے لیے اگر اس حکمتِ حکیمانہ اور تدبیر لطیف کی ضرورت تھی تو معلوم ہوا کہ پہلے آپ عملی طور پر اور بالفعل نبی نہیں تھے ورنہ عمر شریف کا دو تہائی حصہ تقریباً آپ نبی تو ہوں مگر عالمِ ملکوت کے ساتھ آپ کو انس و الفت نہ ہو اور نہ ہی ربط و تعلق حاصل ہو کیا کوئی عقلمند اس کا تصور کر سکتا ہے؟

(۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت میں عظیم تر محدثہ اور

حافظہ ہیں۔ محبوب کریم ﷺ کی محبوب ترین بیوی ہیں اور درجہ محبوبیت پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ سے مشکل مسائل اور لاینحل عقدوں کے متعلق سوال کرنے اور جواب حاصل کرنے کی کامل جرات اور ہمت رکھتی تھیں تو اس معاملہ میں ان کی روایت اور رائے کو حرف آخر سمجھنا چاہیے۔ آپ کا ارشاد ملاحظہ فرماویں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت اول مابدأ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصادقۃ فکان لا یری رؤیاالا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلوابغار حرأ فیتحنث فیہ و ھو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الیٰ اھلہ ویتزود لذالک ثم یرجع الیٰ خدیجۃ فیتزود لمثلھا حتی جاء ہ الحق وھو فی غار حرا فجاء ہ الملک فقال اقراء) الحدیث۔

خلاصہ مفہوم یہ کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی اور جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے سفیدہ کی طرح واضح اور آشکارا طور پر آپ کے سامنے آجاتی اور پھر آپ کے دل میں خلوت اور گوشہ نشینی کی محبت ڈال دی گئی چنانچہ آپ نے اس کے لیے غار حراء کا انتخاب کیا اور چند دن کا توشہ ہمراہ لے جاتے اور پھر حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور اس طرح توشہ ہمراہ لے جاتے حتیٰ کہ حق آپ کے پاس آپہنچا جبکہ آپ غار حرا میں تھے پس فرشتہ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اقرء الخ۔

فائدہ:

تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ رویائے صادقہ صالحہ کا سلسلہ آپ کو چالیس سال کی عمر شریف کے قریب پیش آیا اور چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی۔ اگر عمر شریف کے پہلے عرصہ میں بھی آپ منصب نبوت پر فائز تھے تو یہ سلسلہ بچپن سے شروع ہونا چاہیے تھا۔ اس قدر تاخیر اور التوا کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ کیونکہ اقسام وحی میں یہ

سب سے نچلا اور بآسانی اور قابل برداشت وحی کا قسم تھا۔ اور جب یہ قسم بھی پہلے نہیں پایا گیا تو وحی کے دوسرے اعلیٰ اور شدید مراتب و درجات کا ثبوت و تحقق کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ اور بغیر وحی کے کسی ہستی کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ نبی کی ذات اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان افادہ اور استفادہ اور افاضہ و استفاضہ کے لیے واسطہ اور وسیلہ ہوتی ہے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی تہذیب نفس اور تزکیہ و تصفیہ فرماتا ہے پھر مخلوق کی تہذیب اور تزکیہ کا فریضہ سونپتا ہے تو لامحالہ اس پر وحی کا نزول ہونا چاہیے۔

نبوت و رسالت میں فرق، شیخ محقق کے الفاظ میں:

شیخ محقق علیہ الرحمہ، حدیث رسول اللہ ﷺ کہ "انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ان میں سے مرسل تین سو پندرہ ہیں" کے تحت فرماتے ہیں۔

"نبی وہ جس پر وحی نازل ہوتا کہ اس کو لوگوں تک پہنچائے (لیکن کتاب اس پر نازل نہ ہو) اور رسول وہ جس پر کتاب بھی نازل ہو"

اور محدثین کا مذہب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مذہب محدثان آنست کہ آنحضرت ﷺ در مدت شش ماہ بمرتبہ نبوت مخصوص بود و مکلف بود بتهذیب نفس شریف خود خاصۃً پس ازاں مامور گشت بدعوت و ابلاغ کہ نزد ایشاں معنی رسالت است و نبی بمذہب ایشاں لازم نیست کہ داعی و مبلغ باشد بلکہ اگر وحی کردہ شود بسوئے وے در خاصہ نفسی وے بس است کما تقرر فی موضعہ۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۶۳۶)

"محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبہ نبوت تک محدود اور مخصوص تھے اور صرف اپنے نفس کی تہذیب و تربیت کے مکلف تھے بعد ازاں آپ دعوت خلق اور تبلیغ پر

مامور ہوئے جو کہ ان (محدثین) کے نزدیک منصبِ رسالت ہے اور ان کے مذہب میں نبی کے لیے داعی اور مبلغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر اس کی طرف وحی کی جائے صرف اس کی اصلاح نفس کے لیے تو یہ بھی اس کے نبی ہونے کے لیے کافی ہے کما تقرر فی موضعه

لہذا کسی مذہب پر بھی پہلی وحی سے قبل آپ کو نبی تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی نہ محدثین کے مذہب پر اور نہ علمائے کلام کے مذہب پر۔

محبوب کریم ﷺ کا فرمان ہے:

الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ

(متفق علیہ)

"سچے خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں

اس میں جو نسبت قائم کی گئی ہے اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق فرماتے ہیں:

اما وجہ تخصیص بعدد ستۃ و اربعین آنست کہ زمان نبوت بست و سہ سال است و ابتدائے وحی برؤیائے صالحہ بود آں در مدت شش ماہ بود و نسبت شش ماہ بابیست و سہ سال نسبت یکے بچھل و شش است این سخن مشہور است میان مردم۔

یعنی لوگوں میں معروف اور مشہور وجہ اس نسبت کی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کا عرصہ تیئس سال ہے اور سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ ہے اور چھ ماہ کی تیئس سال کے ساتھ ایک اور چھیالیس والی نسبت ہی بنتی ہے"

اس پر علامہ تورپشتی کا اعتراض نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ حصر مدت وحی در بیست و سہ سال مسلم است و وارد است در روایات معتدبہا باختلافے کہ درست الخ

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۶۳۶)

وحی کی مدت کا حصر کرنا تیس سال میں تو مسلم ہے اور معتد بہ روایات میں وارد ہے باوجود اختلاف کہ جو روایات میں ہے (کہ نبی مکرم ﷺ کی مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد اقامت کی مدت تیرہ سال ہے جیسے کہ مشہور اور مختار ہے اور بعض روایات کے مطابق دس سال اور بعض کے مطابق پندرہ سال ہے)

لیکن سچے خوابوں کا عرصہ چھ ماہ ہونا ایسا امر ہے جو قائل نے اپنے اندازے اور تخمینے کے تحت بیان کیا ہے کوئی نص اور روایت اس کی تائید نہیں کرتی۔

الغرض مذہب مشہور اور مختار کے مطابق وحی کی کل مدت تیس سال ہے اور بیس اور پچیس کا قول بھی موجود ہے مگر وحی کی عمر تریسٹھ سال ہونے کا کہیں بھی نام ونشان نہیں ملتا اور جمہور کے مذہب کے مطابق بھی ابتدائے نبوت یہیں سے ہی مانی جاسکتی ہے نہ کہ اس سے قبل۔

لطیفہ عجیبہ ونکتہ غریبہ:

عصر حاضر کے "محققین" تو ولادت باسعادت ہی کے روز سے آپ کے نبی ہونے پر مصر ہیں جب کہ علمائے اعلام اور اکابرین ملت کا اس پر بھی اجماع اور اتفاق ثابت نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول پر آپ بالفعل اور عملی طور پر نبی بن چکے تھے؟

ورنہ ورقہ بن نوفل کے صحابی ہونے میں اکابرین کا اختلاف نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے صورتحال سن کر عرض کیا تھا:

هذا الناموس الذی انزل الله علی موسیٰ الحدیث

"یہ وہ فرشتۂ مقدس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، اے کاش میں اس وقت مضبوط اور توانا جوان ہوتا جبکہ تمہاری قوم تمہیں مکہ مکرمہ سے نکال دے گی۔"

بعد ازاں نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

ان یدرکنی یومک انصرک نصراً موزرا

اگر میں نے وہ وقت پایا جب آپ قوم کو دعوت اسلام دیں گے اور وہ آپ کو ایذائیں دے کر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے تو میں پوری قوت اور توانائی کے ساتھ آپ کی مدد کروں گا"

(مشکوٰۃ: باب المبعث و بدء الوحی اور کتاب الرویا) کی روایت ہے

(فقالت له خدیجة انه کان صدقك و لکن مات قبل ان تظهر)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کی نبوت کے شیوع اور غلبہ سے پہلے وفات پا گئے تو ان کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے کہ وہ مومن اور جنتی ہیں یا کافر اور دوزخی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اریته فی المنام و علیه ثیاب بیض ولو کان من اهل النار لکان علیه لباس غیر ذالك) (رواه احمد و الترمذی)

"مجھے وہ خواب میں دکھلائے گئے جبکہ ان کا لباس سفید تھا اور اگر دوزخی ہوتے تو ان کا لباس اس طرح نہ ہوتا بلکہ اس سے مختلف لباس ہوتا"

شیخ محقق فرماتے ہیں:

بدآنکه در ایمان ورقه بآں حضرت ﷺ خلافے نیست و لیکن در صحبت اختلاف است اگر این واقعه بعد از ثبوت نبوت است صحابی است واگر از مبادی احوال است چنانکه ظاهراست صحابی نیست واللہ اعلم۔

(اشعة اللمعات جلد چهارم ص ۵۰۹)

"یقین رکھو کہ ورقہ بن نوفل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں کوئی اختلاف نہیں

ہے لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، اگر یہ واقعہ نبوت کے ثبوت اور تحقق کے بعد کا ہے تو پھر وہ صحابی ہیں اور اگر آپ کی نبوت کے ابتدائی احوال سے ہے جیسے کہ ظاہر یہی ہے تو پھر وہ صحابی نہیں ہیں"

اقول:

شیخ محقق اور ان سے سابق اکابرین ملت جو حضرت ورقہ کے صحابی ہونے میں اختلاف رکھتے ہیں کیا ان کے نزدیک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغازِ ولادت سے نبی مانا جاسکتا ہے اور کیا وہ یہ عقیدہ رکھ سکتے تھے؟ ہے کوئی مائی کا لال جو اس شک و تردد اور اضطراب و تذبذب کے شکار حضرات کو اہلِ سنت کے زمرہ سے خارج کرے؟

پھر جن اکابرین نے ان کے صحابی ہونے کا اس وجہ سے انکار کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل اور عملی طور پر نبی نہیں تھے تو ان پر فتویٰ لگانے والا کوئی ہے اور کسی نے کیا ایسی جسارت کی ہے؟ بینوا فتوجروا۔

علاوہ ازیں شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک اس صورت حال کا مبادیات نبوت سے قرار دیا جانا راجح اور مختار معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ان کے یہ الفاظ:

اگر از مبادی احوال است چنانکه ظاهر است۔

اس پر دلالت کر رہے ہیں تو اس صورت میں بالخصوص شیخ محقق کی اہل سنت میں گنتی کرنے کا کوئی جواز ان محبوں کے نزدیک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اس حالت میں بھی آپ کی نبوت کا عقیدہ اور اس کا پختہ یقین نہیں رکھتے چہ جائیکہ پہلے عرصہ میں کیا ہمارے مہربان ان کو بھی (حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) کے منکر ٹھہرائیں گے یا اس سے جاہل اور بے خبر؟ نعوذ باللہ تعالیٰ

(۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا معمول اور عادت جاریہ:

اخرج ابو نعیم عن علقمة بن قیس قال ان اول ما یوتی به الانبیاء فی المنام حتی تهدء قلوبهم ثم ینزل الوحی بعده (خصائص جلد اول ص ۹۳)

''حضرت علقمہ تابعی سے محدث ابو نعیم نے نقل کیا کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو نیند کی حالت میں وحی کی جاتی ہے تا کہ ان کے قلوب مطمئن اور پرسکون ہو جائیں اس کے بعد بیداری میں ان پر وحی نازل ہوتی ہے''

فائدہ:

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بالعموم انبیاء علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا معمول، طریقۂ جاریہ اور سنت دائمہ یہی ہے کہ سچے خوابوں کے ساتھ ان پر وحی کا آغاز فرماتا ہے تا کہ ملکِ وحی اور نزول نبوت کے متحمل ہو سکیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو فضا میں کرسی پر پوری عظمت وجلالت کے ساتھ بیٹھے دیکھا اور آپ اس سے مرعوب ہو گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور پھر جناب ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لائیں اور ساری صورت حال آپ کی ان کو بتائی تو انہوں نے فرمایا:

واللہ انه لصادق و ان هذا لبدأ نبوته و انه لیاتیه الناموس الاکبر فمریه ان لایجعل فی نفسه الا خیرا (خصائص جلد اول ص ۹۷)

''بخدا آنجناب سچے ہیں اور یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے اور بیشک ان کے پاس ناموس اکبر (جبرئیل امین) آتے ہیں لہذا ان سے کہیے کہ اپنے متعلق خیر اور بہتری کا یقین رکھیں'' (اور ہرگز پریشان نہ ہوں)

(۷) عن برة بنت ابی تجرلة قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اراد اللہ

کرامته و ابتدأ ہ بالنبوۃ (الیٰ) فلا یمر بحجر ولاشجر الاقال السلام علیك یار سول الله۔ (الوفا لابن الجوزی، ص ۱۶۰، خصائص براویۃ ابن سعد)

حضرت برہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو بزرگی اور سیادت عطا کرنے اور ان کی نبوت کی ابتداء اور آغاز کا ارادہ فرمایا تو آپ قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو بہت دور چلے جاتے حتیٰ کہ کوئی گھر اور مکان نظر نہ آتا اور گھاٹیوں اور وادیوں میں جا پہنچتے تو جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ عرض کرتا السلام علیك یا رسول الله

فائدہ:

اگر آپ وقتِ ولادت سے ہی نبی تھے تو اس عمر میں یہ اکرام و اعزاز اور ابتدائے نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ فرمانے کا مطلب کیا ہوگا؟

(۸) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بصرہ کے بازار میں حاضر تھا کہ ناگاہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں پکار رہا تھا کہ اس بازار میں تجارت کے لیے موجود لوگوں سے دریافت کرو کہ ان میں سے کوئی شخص اہل حرم سے بھی آیا ہوا ہے میں نے کہا میں اہل حرم سے ہوں تو اس نے دریافت کیا:

هل ظهر احمد بعد قلت ومن احمد قال ابن عبدالله بن عبد المطلب هذا شهره الذی یخرج فیه و هو آخر الانبیاء مخرجه من الحرم و مهاجره الیٰ نخل و حرة و سباخ فایاك ان تسبق الیه (الیٰ) حتی قدمت مكة فقلت هل كان من حدث قالوا نعم محمد بن عبدالله الامین قد تنبأ وقد تبعه ابن ابی قحافه)

(خصائص جلد ۱، ص ۹۹)

"کیا احمد مجتبیٰ ﷺ کا ابھی ظہور ہوا؟ میں نے کہا وہ احمد کون ہیں؟ تو اس نے کہا وہ

عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں یہ ان کے ظہور کا مہینہ ہے اور وہ آخری نبی ہیں ان کا مقام ظہور حرمِ مکہ ہے اور دارِ ہجرت کھجوروں پتھروں اور کلر والی زمین ہے پس تم پر لازم ہے کہ ان کی طرف سبقت لے جاؤ۔ طلحہ فرماتے ہیں میرے دل میں راہب کے کلام نے بہت اثر کیا چنانچہ میں بہت جلد بصرہ سے واپس ہو کر مکہ مکرمہ پہنچا تو میں نے دریافت کیا کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے تو لوگوں نے کہا ہاں محمد بن عبداللہ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابوبکر بن ابوقحافہ نے ان کی اتباع کی ہے تو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو راہب کے قول سے آگاہ کیا جس کے بعد وہ نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ سے عرض کیا تو آپ بہت مسرور ہوئے اور حضرت طلحہ بھی مشرف باسلام ہو گئے"

فائدہ:

راہب کو آپ ﷺ کا نام نامی اور اسم گرامی بھی معلوم تھا اور آپ کے ظہور اور دعوائے نبوت کے مہینہ کا بھی علم تھا اور اگر آغاز ولادت سے ہی حضور اکرم ﷺ جسمانی طور پر اور عملی طور پر نبی تھے۔ تو پھر آپ کے ظہور کیلئے راہب کو اس مخصوص مہینہ کی انتظار کیوں تھی؟ اور چالیس سال سے لوگوں کو اس رشد و ہدایت کے سرچشمہ کی طرف کیوں نہ راہنمائی کی جیسے کہ اب حضرت طلحہ کی راہنمائی فرمائی؟

(۹) عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ سمعت زید بن عمرو بن نفیل یعیب اکل ماذبح لغیر اللہ فما ذقت شیئا ذبح علیٰ النصب حتی اکرمنی اللہ برسالتہ

(خصائص بروایت ابونعیم ص ۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے (موحد جاہلیت حضرت) زید بن عمرو بن نفیل کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے کھانے پر تنقید اور اعتراض کرتے سنا تو میں نے (بتوں کی عبادت کے طور پر ذبح کیے جانے

والے جانوروں کا) کبھی گوشت نہیں چکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت ورسالت کا اعزاز بخشا (اوران ذبیحوں کی حرمت اور قباحت براہ راست مجھ پر واضح فرمائی)

فائدہ:

اگر آپ خود نبی تھے تو آپ کو بذات خود الہام ووحی کے ذریعے یہ حکم معلوم ہونا ضروری تھا حضرت زید بن عمرو سے سن کر کیوں یہ حکم معلوم ہوا؟ بلکہ جب آپ نبی تھے تو ایسے احکام کی تبلیغ بھی کرنی چاہیے تھی تا کہ لوگ آپ سے استفادہ واستفاضہ کرتے اور مقصد نبوت کی تکمیل ہوتی۔ فتامل حق التامل جبکہ اس روایت کی رو سے آپ حضرت زید سے استفادہ فرما رہے ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں۔

(۱۰) عن ابن البراء قال بعث الله محمداً ﷺ و له یومئذ اربعون سنة و یوم الخ (الوفا لابن الجوزی ص۱۶۶)

(۱۱) عن عامر قال نزلت علیه النبوة ﷺ وهو ابن اربعین سنة الخ (ایضاً ص۱۷۲)

(۱۲) عن ابی عبدالرحمٰن کان رسول الله ﷺ یدعو من اول ما نزلت علیه النبوة ثلاث سنین مستخفیا الیٰ ان امر ان یصدع بما جاءه من عندالله وان یظهر الدعوة۔ (الوفا ابن الجوزی ص۱۸۱)

تینوں روایات کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ آغازِ نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے حتیٰ کہ پھر آپ کو کھل کر وحی اور نبوت اور اسلام کی طرف علانیہ دعوت دینے کا حکم دیا گیا، اور خفیہ طور پر دعوت دینے کا عرصہ حصول نبوت کے بعد تین سال تک تھا اور حصول نبوت کا وقت عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونیوالا وقت تھا یا ایک دن اوپر جیسے کہ حضرت ابن البراء کی روایت سے ثابت ہے۔

باب چہارم

علماء اسلام اور اکابرین ملت کی تصریحات اور اجماع امت

(۱) امام نووی علیہ الرحمہ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

الصواب انه صلی اللہ علیہ وسلم بعث علی رأس الاربعین سنة هذا هو المشهور الذی اطبق علیه العلماء و قال السهیلی رحمة الله تعالیٰ انه الصحیح عند اهل السیر والعلم بالاثر

(سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد مولفه شیخ محمد بن یوسف شامی الصالحی)

حق اور صواب یہ ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال عمر شریف کے گزارنے پر مبعوث ہوئے اور یہی مشہور ہے جس پر علماء کرام کا اتفاق ہے اور سہیلی فرماتے ہیں اہل سیرت اور آثار کا علم کا رکھنے والے حضرات کے نزدیک یہی صحیح ہے"

(۲) علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فلما تمت له اربعون سنة نبیٔ فجاء ه الوحی

(الوفاء باحوال المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ التحیۃ والثناء ص ۱۰۲)

(۳) علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال محمد ابن اسحاق فلما بلغ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة بعثه الله تعالیٰ رحمة اللعالمین (السیرة النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۴۹)

"جب آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوئی تو آپ کو نبی بنایا گیا پس آپ کے پاس وحی آئی"

(۴) علامہ علی بن برہان حلبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لما بلغ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اربعین سنة بعثه الله تعالی رحمة اللعالمین

جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ (السیرة الحلبیة جلد اول ص ۳۶۲)

(۵) امام المحدثین علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انزلت علیه ﷺ النبوة وهو ابن اربعین سنة

''جب آپ ﷺ چالیس سال کے تھے تو آپ پر نبوت نازل کی گئی''

(فتح الباری شرح البخاری جلد اول ص ۲۷ سیر اعلام النبلاء ص ۶۶)

(۶) علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بعث رسول ﷺ لاربعین سنة رواه عبدالله بن عباس رضی الله عنه

(سیر اعلام النبلاء جلد اول ص ۶۶)

(۷) علامہ زین الدین عبدالرحیم العراقی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

حتی اذا ما بلغ الرسول الاربعین جاءه جبرئیل

اقام فی مکة بعد البعثة ثلاث عشرة بغیر مریة

(الفیة السیرة النبویة ص ۴۰، ۳۴، شعر: ۷۸، ۹۲)

''یعنی جب رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے بعدازاں آپ مکہ مکرمہ میں بلا شک وشبہ تیرہ سال قیام پذیر رہے''

(۸) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں:

علی هذا فابتدأ النبوة بالرؤیا وقع من شهر مولده و هو ربیع الاول بعد اکماله اربعین سنة وابتدأ وحی الیقظة وقع فی شهر رمضان (جلد اول ص ۲۶)

یعنی (سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ ہونے کی صورت میں) آپ کی نبوت کی ابتدا عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد سچے خوابوں کے ذریعے ولادت پاک والے

مہینہ یعنی ربیع الاول سے ہوئی اور بیداری والی وحی کی ابتداء رمضان المبارک سے ہوئی۔

ان اول احوال النبیین فی الوحی الرؤیا کمارواہ ابو نعیم فی الدلائل باسناد حسن عن علقمۃ بن قیس صاحب بن مسعود رضی اللہ عنہ ان اول ما یوتیٰ بہ الانبیاء فی المنام حتی تھدأ قلوبھم ثم ینزل الوحی بعد فی الیقظۃ۔

(فتح الباری جلداول ص ۷)

انبیاء علیہم السلام کی ابتدائے وحی خوابوں کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کہ حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو حالت نیند میں وحی کی جاتی ہے تاکہ ان کے دل مطمئن اور پرسکون ہو جائیں بعدازاں بیداری کی حالت میں وحی کا نزول ہوتا ہے۔

(۹) امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال المفسرون لم یبعث نبی قط الا بعد اربعین سنۃو اقول ھذا مشکل بعیسیٰ علیہ السلام فان اللہ جعلہ نبیا من اول عمرہ الا انہ یجب ان یقال الاغلب انہ ماجاءہ الوحی الا بعد الاربعین و ھکذا کان الامر فی حق رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیر کبیر جلد ۲۸ ص ۱۸، ۱۹)

تمام مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے مبعوث نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد مبعوث ہوا میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے یہ قول کرنا مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اول عمر سے ہی نبی بنا دیا تھا مگر (جواب اس اشکال کا یہ ہے) کہ یہ ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کہ اغلب اور اکثر صورت حال یہی ہے کہ ہر نبی کی ذات پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی اور ہمارے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہے (کہ آپ پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی)

اقول:

امام رازی بجائے اس کے مفسرین پر (کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) کے ساتھ بھی اعتراض کرتے الٹا انہوں نے آپ کے چالیس سال بعد نبی ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ "محققین عصر" امام رازی علیہ الرحمہ کو کیا کہیں گے؟

(۱۰) امام محمد ابن عبداللہ المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(لا خلاف فی انه ﷺ بعث و هو ابن اربعین سنة و اختلف ابن کم مات

(عارضۃ الاحوذی بشرح الترمذی جلد۱۳ ص۹۴)

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اسوقت مبعوث ہوئے جبکہ چالیس سال کے تھے اور وصال شریف کس عمر میں ہوا اس میں اختلاف کیا گیا ہے (ساٹھ، تریسٹھ اور پینسٹھ سال کے اقوال اور روایات موجود ہیں)

(۱۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ قول باری تعالیٰ ﴿فقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

لبث النبی ﷺ فیهم قبل الوحی اربعین سنة ثم اوحیٰ الیه فاقام بمکة بعد الوحی ثلاث عشرة سنة ثم هاجر فاقام بالمدینة عشر سنین وتوفی وهوابن ثلاث و ستین سنة کذاروی مسلم عن بن عباس رضی الله عنهما الخ۔

قال محمد بن یوسف الصالحی اتفق العلماء علیٰ انه ﷺ اقام بالمدینة بعد الهجرة عشر سنین و بمکة قبل النبوة اربعین سنة وانما الخلاف فی قدر اقامته بمکة بعد النبوة قبل الهجرة والصحیح انه ثلاث عشرة سنة الخ

(تفسیر مظہری جلد۵ ص۱۵)

خلاصہ یہی ہے کہ علمائے اعلام اور اکابرین اسلام کا اس پر اتفاق ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں ہی مروی ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ نبوت سے قبل چالیس سال مکہ

شریف میں قیام پذیر رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ پاک میں دس سال قیام فرما رہے، اور راجح اور مختار اور صحیح یہی ہے کہ آپ نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرما رہے۔

اقول:

متفق علیہ اور اجماعی امر ٹھکرانے اور اس کی مخالفت کرنے کا نہ از روئے شرع کوئی جواز ہے اور نہ اخلاقی لحاظ سے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ کتاب وسنت کی طرح اجماع امت بھی شرعی دلیل ہے جس کے ذریعے اعتقادی اور عملی احکام ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت علقمہ کے بیان فرمودہ ضابطہ کی رو سے جب رؤیائے صادقہ کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے لیے عمر شریف کے اکتالیسویں سال میں ثابت ہے تو آپ کی نبوت کا آغاز بھی اکتالیسویں سال سے ہی ثابت ہوگا نہ کہ ابتدائے ولادت سے۔

(۱۲) ابوعبدالملک البونی فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری علیہ الرحمہ نے باب بدء الوحی قائم کیا اور پہلی روایت انما الاعمال بالنیۃ ذکر فرمائی تو باب اور عنوان اور اس حدیث نیت میں باہم مناسبت کیا ہے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انما الاعمال بالنیۃ وان بدأ الوحی کان بالنیۃ لان اللہ تعالیٰ فطر محمدا ﷺ علی التوحید و بغض الیہ الاوثان و وھب لہ اول اسباب النبوۃ و ھی الرؤیا الصالحۃ فلما رأی ذالک اخلص الی اللہ تعالیٰ فی ذالک فکان یتعبد بغار حراء فقبل اللہ عملہ و اتم لہ النعمۃ۔

(بدء الوحی کے عنوان اور انما الاعمال بالنیات میں مناسبت یہ ہے) کہ وحی کا آغاز نیت کی وجہ سے ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد کریم ﷺ کو فطری طور پر توحید کی معرفت بخشی اور اوثان واصنام

کے ساتھ بغض وعداوت کو فطری طور پر آپ میں پیدا کیا۔ اور آپ کو نبوت کے اسباب میں سے پہلا سبب یعنی رویائے صالحہ عطا فرمایا جب آپ نے وہ سچے خواب دیکھے تو آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اور مختص کر دیا تب غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس عمل کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کے لیے (اپنے فضل وکرم سے) اپنی نعمت (نبوت) کو مکمل فرما دیا"

(۱۳) علامہ مہلب عنوان اور پہلی حدیث میں مناسبت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

قصد البخاری الاخبار عن حال النبی ﷺ فی حال منشائه و ان اللہ بغض الیه الاوثان وحبب الیه خلال الخیر و لزوم الوحدة فراراً من قرناء السوء فلما التزم ذالك اعطاه اللہ علیٰ قدر نیته و وهب له النبوة کما یقال الفواتح عنوان الخواتم

(و لخصه بنحو من هذا القاضی ابو بکر بن العربی)

"امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصد ہے نبی مکرم ﷺ کے آغاز ولادت اور بچپن کی حالت کو بیان کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اصنام کو آپ کے نزدیک مبغوض اور قابل نفرت ٹھہرایا اور اچھی عادات اور خصلتیں اور برے ساتھیوں سے فرار کی خاطر خلوت اور گوشہ نشینی کا التزام محبوب اور مرغوب ٹھہرایا۔ جب آپ نے ان امور کا التزام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی نیت کے مطابق عطاؤں سے نوازا اور آپ کو نبوت عطا فرمائی جیسے کہ کہا جاتا ہے آغاز انجام کا عنوان ہوتا ہے (تو ان امور کا التزام آپ کے لیے حصول نبوت کا ذریعہ بن گیا)

علامہ قاضی ابوبکر بن العربی نے بھی اسکا خلاصہ اسی طرح بیان کیا ہے (امام مہلب سے موافقت فرمائی ہے)

(۱۴) علامہ ابن المنیر نے بھی امام بخاری کے قائم کردہ عنوان (بدء النبوة) اور

ذکر کردہ پہلی حدیث کے درمیان مناسبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کانت مقدمة النبوة فی حق النبی ﷺ الھجرة الیٰ اللہ تعالیٰ بالخلوة فی غار الحراء فناسب الافتتاح بحدیث الھجرة

(فتح الباری جلد اول ص ۸ و کذا فی عمدة القاری جلد اول ص ۱۷)

نبی کریم علیہ الصلوة والسلام کے حق میں آپ کی نبوت کا مقدمہ اور سبب حصول تھا آپ کا اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنا، یعنی غار حرا میں خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا تو اس طرح بدء الوحی والے باب کی اس حدیث ہجرت کے ساتھ مناسبت ثابت ہوگئی

کیونکہ ہجرت دو قسم کی ہوتی ہے ہجرت از وطن جو ہجرت ظاہرہ ہے اور ہجرت در وطن یعنی مالوفات نفسی کا ترک اور ان سے گریز جو کہ ہجرت باطنہ ہے اور نبی مکرم ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار فرما کر ہجرت کی دوسری قسم اختیار فرمائی تھی)

الغرض ان اکابر کے ارشادات سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ رویائے صادقہ اور غار حرا میں خلوت گزینی کے بعد آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور یہ خلوت اور گوشہ نشینی حصول نبوت کا مقدمہ اور بنیاد بن گئی۔

(۱۵) علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ غار حراء میں خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حبب العزلة الیہ لان فیھا سکون القلب و ھی معینة علیٰ التفکر و بھا ینقطع عن مالوفات البشر ویخشع قلبہ و ھی من جملة المقدمات التی ارھصت لنبوتہ و جعلت مبادی لظھورھا (عمدة القاری الامام بدر الدین عینی جلد اول ص ۶۱)

نبی محتشم ﷺ کے لیے عزلت اور گوشہ نشینی کو پسندیدہ اور مرغوب امر ٹھہرایا گیا کیونکہ اس میں سکون قلب ہے اور یہ غور و فکر میں معاون ہوتی ہے اور اس کی بدولت انسانوں کو پسندیدہ

اشیاء سے قطع تعلقی حاصل ہوتی ہے اور دل میں خضوع اور خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ ان مقدمات اور بنیادی امور میں سے ہے جو آپ کی نبوت کے لیے بنیاد بنائے گئے تھے اور اس کے ظہور کے لیے مبدا اور اساس بنائے گئے تھے۔

اقول:

اگر آپ آغاز ولادت سے ہی بالفعل اور عملی طور پر نبی تھے تو چالیس سال بعد اس کے حصول اور وصول کے لیے اس خلوت کو ارہاص و اساس اور مبدا و بنیاد بنانے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟

(۱۶) علامہ بدرالدین عینی قدس سرہ رویائے صالحہ کے ساتھ ابتدائے وحی کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انما ابتدأ بها لئلا يفجاه الملك و ياتيه بصريح النبوة ولاتحتملها القوىٰ البشرية فبدى باوائل خصال النبوة و تباشير الكرامة من صدق الرؤيا مع سماع الصوت و سلام الحجر والشجر عليه بالنبوة ورؤية الضوء ثم اكمل الله له النبوة بارسال الملك فى اليقظة و كشف له عن الحقيقة كرامة له۔ (عمدۃ القاری جلد اول ص ۶۰)

رؤیائے صالحہ کے ساتھ صرف اس لیے وحی کی ابتداء کی گئی تا کہ وحی کا فرشتہ اچانک آپ پر نمودار نہ ہو اور واضح اور صریح نبوت آپ کے پاس نہ لے آئے ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا نبوت کی ابتدائی خصلات اور عزت و تکریم کی شہادت کے ساتھ آغاز کیا گیا یعنی سچے خواب بمع مختلف اطراف سے آوازیں اور ندائیں سننے کے اور پتھروں اور درختوں کے آپ کو منصب نبوت کے ساتھ سلام عقیدت پیش کرنے اور نور وضیاء کے مشاہدہ کرنے کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کو کامل اور مکمل کیا حالت بیداری میں ملک وحی نازل فرما کر اور آپ کے لیے از روئے عزت و تکریم حقیقت حال سے پردہ

ہٹایا اور حجاب اٹھا دیا۔

(۱۷) علامہ امام بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد میں پہلے السلام علیک ایھا النبی اور بعد میں اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ میں وصف نبوت کے تقدم اور وصف رسالت کے تاخر کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیل الحکمۃ فی تقدیم الوصف بالنبوۃ انھا کذالک وجدت فی الخارج لنزول قولہ تعالیٰ اقرء باسم ربك قبل قولہ تعالیٰ یا یھا المدثر قم فانذر

(عمدۃ القاری جلد ۶ ص ۱۱۲)

خلاصہ مفہوم اور حاصل مطلب یہ ہے:

کہ نبی کریم ﷺ کو وصف نبوت کے ساتھ پہلے موصوف کر کے ذکر کرنے (اور وصف رسالت کے ساتھ بعد میں موصوف ٹھہرانے میں) حکمت یہ ہے کہ یہاں ترتیب ذکری کو واقعی اور نفسی الامری ترتیب کے مطابق بنایا گیا ہے، کیونکہ خارج اور نفس الامر میں بھی آپ نبی پہلے تھے بسبب اقراء باسم ربک کے پہلے نازل ہونے کے بہ نسبت ﴿یا ایھا المدثر قم فانذر﴾ کے کہ جس میں آپ کو منصب رسالت پر فائز فرمایا گیا ہے۔

اقول:

جب آپ کی نبوت قول باری تعالیٰ اقرء باسم ربک (العلق:۱) سے ثابت ہو رہی ہے اور اس کا نزول عمر شریف کے اکتالیسویں سال پایا گیا ہے تو لامحالہ آپ کے لیے عمر شریف کے اسی حصہ میں ہی نبوت کا حصول تسلیم کرنا پڑے گا جیسے کہ رسالت کا حصول عمر شریف کے تینتالیس سال بعد تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۱۸) حضرت علامہ امام کمال الدین بن زملکانی علیہ الرحمہ کا ارشاد ملاحظہ فرماویں:

فقد خمدت لنبینا ﷺ نار فارس ولم تخمد الف عام وانما خمدت لمیلاد

ہ وذالك قبل الوحی باربعین سنة۔ (بحوالہ جواہر البحار للعلامہ نبھانی جلد ۲ ص ۱۲۱)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فارس کی آگ بجھ گئی حالانکہ ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی اور کبھی نہیں بجھی تھی اور یہ آگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے موقع پر بجھی اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے چالیس سال قبل رونما ہوا۔

اقول:

نبوت کے لیے وحی کا نزول لازم اور ضروری ہے خواہ وہ اس نبی کی ذات کی تکمیل کے لیے ہو جیسے کہ محدثین کا مذہب ہے یا امت کی تبلیغ کے لیے ہو جیسے علماء کلام کا مذہب ہے اور جب وحی عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر نازل ہوئی تو نبوت بھی اسی وقت سے ثابت ہوگی نہ کہ نبوت کا ثبوت و تحقق پہلے ہو جائے اور وحی کا نزول بعد میں ہو۔

(۱۹) امام شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی کا ارشاد ملاحظہ فرماویں جو انہوں نے قصیدہ ہمزیہ کے اس شعر کی تشریح اور توضیح میں فرمایا ہے:

فاستبانت خدیجة انه ال کنز الذی حاولته والکیمیاء

یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ یہی وہ کنز مخفی اور کیمیا ہیں جن کے حاصل کرنے کا انہوں نے قصد اور ارادہ کر رکھا تھا۔

اشار بذکر ما وقع لخدیجة الیٰ سبب ذالك وهو قصة ابتداء بعثه صلی اللہ علیہ وسلم و حاصلها انه صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغ الاربعین سنة قیل و کسراً بعثه الله تعالیٰ یوم الاثنین کما فی خبر مسلم فی سبع عشر من رمضان و قیل لثمان من ربیع الاول و قیل کان فی رجب رحمة للعالمین و رسولا الیٰ کافة الخلق اجمعین کما قال علیہ السلام ارسلت الی الخلق کافة رواه البخاری وغیره اول ما بدئ به صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة (الیٰ) وابتدئ بها لان الملك لو فجأه بغتة لم تحتمله قواه البشریة و کان یاتی حراء

فیتعبد فی لیالی کثیرة ثم یرجع الیٰ خدیجة فیتزود لمثلها حتیٰ فجأه الحق ای جاء ہ جبرئیل و هو بغار حرا فقال له اقرء قال ما انا بقاری ای لست بقاری قاله امتناعاً لانه صلی اللہ علیہ وسلم کان امیا لایقرء ولا یکتب فغطه حتی بلغ منه الجهد ثم ارسله و قال له اقرء قال ما انا بقاری قاله اخباراً بالواقع فغطه ثم ارسله کذالك قال له اقرء قال ما انا بقاری ای ما الذی اقرء ہ فغطه و ارسله کذالك۔

وحکمة الغط ثم تکریره مزید التاهل الیٰ لقاء الملك لما بین الملکیة والبشریة التباین ثم الیٰ التلقی منه الخ (الیٰ)اخرج الشیخان و غیر هما انه صلی اللہ علیہ وسلم قال جاورت بحراء شهرا ای لا لطلب النبوة فانها موهبة لاتنال بکسب الله اعلم حیث یجعل رسالته فلما قضیت جواری هبطت فنودیت فنظرت فلم ارشینا فرفعت راسی فرایت شیئا لم اثبت له فاتیت خدیجة فقلت دثرونی دثرونی فدثرونی وصبوا علی ماء باردا فنزلت یا ایها المدثر و هذا بعد نزول اقرء باسم ربك و بعد فترة الوحی اذا اول ما نزل علیه اقرء علی الاصح بل الصواب۔

وصح عن الشعبی انه قال انزلت علیه النبوة و هو ابن اربعین سنة فقرن بنبوته اسرافیل ثلاث سنین وکان یعلمه الکلمة ■ الشیء و لم ینزل علیه القرآن علیٰ لسانه فلما مضت ثلاث سنین قرن بنبوته جبرئیل فنزل علیه بالقرآن علیٰ لسانه عشرین سنة و حکمة الفترة ذهاب الروع الذی وجده صلی اللہ علیہ وسلم و مزید تهییجه الی الاشتیاق للعود۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد ثانی ص ۷۷، ۷۸)

خلاصہ مفہوم یہ ہے اور اس سے حاصل استدلال یہ ہے کہ حضرت علامہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال ہوگئی اور بقول بعض چالیس سال سے قدرے زائد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا بروز سوموار سترہ رمضان المبارک کو اور بقول بعض آٹھ

ربیع الاول کو مبعوث فرمایا اور بقول بعض رجب میں عالمین کے لیے رحمت اور تمام مخلوق کے لیے رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کی بعثت کی ابتدا ہوئی جیسے کہ آپ ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ: میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ الی آخرہ

علامہ موصوف نے تصریح فرمادی کہ آپ ﷺ کی بعثت کا آغاز چالیس سال پورے ہونے پر یا اس سے بھی کچھ عرصہ بعد میں ہوا اور امام بخاری علیہ الرحمہ کی نقل کردہ حدیث (اول ما بدء ی بہ رسول اللہ من الوحی الرؤیا الصالحہ) کو اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا اور رؤیائے صالحہ والی وحی کے آغاز کا وقت بھی واضح کر دیا یعنی چالیس سال یا قدرے بعد میں رؤیائے صالحہ والی وحی کا آغاز ہوا نیز رؤیائے صادقہ کے ساتھ آغاز کی حکمت بیان فرمائی کہ اگر اچانک صاحب وحی فرشتہ آپ پر نازل ہو جاتا تو آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے لہذا حکمت الہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ درجہ بدرجہ اس مرتبہ تک رسائی ہو، جبرئیل امین کے بار بار سینہ سے لگا کر دبانے کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ آپ میں فرشتہ کے ساتھ ملاقات کی اہلیت اور استعداد پیدا ہو جائے کیونکہ ملک ہونے اور بشر ہونے میں بہت بڑا تفاوت اور تباین ہے وہ دور ہوگا تب ہی تو ملک وحی سے وحی کے وصول وحصول کی راہ ہموار ہو سکے گی۔

غارِ حرا میں خلوت گزینی اور عزلت نشینی سے پیدا ہونے والے اس توہم کا ازالہ فرمایا کہ یہ مجاہدہ اور ریاضت حصول نبوت کے لیے ہوگا تو فرمایا قطعاً یہ مقصد نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت سراسر موہبت اور عطائے الٰہی ہے مجاہدوں اور ریاضتوں سے اس کا حصول ممکن نہیں ہے قال تعالیٰ ﴿اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ﴾ (الانعام:۱۲۴) اللہ تعالیٰ ہی اس مکان کو بہتر جانتا ہے جس میں رسالت ونبوت کو ودیعت فرماتا ہے۔

اقول:

علامہ موصوف کے نزدیک آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو اب مجاہدہ اور ریاضت اور

خلوت وعزلت کے ذریعے اس کے طلب کرنے کا تو ہم ہی کیسے ہوسکتا تھا اور اس کے ازالہ کی ضرورت کیا ہوسکتی تھی کیونکہ حاصل شدہ چیز کا دوبارہ حاصل کرنا ہر عقلمند کے نزدیک محال اور ناممکن ہے اور تحصیل الحاصل قطعاً جائز اور روا نہیں ہے۔

نیز فرمایا حضرت شعبی تابعی سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ پر چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت نازل ہوئی اور آپ کی نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں حضرت اسرافیل آپ کے قرین اور مصاحب رہے، جو آپ کو ایک کلمہ یا قدرے زائد چیز کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کی زبانی آپ ﷺ پر قرآن پاک کا نزول نہیں ہوا، تین سال گزرنے کے بعد آپ کی نبوت کے قرین اور مصاحب حضرت جبرئیل علیہ السلام بنے اور ان کی زبانی بیس سال کے عرصہ میں آپ پر قرآن مجید کا نزول ہوا اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک آپ کی نبوت کا ظاہری حیات طیبہ کے لحاظ سے کل عرصہ تیئس سال ہے نہ کہ تریسٹھ سال۔

پہلی وحی کے بعد تین سال تک نزول وحی کے توقف اور تعطل کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مقصود یہ تھا کہ جو خوف اور دہشت آپ کو پہلی وحی پر لاحق ہوئی تھی وہ دور ہوجائے بلکہ آپ کے دل میں وحی کے دوبارہ نزول اور ملک وحی کی آمد کا شوق ابھرے اور فراواں ہو۔

الغرض اس کلام حقیقت ترجمان سے بھی نبی کریم ﷺ کے حق میں عالم ارواح اور عالم اجساد کا فرق واضح ہوگیا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت جسمانیہ کا آغاز کب ہوا اور اس کا کل عرصہ جسمانی اور حیات ظاہرہ کے لحاظ سے کتنا تھا وہ بھی واضح ہوگیا لیکن ارباب عقل و دانش پر!!!

یہی امام کبیر شہیر الشہاب احمد بن حجر الهیتمی، النعمة الکبریٰ للعالم بمولد سید ولد آدم میں فرماتے ہیں:

ثم لما بلغ ﷺ اربعین سنة ارسله الله تعالیٰ رحمة للعالمین و رسولاالی

كافة الخلق اجمعين ﷺ۔

یعنی چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (جواهر البحار للعلامة النبهانی جلد سوم ص ۳۲۷)

(۲۰) حضرت امام زین العابدین البرزنجی المدنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

جو کچھ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی مکرم ﷺ پر وحی کی ابتداء رؤیائے صادقہ کے ساتھ ہونے کی حکمت میں اور آپ کی نبوت کے آپ کی رسالت پر مقدم ہونے کے بارے میں فرمایا بالکل وہی مضمون اور وہی حکمت حضرت علامہ برزنجی نے اپنے انداز میں بیان فرمائی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ولما كمل له ﷺ اربعون سنة على اوفق الاقوال لذوى العالمية بعثه الله تعالىٰ للعالمين بشيرا و نذيرا فعمهم برحماه وبدئى الى تمام ستة اشهر بالرؤيا الصادقة الجلية فكان لا يرىٰ رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح اضاء سناه۔ وانما ابتدا بالرؤيا تمرينا للقوة البشرية لئلا يفجاءه الملك بصريح النبوة فلاتقواه قواه و حبب اليه الخلاء فكان يتعبد بحراء الليالى العددية الىٰ ان اتاه فيه بصريح الحق ووافاه وذالك فى يوم الاثنين لسبع عشرة ليلة خلت من شهر الليلة القدرية و ثم اقوال لسبع او لاربع و عشرين معه او لثمان من شهر مولده ﷺ الذى بدا فيه بدر محياه فقال له اقرء (الىٰ) ثم فتر الوحى ثلاث سنين او ثلاثين شهر المشتاق الىٰ انتشاق هاتيك النفحات الشذية ثم انزلت عليه يا ايها المدثر فجاءه جبرئيل بها و ناداه فكان لنبوته فى تقدم اقرء باسم ربك الذى خلق شاهد علىٰ ان لها السابقية والتقدم علىٰ رسالته بالبشارة والنذارة لمن دعاه۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۳۶۹)

یعنی جب نبی مکرم ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو گئے اہل علم کے اقوال

میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے اپنی رحمت کے ساتھ ان کا احاطہ فرمایا اور اس بعثت کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ کیا گیا چھ ماہ مکمل ہونے تک۔ پس آپ کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے مگر اس کی تعبیر صبح تاباں کی مانند واضح طور پر سامنے آجاتی تھی۔ وحی اور بعثت کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ صرف اور صرف قوت بشریہ کو تحمل وحی کا عادی بنانے کے لیے کیا گیا تا کہ ملک وحی کے اچانک واضح اور روشن نبوت کے ساتھ نازل ہونے پر آپ کے قوائے بشریہ اس کے برداشت کرنے سے عاجز نہ آجائیں اور آپ کے دل میں عزلت اور گوشہ نشینی کی محبت پیدا کر دی گئی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں کئی کئی راتیں عبادت الہیہ میں گزارتے یہاں تک کہ اسی غار میں ہی صریح اور حقیقی نبوت کیساتھ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور حق کو آپ ﷺ نے پالیا، جبکہ یہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ اور سوموار کا دن تھا اور یہاں پر اور بھی اقوال ہیں رمضان شریف کی ستائیس تاریخ یا چوبیس تاریخ تھی یا آٹھ تاریخ تھی آپ کی ولادت پاک کے مہینہ کی جس میں آپ کے چہرہ اقدس کا بدر منیر نمودار ہوا۔ اس فرشتہ نے آپ سے کہا اقرء (تا) پھر تین سال تک یا تیس ماہ تک نزول وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا تا کہ آپ کے دل اقدس میں ان نرالی خوشبوؤں کے سونگھنے کا شوق پیدا ہو۔ پھر آپ پر یا ایھا المدثر کو نازل کیا گیا جس کو حضرت جبرئیل لے آئے اور اس پیاری ادا کے ساتھ آپ کو پکارا۔ لہذا اقرء باسم ربك کے تقدم میں آپ کی نبوت کے آپ کی بشارت و انداز کے ساتھ حاصل ہونیوالی رسالت پر سبقت اور تقدم کی شہادت پائی گئی ہے۔

اقول:

امام برزنجی کے اس کلام حقیقت ترجمان سے بھی نبوت کا چالیس سال کے بعد حاصل ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔

(۲۱) حضرت شیخ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری شرح بخاری میں

فرماتے ہیں:

حکی البیهقی ان مدة الرؤیا کانت ستة اشهر و علیٰ هذا فابتداء النبوة بالرؤیا وقع من شهر مولده هو ربیع الاول بعد اکماله اربعین سنة و ابتداء وحی الیقظة وقع فی رمضان (الیٰ) عن الشعبی انزلت علیه النبوة وهوابن اربعین سنة (الیٰ) عن داؤد بلفظ بعث لاربعین و وکل به اسرافیل ثلاث سنین ثم کل به جبرئیل علیه السلام۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۶)

امام بیہقی نے یہ بیان کیا ہے کہ رؤیائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی تو اس بنا پر آپ کی نبوت کی خوابوں کے ذریعے ابتداء آپ کی ولادت باسعادت کے مہینہ ربیع الاول شریف میں ہوئی جبکہ آپ نے عمر شریف کے چالیس سال مکمل کر لیے تھے اور بیداری کی حالت میں وحی کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا۔ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ پر چالیس سال کی عمر میں نبوت کا نزول ہوا اور داؤد نے بھی یوں ہی کہا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام کو آپ کا مصاحب بنایا گیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کا مصاحب ورفیق اور صاحب وحی بنایا گیا۔

(۲۲) الامام الادیب بدر الدین حسن بن عمر بن الحبیب الحلبی، النجم الثاقب فی اشرف المناقب میں فرماتے ہیں:

ولما اتیٰ جبرئیل بالرسالة المعظمة الیه جعل لا یمر بحجر ولا شجر الا سلّم علیه الخ۔ (جواہر البحار جلد سوم ص ۱۲۲)

جب جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس رسالت معظمہ لے آئے تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ (جبکہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ وہ آپ پر وحی کے ساتھ چالیس سال کی عمر شریف کے بعد نازل ہوئے تھے)

(۲۳) حضرت علامہ امام ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کان علیہ الصلوٰۃ والسلام فی اول نبوتہ یدعو الناس سراً الی الاسلام، کان ابو بکر یدعوایضا من یثق بہ من قومہ فلما مضت من النبوۃ ثلاث سنین نزل علیہ، فاصدع بما تومر، فاظھر الدعوۃ۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۸۱)

محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے قابل اعتماد لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے جب آپ پر نبوت کے تین سال گزر گئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ امر نازل ہوا کہ تمہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کھل کر بیان کرو تو آپ نے علانیہ دعوت اسلام دینے کا آغاز کر دیا۔

اقول:

اگر آپ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو پھر خفیہ دعوت دینا آغاز اور ابتدائے نبوت میں کیسے متصور ہے بلکہ وہ تو نبوت کے تقریباً دو تہائی عرصہ گزرنے پر شروع کیا گیا نہ کہ آغاز نبوت میں۔

فلما تمت لہ اربعون سنۃ نبئ فجائہ الوحی واستتر بالنبوۃ ثلاث سنین ثم نزل فاصدع بما تؤمر۔ (الوفا جلد۲ ۱۰۲)

اس عبارت کا معنی اور مفہوم وہی ہے جو پچھلی عبارت کا ہے۔

(۲۴) حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

تا سہ سال حال بریں منوال بود و مامور بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با خفاء این امر و صبر بر آن پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخفیہ دعوت میکرد تا نازل شد این آیت کریمہ، فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین یعنی اظہار کن آنچہ امر کردہ

شدی بداں و آشکارا کن دعوت را و بگرد ان روئے خود از مشرکاں الخ

(مدارج النبوت جلد دوم ص ۳۷)

بعضے گفتہ اند نبوت آنحضرت ﷺ مقدم است بر رسالت وے و بر مذہب محدثین در نبوت تبلیغ و انذار شرط نیست و نزول وحی برائے نفس کافی است چنانکہ سورہ اقرء برائے تعلیم و تکمیل وے نازل شد و آں نبوت است بعد ازاں نازل شد سورہ یا ایھاالمدثر برائے تبلیغ و انداز واین رسالت است ۔

(مدارج النبوت جلد دوم ص ۳۵)

فائدہ:

شیخ محقق کے کلام حقیقت ترجمان سے واضح ہوگیا کہ نزول وحی کے بعد آپ نے خفیہ طور پر تین سال تک لوگوں کو دعوت اسلام اور توحید دی اور اس کے بعد آپ کو علانیہ دعوت دینے کے ساتھ مامور فرمایا گیا اور آپ اس حکم پر عمل پیرا ہوئے مگر قابل غور امر یہ ہے اگر آپ آغاز ولادت سے عملی طور پر نبی تھے تو چالیس سال تک اپنے نبی ہونے کا اخص احباب اور بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ودیگر مخلصین پر اظہار کیوں نہ فرمایا اور کسی طرح بھی دعوت کیوں نہ دی نیز آپ کے فرمان سے واضح ہوگیا کہ آپ کی نبوت پہلے متحقق ہوئی (اقرء باسم ربك) کے ساتھ اور رسالت بعد میں حاصل ہوئی تھی۔

در مواھب لدنیہ گفتہ کہ امام احمد در تاریخ از شعبی آوردہ کہ گفت فرو فرستادہ شد بر آنحضرت ﷺ نبوت بحال آنکہ وے ابن اربعین بود پس قرین شد با نبوت او اسرافیل سہ سال و تعلیم میکرد او را کلمہ و چیزے نازل نمی شد از قرآن بر زبان وے و چوں سہ سال گزشت قرین شد بنبوت او جبرئیل پس نازل شد بروے قرآن بیست سال۔ بدآنکہ علماء وحی را مراتب عدیدہ ذکر کردہ اند اول

رؤیاے صالحہ چنانکہ در حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا آمد « اول ما بدی بہ رسول ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ (تا) و در کتب واقع شدہ کہ آں در شش ماہ بود و در نبوت ایں مدت سخن است۔ واللہ اعلم

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۵،۳۴)

فائدہ:

سچے خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز ہونا اور چھ ماہ تک مسلسل اس وحی منامی کا جاری رہنا تسلیم کرنے کے باوجود حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس مدت میں آپ کا نبی ہونا مختلف فیہ امر ہے تو جب وحی کے اقسام میں سے سب سے نچلا اور کم درجے کا قسم بھی آنحضرت ﷺ کے لیے چالیس سال تک ثابت نہ ہو تو اس عرصہ میں آپ کا نبی ہونا کیسے ثابت ہو گیا اور وہ بھی متفق علیہ اور اجماعی طور پر یا للعجب ولضیعۃ العلم والادب۔

الرؤیا الصالحۃ جزأ من ستۃ و اربعین جزا من النبوۃ حدیث مشہور است و بعضے از برائے عدد ایں روایت مشہورہ کہ ستہ و اربعین است مناسبتے پیدا کردہ اند و گفتہ کہ حق تعالیٰ وحی فرستادہ بسوئے پیغمبر خود ششماہ در منام بعد ازاں وحی فرستاد در یقظہ باقی مدت حیات و دور نبوت ہمہ بست و سہ سال است و نسبت ششماہ با بیست و سہ سال نسبت یک جزو است بچھل و شش ایں وجہ مناسب و معقول است اگر ثابت شود وحی در ابتدائے نبوت ششماہ درمنام بود۔ (مدارج النبوۃ جلد اول ص ۴۰)

فائدہ:

شیخ محقق قدس سرہ کے نزدیک محبوب کریم ﷺ کی نبوت کا دورانیہ تو تیئس سال ہے جس میں شک و تردد اور اضطراب اور تذبذب کی گنجائش نہیں ہے۔ تردد ہے تو صرف اس امر میں

کہ یہ وحی واقعی ابتدائی نوبت میں چھ ماہ تک نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے آتی رہی یا اس کی مدت کم وبیش ہونے کا امکان واحتمال بھی ہے اگر ثابت ہو جائے کہ اس وحی منامی کا دورانیہ پورے چھ ماہ تھا تو پھر رؤیائے صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دینا بالکل درست صحیح اور معقول ہے ورنہ نہیں۔ جیسے کہ علامہ خطابی نے کہا کہ بعض اہل علم نے جو نسبت بیان کی ہے از روئے دلائل ثابت نہیں ہو سکتی اور منامی وحی کی مدت چھ ماہ ہونا کسی حدیث نبوی اور اثر صحابی سے ثابت نہیں ہے، (نیز رؤیا کے متعلق اس سے کم وبیش نسبت والی روایات بھی ہیں اگرچہ مشہور نہیں ہیں)

الغرض نبوت مصطفےٰ ﷺ کا عرصہ اس عشاقان مصطفےٰ ﷺ کے سرخیل اور افضل المحققین کے نزدیک تیئیس سال ہے جو کہ غار حرا کی پہلی وحی سے شروع ہو کر مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام پر ختم ہوا اگر نبوت مصطفوی کا دورانیہ تریسٹھ سال تھا تو ان کو معلوم کیوں نہ ہو سکا؟ نیز ان پر کوئی مائی کالال فتویٰ ضلالت وگمراہی اور کفر کا صادر کر سکتا ہے؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

حضرت ورقہ کے صحابی ہونے میں اکابر کا اختلاف اور شیخ محقق کی رائے:

مزید فرماتے ہیں:

بدانکہ در ایمان ورقہ بآنحضرت ﷺ خلافے نیست و لیکن در صحبت وے خلافے ہست۔ اگر ایں واقعہ بعد ثبوت نبوت است صحابی است و اگر در مبادی احوال است چنانکہ ظاہر است صحابی نیست واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۳۴)

اقول:

افضل المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک حضرت

ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مومن ہونا یقینی ہے کیونکہ انہوں نے آپ کے برحق نبی ہونے کی تصدیق کی اور حضرت جبرئیل کے وحی لانے کی تصدیق کی اور قوم کی مخالفت کے وقت اور ہجرت پر مجبور کرنے کے وقت زندہ ہونے کی صورت میں بھرپور انداز میں امداد و اعانت کرنے کا عزم بالجزم ظاہر کیا۔ لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا بعض صحابیت کے قائل ہیں اور انکی دلیل یہ ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی بن چکے تھے اور کلام مجید کی چند آیات بھی آپ پر نازل ہو چکیں تھیں تو جسے نبی کی ذات کو نبی بننے کے بعد حالت ایمان میں زیارت کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ یقیناً صحابی ہوتا ہے مگر بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور کا ہے اور مبادیات نبوت میں سے ہے ابھی آپ کی نبوت بالفعل ثابت اور متحقق نہیں ہوئی تھی لہذا وہ صحابی نہیں ہیں۔

شیخ قدس سرہ نے بھی اس واقعہ کو مبادیات نبوت سے ہونے کو ظاہر و واضح قرار دیا ہے جس سے انکا ذہنی رجحان بھی دوسرے قول کی طرف معلوم ہو رہا ہے چہ جائیکہ دوسرا قول آپکے نزدیک باطل و مردود اور ناقابل قبول ہو۔ بلکہ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختار یہی ہے جیسے کہ ان کی اس عبارت میں تصریح پائی گئی ہے۔

دیر شد کہ ورقہ وفات یافت و زمان ظہور دعوت در نیافت و وے از ایمان آرندگان و تصدیق کنندگان بآنحضرت ﷺ است و زمان نبوت را در نیافت الخ۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۲)

بہت وقت گزر گیا کہ حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور نبی مکرم ﷺ کی دعوت کا زمانہ ظہور نہ پایا وہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں اور آپ کی تصدیق کرنیوالوں میں شامل ہیں اور انہوں نے آپ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا۔

ورقة بن نوفل كان جهنا في ابتداء الوحي الى ان تنبأ رسول الله ﷺ

واجتمع بالنبی ﷺ وآمن به (الی) کان النبی ﷺ اذ ذاک نبیا ولم یؤمر بالدعوة ومات ورقه بعد نبوته ﷺ وقبل رسالته (الی) وهذا المذکور هو الصحیح من انه صحابی وقیل لیس بصحابی لانه لم یر النبی ﷺ ولم یؤمن به بعد بعثته وعلیه جماعة محققون (الی) والاکثر من علمائنا انه صحابی

(نسیم الریاض ج:۲ ص:۳۷)

''ورقہ بن نوفل ابتداء نزول وحی میں زندہ تھے، یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے دعویٰ نبوت فرمایا وہ آپ کے ساتھ جمع ہوئے، شرف ملاقات حاصل کیا اور آپ پر ایمان لائے (تا) نبی مکرم ﷺ اس وقت نبی تھے لیکن (علانیہ) دعوت اسلام دینے پر مامور نہیں ہوئے تھے اور ورقہ بن نوفل آپ کے نبی بننے کے بعد اور رسول بننے سے پہلے فوت ہو گئے (تا) یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ وہ صحابی ہیں یہی صحیح قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو (وصف نبوت سے موصوف ہونے کی حالت میں) نہیں دیکھا اور نہ آپ پر آپ کی بعثت اور دعویٰ نبوت کے بعد ایمان لائے۔ اور محققین علماء کی ایک جماعت کا قول اور پسندیدہ نظریہ یہی ہے (تا) ہمارے اکثر علمائے اعلام کا نظریہ یہی ہے کہ وہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ''

نیز ظاہر ہے کہ حضرت ورقہ کی صحابیت کا انکار کرنیوالے یہودی، نصرانی، منافق اور غیر مسلم ہوتے تو ان کے اس نظریہ کا شیخ کے نزدیک کیا اعتبار ہوتا تو لامحالہ حضرت شیخ انہیں معتد بہ اور مسلم علمائے اسلام تسلیم کرتے ہوئے اور ان کے قول کا وزنی اور راجح ہونے کا تاثر دیتے ہوئے ذکر کر رہے ہیں تو اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ کے نزدیک اور ان علمائے اسلام کے نزدیک ان آیات مقدسہ کے نزول کے وقت بھی آپ کا نبی ہونا متفق علیہ اور اجماعی امر نہیں تھا۔ اور نہ ہی رؤیائے صالحہ کے دیکھنے کے عرصہ اور دورانیہ میں آپ کا بالفعل اور عملی طور نبی ہونا آپ کے نزدیک اور چند دیگر علماء اسلام کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم امر ہے بلکہ اس

دورانیہ میں بھی آپ کے نبی ہونے میں اختلاف ہے جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ تو اندریں صورت آغاز ولادت سے ہی آپ کو بالفعل اور عملی طور پر نبی ماننے کا قول کس طرح کیا جا سکتا ہے ؟فاعتبروا یا اولی الالباب اور یہ عقیدہ نہ رکھنے والوں کو ہدف تنقید اور مورد طعن و تشنیع کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟

(۲۵) علامہ شہاب الدین القسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

هذا ظاهره انه اقر بنبوته صلى الله عليه وسلم لكنه مات قبل الدعوة الى الاسلام فيكون مثل بحيرا و فى اثبات الصحبة له نظر۔ (جلد اول ص ۹۴)

حضرت ورقہ کے کلام کا ظاہر اور واضح مطلب اور مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا لیکن آپ کی طرف سے دعوت اسلام دیے جانے سے قبل وفات پا گئے لہذا وہ بحیرا راہب کی طرح آپ پر ایمان لانے والوں میں تو شامل ہو گئے لیکن ان کے لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا اعزاز و شرف ثابت کرنا محل نظر ہے۔

ابن منده و ابو نعيم بحيرا را در صحابه ذكر كرده اند و اين مبنى است بر آن قول كه معتبر در تعريف صحابى رؤيت است اگرچه پيش از نبوت باشد و مختار خلاف آنست و بر اين تقدير ورقه بن نوفل اقرب باشد باطلاق اسم صحابى كه در مبادى نبوت بود۔ (مدارج النبوت ج:۲، ص:۲۶)

ابن مندہ اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالی نے حضرت بحیرا کو صحابہ کرام علیہم الرضوان میں ذکر کیا ہے اور ان کا یہ اقدام اس قول اور نظریہ پر مبنی اور موقوف ہے کہ صحابی کی تعریف میں معتبر اس کا دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگرچہ ان کی نبوت سے پہلے ہی کیوں نہ پایا جائے جبکہ مختار اور معتبر قول یہ ہے کہ بعد از حصول نبوت نبی علیہ السلام کا دیدار پایا جائے اور ان کے قول پر اعتماد و اعتبار کی صورت میں حضرت ورقہ بن نوفل صحابی کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مبادیات

نبوت میں نبی مکرم ﷺ کا شرف دیدار حاصل کرلیا تھا (اور آپ کی تصدیق بھی کردی تھی) جبکہ بحیرا آپ پر نزول وحی سے تقریباً بیس سال قبل ایمان لائے اور ورقہ مبادیات نبوت میں۔

فائدۂ عظیمہ:

حضرت ورقہ کی صحابیت اور پہلی وحی کے نزول پر سید عالم ﷺ کے لیے نبوت کا ثبوت:

حضرت ورقہ کے بارے میں علمائے اعلام اور اسلاف کرام کے اختلافات کا ذکر کرنے سے صرف اور صرف یہ مقصود تھا کہ آغازِ ولادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک سرور کونین ﷺ کا عملی طور پر اور بالفعل نبی ہونا قطعی امر کیسے ہوسکتا ہے جبکہ پہلی وحی کے نزول کے باوجود جب تک آپ نے اپنے صاحب وحی ہونے اور منصب نبوت کے ساتھ بہرہ ور اور سرفراز ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا زیارت کرنے والوں اور تصدیق کرنے والوں کو صحابی ماننا متفق علیہ اور اجماعی امر نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ امر ہے۔ اگرچہ اصح قول اور راجح و مختار امر یہی ہے کہ پہلی وحی کے نزول پر آپ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی تھی اور حضرت ورقہ کی صحابیت بھی۔ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

آنکہ ورقہ را صحابی تواں گفت ظاہر تعریف صحابی کہ کردہ اند من رأی النبی مؤمنا بہ صادق است بروے و ظہور دعوت درآن شرط نہ کردہ اند۔

(مدارج النبوت ج:۲،ص:۳۲)

رہا یہ معاملہ کہ حضرت ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں کہ نہیں تو ظاہر ہے کہ صحابی کی جو تعریف علمائے اسلام اور اکابرین نے کی ہے یعنی "جو ایمان کی حالت میں نبی ﷺ کی ذات اقدس کا دیدار کرنے" وہ بظاہر ان پر سچی آتی ہے اور صحابیت کے لیے نبی کے دعوائے نبوت اور اعلان و اظہارِ نبوت کی شرط عائد نہیں کی گئی۔

فائدہ:

اگر نزول وحی پر آپ ﷺ کو نبوت حاصل نہ ہوتی تو صحابی کی تعریف حضرت ورقہ پر قول مختار کے مطابق کیونکر سچی آسکتی تھی۔

پہلی وحی کے نزول پر جو دہشت و حیرت اور خوف و خشیت آپ کو لاحق ہوا اس کا سبب بعض حضرات نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کو جنون اور کہانت کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا اور آنے والی شخصیت کے امین وحی اور روح الامین ہونے اور لائے جانے والے کلام کے وحی الٰہی اور کلام خدا ہونے کا ابھی آپ کو وثوق اور کامل و اکمل یقین نہیں تھا کیونکہ غار کی تنہائی میں اچانک اجنبی شخص کا وارد ہونا اور مصیبت والا کلام پیش کرنا موجب حیرت بن گیا اور آپ فوری طور پر اس میں غور و خوض نہ کر سکے۔

اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اور اس حیرت و دہشت کا اصلی سبب اور علت موجبہ بیان کرتے ہوئے شیخ اجل، شیخ محقق فرماتے ہیں:

"و آں کہ گفتہ اند کہ ایں خشیت پیش ازاں بود کہ حاصل گردد مر آں حضرت را علم باں کہ آمدہ است او را جبریل از پیش خدا نہ جن و شیطان و شاق بود برآں حضرت کہ او را مجنون گویند و کاہن خوانند نظر بسیاق قصہ کہ ذکر کردہ اند نادرست است چہ ایں خوف و ہول بعد از نزول جبریل و ورود وحی و حصول علم بنبوت است و بعد از مشاہدۂ آیات و ظہور انوار و اسرار است چناں کہ معلوم شد۔ (مدارج النبوت ج:۲،ص:۳٤)

نہ بود ایں رجف فؤاد و ترس و ہول از آنحضرت ﷺ مگر از غایت ہیبت و جلال در تعب آں مقام کہ طاقت بشریت از غلبۂ سطوت آں بیتاب گشت و اگر نہ آں بودے کہ بتدریج ظہور آیات و علامات و انوار و مستعد

استفاضۂ آں انوار ساختندے و مانوس و مالوف بانعام گردانیدے مشکل که نظام کارخانۂ وجود بحال خود ماندے و باستهلاك نه انجامیدے وقول آنحضرت ﷺ خشیت علی نفسی اشارت بمثل ایں حال خواهد بود و برایں معنی حمل باید کرد ، یا چوں ثقل بار نبوت و صعوبت ادائے ایں امانت تصور کرد پشت طاقت او را شکست و ترسید بر نفس خود که در زیر ایں بار هلاك گردد ازیں جهت فرمود خشیت علی نفسی (مدارج النبوت ج:۲،ص:۳۳)

''علمائے کرام نے کہا ہے کہ محبوب کریم ﷺ کا خوف وہراس اور حیرت وخشیت اس علم ومعرفت سے قبل تھی کہ یہ آنے والا شخص جبریل امین ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے نہ کہ کوئی جن اور شیطان۔ اور آپ پر یہ امر گراں اور ناقبل برداشت تھا کہ لوگ آپ کو مجنون کہیں یا کاہن کہیں۔ لیکن اس قصہ کے سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ جو خوف و ہراس اس روایت میں مذکور ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے ،وحی اترنے اور نبوت کا علم حاصل ہونے کے بعد والے دور میں منقول ہے اور آیات کے مشاہدہ، انوار کے ظہور اور اسرار کے انکشاف کے بعد لاحق ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ لہٰذا دراصل اس ہول و دہشت اور خوف وخشیت اور قلب وجگر کے لرزنے کا سبب اس مقام میں آپ کو لاحق ہونے والی مشقت اور کوفت کے غایت درجہ ہیبت وجلال تک پہنچ جانا تھا جس سے آپ کی طاقت بشری بوجہ غلبۂ سطوت بیتاب ہوگئی تھی اور اگر تدبیر الٰہی کے تحت درجہ بدرجہ آیات وعلامات اور انوار کا ظہور نہ ہوتا ،آپ کو ان انوار وتجلیات کے استفادہ واستفاضہ کا مستعد اور اہل نہ بنایا جاتا اور اس انعام واکرام سے مانوس اور مالوف نہ کیا جاتا تو مشکل تھا کہ آپ کا کارخانۂ وجود بحال رہتا اور شکست وریخت کے انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ'' مجھے اپنی ذات کے بارے میں خوف وہراس لاحق ہوگیا ہے'' اس صورت حال کی طرف اشارہ ہے اور اس کو اسی معنی پر منطبق اور

محمول کرنا چاہیے

یا اس خوف وہراس اور دہشت کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے نبوت کے بوجھ کو اٹھانے اور اس امانت کی کما حقہ ادائیگی کا تصور کیا تو اس نے آپ کی قوت وطاقت کی کمر توڑ دی اور آپ کو یہ ڈر اور خوف لاحق ہوا کہ میری ذات اس بار گراں کے نیچے ہلاکت سے ہی دو چار نہ ہو جائے اسی وجہ سے فرمایا "مجھے اپنی ذات کے بارے میں خوف وہراس لاحق ہو گیا ہے"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی حضرت ورقہ کے پاس لے جانا اور پیش آمدہ صورت حال کے متعلق تبادلہ خیال کرنا یہ وہم پیدا کر سکتا تھا کہ شاید ان سے ملاقات اور گفتگو کا مقصد شک وتردد کا ازالہ ہے اس وہم کا قلع قمع کرتے ہوئے شیخ محقق نے فرمایا:

بردن خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ را نزد ورقہ نہ برائے رفع شک و ریب بود وتحصیل اصل علم و یقین بود بلکہ برائے مزید ایقان و اطمینان ووضوح حجت و ظہور محجت کہ حکم نور علی نور دارد۔ واگر آن را نظر بحال خدیجہ رضی اللہ عنہا دارند وجہ صحت دارد چہ او باستدلال بوجود صفات کمال کہ منافی طرد وخذلان و ضلال است علم نظری حاصل کردہ کہ طریان وہم و احتمال غیر نیز شاید دخلے داشتہ۔

اما اثبات احتمال و اشتباہ نسبت بحال آن حضرت ﷺ فحاشا وکلا، چنان چہ تقریر کردیم واگر آن حضرت ﷺ را بگفت ورقہ و تسلیۂ او وضوح و عیانے حاصل شد آن چنان خواہد بود کہ گاہے بعد از ظہور بعضے معجزات می فرمود اشھد انی رسول اللہ برائے آن کہ در اذھان مردم در آید و موجب زیادت برائے تصدیق و ایمان گردد و نیکو باید فہمید این معنی را و تحصیل

کرد این مطلب را ونیکو باید ایستاد درین مقام ونظر بایہام عبارت قوم از راہ نباید رفت والتائید والہدایۃ من اللہ۔ (مدارج النبوت ج:۲،ص:۳۴)

''حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا نہ آپ کے شک وشبہ کو دور کرنے کے لیے تھا اور نہ ہی اصل علم اور یقین کے حصول کے لیے۔ بلکہ مزید یقین اطمینان کلی اور حجت وبرہان کی مزید وضاحت کے لیے جو کہ نور علی نور کے حکم اور درجہ میں تھا۔ اگر اس اقدام کا باعث اور محرک حضرت خدیجہ کی ذاتی حالت کو ٹھہرائیں تو البتہ اس میں درستگی کی وجہ ہوسکتی ہے کیونکہ انہوں نے پہلے پہل آپ میں موجود خداداد صفات کمال سے (آپ کی نبوت پر) استدلال کیا اور علم نظری حاصل کیا کہ ایسے خداداد کمالات اور امتیازات کا مالک ہونا بارگاہ خداوندی سے دور کیے جانے، راہ راست سے بھٹک جانے اور بے عزت و بے وقار کیے جانے کے سراسر منافی ومناقض ہے اس عقلی استدلال میں وہم کا طاری ہونا اور جانب مخالف کے محتمل ہونے کا اندیشہ ہوسکتا تھا تو انہوں نے اپنے اندر یقین ووثوق پیدا کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو تو اس کا امکان واحتمال ہوسکتا ہے۔

لیکن محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والا صفات میں اس طرح کے احتمال و اشتباہ کو ثابت کرنا، حاشا وکلا! ایسا نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کی گفتگو سے اور ان کے تسلی دلانے سے وضاحت وصراحت اور مزید بصیرت حاصل ہوئی ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ بعض معجزات کے صدور وظہور کے بعد فرماتے تھے ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں'' تاکہ لوگوں کے اذہان میں یہ امر راسخ ہو جائے اور ایمان وتصدیق میں اضافہ اور ترقی کا موجب ہوجائے اس معنی ومفہوم کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کرلینا چاہیے اور اس مقام میں بڑی احتیاط سے قدم رکھنا چاہیے اور قوم کی موہم عبارات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے راہ راست سے بھٹکنا نہ چاہیے واللہ ھو الھادی

والمؤید والموفق للسلوک علی الصراط المستقیم۔

تنبیہ نبیہ:

جن علمائے کرام نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حق میں احتمال واشتباہ کا قول کیا اور حیرت ودہشت کو اس کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دیا تو حاشا وکلا ان کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ اریب وتردد اور شک وشبہ کا شکار ہوگئے تھے اور اپنی نبوت اور نزول وحی کا آپ کو جزم نہیں تھا اور نہ ہی ان علماء کا یہ مقصد ہے کہ مہینوں ہفتوں تک وہ کیفیت ذاتی شک اور تردد کی بنا پر برقرار رہی بلکہ جب قلب وجگر پر طاری لرزہ اور اچانک وارد ہونے والے نو وارد کا مکان خلوت میں نمودار ہونا، بذات خود ان کا پرشکوہ اور رعب ودبدبہ والا ہونا، پھر اس کلام خداوندی کی تلاوت کرنا اور دل ودماغ میں نقش کرنا جس سے پہاڑوں کے جگر شق ہوجائیں اور وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں ان تمام امور نے وقتی طور پر آپ کو اس طرف توجہ ہی نہ کرنے دی اور اپنی صفات کمال میں غور وفکر سے دور رکھا جس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس میں غور وفکر کیا اور استدلال کیا اور نہ ہی آنے والے کی ذات کی طرف اور لائے جانے والے کلام کی طرف جیسا کہ بشر پر طاری ہیبت ودہشت کے اثرات وثمرات ہوتے ہیں اور منصب نبوت کا حصول اور وہ بھی ابتدائی حالت میں بشری تقاضوں کے کلیتاً زائل ہونے کا سبب موجب نہیں بن سکتا ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

لما فجأہ من الامر المخالف للعادۃ والمالوف فنفر طبعہ البشریہ وحالہ ذالک ولم یتمکن من التامل فی تلک الحالۃ لان النبوۃ لا تزیل طباع البشریۃ کلھا

(ارشاد الساری ج:۱ ص:۹۰)

"جب اچانک آپ کو ایسا معاملہ پیش آیا جو خلاف عادت خلاف مالوف اور غیر مانوس تھا تو آپ کی طبیعت بشری اس سے متنفر ہوئی اور آپ کو دہشت میں ڈالا اور اس حالت میں تامل

اور غور وفکر پر قادر نہ ہو سکے کیونکہ نبوت تمام تر بشری تقاضوں کو زائل نہیں کرتی"

اور جب آپ سے وہ لرزہ اور حیرت وغیرہ دور ہوئے، استغراق ومحویت والی کیفیت کافور ہوئی، اپنی ذات اور خدادادا استعدادات وصفات کی طرف توجہ مبذول ہوئی، اپنے خداداد منصب کا علم یقینی مستحضر ہوا تو حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کے کلام سے تائید مزید ہوگئی کہ میں اس نظریہ وعقیدہ میں تنہا نہیں ہوں بلکہ اور بھی لوگ میرے ساتھ اس امر کی تصدیق میں شریک ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تو آپ نے فرمایا واللہ ما علمت علی اھلی الا خیر "بخدا! میں اپنے اہل اور زوجہ کے بارے میں خیر اور بھلائی کا ہی یقین رکھتا ہوں"۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی المرتضی، وحضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم سے صلاح ومشورہ بھی فرمایا اور ان کے آپ کے ساتھ حضرت صدیقہ کی براءت کے یقین واعتراف میں موافقت کے بعد آپ نے مجمع عام میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا یہ مشاورت بھی اصل یقین کے حصول کے لیے نہیں بلکہ حق الیقین اور کامل ترین وثوق واطمینان کے لیے تھی لہذا یہاں بھی معمولی وقفہ اور چند ساعت کا توقف ہوا اور حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کی تائید وموافقت بھی حاصل ہوگئی تو اس کے بعد آپ نے اظہار نبوت بھی فرمایا اور سلسلۂ دعوت بھی شروع فرمایا اور فترت وحی کے دوران ہی حضرت صدیق، حضرت علی المرتضی، حضرت بلال، حضرت خدیجہ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات حلقہ غلامی میں داخل ہو گئے۔ فترت وحی کے بعد آپ نے علانیہ دعوت توحید و رسالت دینی شروع فرمائی اسی لیے شیخ محقق قدس سرہ اور دوسرے علمائے اعلام نے ان حضرات پر انکار نبوت وغیرہ کا حکم نہیں لگایا اور نہ ضلالت وگمراہی کا فتوی صادر فرمایا اور نہ ہی حضرت ورقہ کی صحابیت کے انکار اور نفی کو بدیہی البطلان اور موجب طعن وتشنیع ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ صحابیت کے لیے نبوت کے حصول کے بعد کسی خاص مدت کا گزرنا ضروری نہیں اور نہ کسی کا یہ قول اور دعوی

ہے کہ جب تک نبی کو نبوت ملنے کے بعد سال یا چھ ماہ مثلاً نہ گزر جائیں ان کی زیارت کرنے والے کو صحابی نہیں کہہ سکتے۔

نیز عند اللہ منصب نبوت کا مالک ہونا اور اس کے ساتھ موصوف ہونا علیحدہ امر ہے اور لوگوں کے نزدیک نبی ہونا اور ان کا حلقۂ غلامی میں داخل ہونے اور ایمان لانے کا پابند اور مکلف ہونا علیحدہ امر ہے۔ فریق ثانی نے آپ کی عند اللہ نبوت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ دوسری صورت کے لحاظ سے نفی کی ہے اور حضرت ورقہ کی صحابیت کا بھی اسی بناء پر انکار کیا ہے کیوں کہ آپ نے ابھی اظہار نہیں فرمایا تھا کہ میں نبی ہوں بلکہ ورقہ بن نوفل اس امر کا اظہار کر رہے تھے، جیسے کہ آپ کا دعویٰ نہیں تھا کہ میں اس امت کا نبی ہوں بلکہ بحیرا راہب اس کا اظہار فرما رہے تھے کہ یہ اس امت کے نبی ہیں، ھذا فتأمل حق التأمل۔ اسی وجہ سے فریق ثانی نے حضرت ورقہ بن نوفل کو بحیرا راہب کی مانند اور مماثل ٹھہرایا، ھذا واللہ ورسولہ اعلم

نبوت سے قبل آنحضرت ﷺ کی عبادت کس شریعت پر تھی؟

یہاں یہ بات بھی قابل غور و فکر ہے کہ محققین علماء نے اس بات کی تفصیلات ذکر فرمائی ہیں کہ بعثت سے قبل نبی کریم ﷺ کی عبادت کس کی شریعت کے مطابق تھی؟ بعض نے حضرت نوح، بعض نے حضرت موسیٰ، کچھ نے حضرت عیسیٰ اور بہت سے اکابر نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ ذکر فرمائے ہیں۔ اگر نبی رحمت ﷺ وقتِ پیدائش سے ہی بالفعل نبی اور رسول تھے تو کسی اور نبی یا رسول کی شریعت پر عمل کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور پھر اس بارے میں جن علماء نے مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں ان کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ آپ تو وقت پیدائش ہی سے نبی اور رسول تھے؟ اندریں صورت اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ سکتی تھی۔ "محققین عصر" کو غور فرما لینا چاہیے کہ اس سے ان اکابر کا کیا نظریہ معلوم ہو رہا ہے؟ اس سلسلے میں اکابر کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

(۱) شیخ محقق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علماء را درآن اختلاف است که آنحضرت ﷺ پیش از بعثت تعبد و امتثال بشرعے از شرائع میکرد یانه؟ مختار نزد اصولیین اول است پس بعضے گویند تعبد او بشرع نوح علیه السلام بود و بعضے گویند بشریعت ابراهیم علیه السلام و بعضے بموسیٰ و بعضے بعیسیٰ علیه السلام ۔وبعضے گویند لاعلیٰ التعیین هر چه ثابت میشد که شریعتے از شرائع است تعبد می نمود هر شریعت که باشد (تا)پس متعین گشت که تعبد بشریعت ابراهیم علیه السلام داشت والحق چنیں سزد زیرا که علم قریش بدین ابراهیم و اتباع ایشان آنرا اولیٰ و اقرب بود چنانکه گویند که آبائے آنحضرت ﷺ همه بر دین ابراهیم علیه السلام بوده اند ۔و آنها که گویند که تعبد وے نه بشریعت بود گویند که بحکم عقل و استحسان وے بود بالهام و رؤیائے صالحه که درقریب مبادی ظهور نبوت میدید و میل امام غزالی دریں مسئله توقف و تردداست از جهت عدم دلیل قاطع الخ۔

(شرح سفر سعادت ص ٢٦)

ایک اور مقام پر اسی مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں:

علماء اختلاف دارند که آنحضرت ﷺ پیش از نبوت تابع شریعتے از شرائع سابقه بود یا بحکم عقل و استحسان آن عمل می نمود یا از هر شریعتے هر چه اولیٰ و افضل می یافت میکرد و اگر تابع شریعت بود کدام شریعت بود مختار آنست که تابع دین ابراهیم علیه السلام بود و لهذا در روایتے بجائے یتحنث یتحنف به فا نیز آمده که عمل کردن است بدین حنیف که لقب ابراهیم علیه السلام است ۔و ظاهر آنست که از جانب حق تعالیٰ نور رشد و هدایت در دل وے تافته بود که

بداں مقرب و مرضیء درگاہ بعمل می آمد بے اتباع شریعتے و حکم عقل ۔نیز اختلاف دارند کہ تعبد وے بفکر بود یا بذکر وصحیح آنست کہ بذکر بود نہ بفکر۔ (اشعة اللمعات جلد چہارم ص ۵۳۱،۵۳۲)

(۲) حضرت شیخ نورالدین علی بن زین الدین ابی المواہب الشہیر بابن الجزار فرماتے ہیں:

اختلف فيما كان يتعبد بهﷺ قبل الوحي والنبوة فقيل بشريعة ابراهيم و قيل بغيره مذاهب اصحها واجلها واولاها مذهب من ذهب الىٰ الوقوف عن ذالك والسكوت وهوﷺ مطبوع علىٰ الحق والخير واخلاق الكرام الموافقة لما جاءت به شريعته بالهام الله له من حين نشاه صغيراً۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۸۷)

''اس امر میں اختلاف ہے کہ نبی مکرم ﷺ وحی اور نبوت کے نزول سے پہلے کس شریعت پر عبادت کیا کرتے تھے بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے دوسری شریعتوں کے مطابق عبادت کرنے کا قول کیا۔لیکن اصح اور اجل اور اولی بالقبول مذہب اور نظریہ ان کا ہے جنہوں نے اس بارے میں توقف اور سکوت کا قول کیا ہے جبکہ محبوب کریم ﷺ کی تخلیق ہی حق وصواب اور خیر ورشد پر ہوئی اور ان اخلاق کریمہ پر جو آپ کی شریعت میں وارد ہونے والے احکام کے موافق تھے بسبب اللہ تعالیٰ کے الہامات کے جو صغر سنی سے ہی آپ کو ہونے لگے تھے''

(۳) عارف باللہ شیخ عبداللہ البسنوی الرومی علیہ الرحمہ زمانہ فترت میں دین ابراہیم علیہ السلام پر ثابت قدم رہنے والے حضرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال الله تعالى ثم اوحينا اليك يا محمد ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين امره الله تعالى ان يتبع ملة ابيه ابراهيم عليه السلام فكانت

ملته شرعا من الله و ليس فوق هذا فی اثبات ملة ابراهيم و بقاءها الی بعثة سیدنا محمد ﷺ نص فان سیدنا محمد ﷺ کان فی ملته قبل بعثته فلما بعث منها بعث بها من حیث کونها شرعا له (بحوالہ جواہر البحار)

"اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا پھر ہم نے اے محمد ﷺ آپ کی طرف وحی نازل کی کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو جو کہ حق پر ثابت قدم ہیں اور شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہیں اس کلام میں اللہ نے آپ کو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا پابند بنایا تو ان کی ملت اللہ تعالیٰ کی شریعت ٹھہری اور اس آیت سے بڑھ کر ملت ابراہیم کے ثبوت وتحقق اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک اس کے دوام وبقا کی کوئی نص اور دلیل صریح نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے آقا ومولیٰ محمد کریم ﷺ بعثت سے قبل ان کی ملت پر تھے اور جب آپ کو مبعوث فرمایا گیا اور شرف نبوت ورسالت سے بہرہ ور کیا گیا تو اسی ملت کو آپ کی شریعت بنا کر اس کیساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا"

مزید فرماتے ہیں:

لان دین ابراهیم علیه السلام باق فی ذریته من المسلمین الیٰ مبعث الرسول فلذلك وفقه الله تعالیٰ فی ابتداء امره لعبادته بملة ابراهيم عليه السلام حتی جاءه الملك من عند الله تعالیٰ بالرسالة والنبوة۔ قال الشيخ رضی الله عنه فی الفتوحات فی الباب الخامس والاربعين ولما كانت حالته ﷺ فی ابتداء امره ان الله تعالیٰ وفقه لعبادته بملة ابراهيم الخليل عليه السلام و كان يخلو بغار حراء يتحنث فيه عناية من الله سبحانه به ﷺ الیٰ ان فجاءه الحق فجاءه الملك فسلّم عليه بالرسالة و عرفه بنبوته فلما تقررت عنده ارسل الیٰ الناس كافة بشيراً و نذيراً و داعياً الیٰ الله باذنه و سراجا منيراً انتهی كلامه

فحينئذ مازالت ملة ابراهيم ثابتة و مازالت امة من ذريته مسلمة من لدن دعوة ابراهيم عليه السلام الى بعثة الرسول ﷺ بالرسالة والنبوة عند الاربعين من عمره فحينئذ كان ﷺ بعثته من الامة المسلمة من ذريته۔

و لهذا قال تعالىٰ و ابعث فيهم رسولا منهم لانه كان يتعبد علىٰ ملة ابراهيم فاختتمت به ﷺ ملة ابراهيم عليه السلام عند بعثته من حيث تعبده بملة ابراهيم عليه السلام من حيث كونها ملة ابراهيم عليه السلام و بعد بعثته شرعت له ملة ابراهيم اتباعاً لملته لا لابراهيم فتعبد بها من حيث بقيت ذريته في ملته و ملته في ذريته من الامة المسلمة و ختمت ملته بالرسول الذى طلبه من ربه ان يبعثه من الامة المسلمة من ذريته و جعله قبل بعثته منهم لانه منهم نسباً و ملة الخ۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد سوم ص ۸۷)

"کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ان کی مسلمان اولاد میں رسول گرامی ﷺ کی بعثت تک باقی رہا۔ اسی لیے ابتدائی دورِ حیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملت ابراہیمی کے مطابق ہی عبادت کرنے کی توفیق بخشی تا آنکہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نبوت و رسالت کے ساتھ نازل ہوا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے پینتالیسویں باب میں فرمایا محبوب کریم ﷺ کی ابتدائی امر میں حالت یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے کی توفیق بخشی اور آپ بہ سبب اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کے (جو آپ کی ذات پاک کے شامل حال تھی) غار حرا میں خلوت گزیں ہو کر عبادت کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہیں حق آپ پر اچانک ظہور پذیر ہوا تو جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کو رسالت والے منصب کے ساتھ سلام پیش کیا اور آپ کو آپ کے منصب نبوت کیساتھ متعارف کرایا جب نبوت و رسالت آپ کے ہاں متقرر و متحقق ہو چکی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف

بشارت سنانے والا اور عذاب خداوندی سے ڈرانیوالا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اس کے اذن اور توفیق سے اور نور پھیلانے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا انتہی کلامہ"

فائدہ:

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ نزول وحی اور جبرئیل کی حاضری سے قبل ملت ابراہیمی پر عبادت کیا کرتے تھے اگر آپ آغازِ ولادت سے نبی تھے تو پھر اپنی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ فتامل حق التامل۔

(یہاں سے پھر عربی عبارت کا ترجمہ)

"حضور اکرم ﷺ کے عمل مبارک اور طرز عبادت سے واضح ہو گیا کہ ملتِ ابراہیمی ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رہی اور ان کی اولاد میں سے ایک جماعت اسلام پر قائم رہی جب سے کہ انہوں نے اولاد میں سے بعض کے اسلام پر قائم رہنے کی دعا فرمائی۔ تا آنکہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی آپ کی ذریت میں سے امت مسلمہ میں بعثت ہوئی لھذا اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا) ﴿وابعث فیھم رسولا منھم﴾ ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما کیونکہ آپ ان کی ملت و شریعت کے مطابق عبادت خداوند تعالیٰ بجالاتے تھے تو آپ پر ملتِ ابراہیمی کا اختتام ہوا کیونکہ اپنی بعثت سے قبل اس ملت پر ملتِ ابراہیمی کی حیثیت سے عمل پیرا تھے اور آپ کی بعثت کے بعد وہی ملت آپ کی شریعت قرار پائی تو اس پر عمل پیرا ہوئے اس حیثیت سے کہ وہ اب آپ کی ملت تھی نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چنانچہ آپ نے اس کے مطابق عمل فرمایا اس لحاظ سے کہ انکی ذریت ان کی ملت میں رہی اور ان کی ملت ان کی مسلم ذریت اور اولاد میں برقرار رہی اور ان کی ملت کا اختتام اس رسول گرامی ﷺ کی بعثت پر ہوا جس کو انہوں نے اپنے رب کریم سے طلب کیا تھا کہ

میری اولاد میں سے امتِ مسلمہ میں اس رسول محتشم ﷺ کو مبعوث فرمانا اور بعثت سے قبل آپ کو ان میں سے ایک فرد قرار دیا گیا کیونکہ آپ ازروئے نسب بھی ان میں سے تھے اور ازروئے ملت بھی ان میں سے تھے"

فائدہ:

عارف باللہ حضرت شیخ بسنوی رومی نے بھی قبل از بعثت نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیم اور شریعت خلیلی پر کاربند تسلیم کیا اور عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر نبوت ورسالت کے ساتھ مبعوث ہونے کا اقرار واعتراف کیا اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا کلام بھی اپنے نظریہ وعقیدہ کی تائید میں پیش کیا لہذا دوسرے اکابرین کی طرح ان کا بھی نظریہ اور عقیدہ یہی ثابت ہوا کہ جسمانی طور پر عملی اور بالفعل نبوت آپ کو چالیس سال کے بعد ہی عطا کی گئی۔

حضور اکرم ﷺ کو عالم اجسام میں چالیس سال بعد اعطائے نبوت کے متعلق اکابرین امت کی مزید تصریحات:

شیخ محقق کی دس عبارات:

اصحاب بدر کے اسماء مبارکہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق فرماتے ہیں:

اول ایشاں و امام و سید ایشاں و سید تمام عالمیاں النبی محمد بن عبداللہ الهاشمی ولادت وے درعام الفیل و بعثت او برراس الاربعین و دور نبوت وے ثلاث و عشرین و عمر شریف وے ثلاث و ستین سید المرسلین و خاتم النبین ﷺ وعلی آله و اتباعه و احزابه اجمعین (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۲۴۲)

"غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں میں سب سے اول اور سب کے امام اور سردار اور تمام جہان والوں کے سردار نبی مکرم محمد بن عبداللہ ہاشمی ہیں آپ کی ولادت شریفہ (ابرہہ کے

لشکر اور اسکے) ہاتھیوں کے تباہی والے سال ہوئی اور آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور آپ کی نبوت کا دورانیہ تئیس (۲۳) سال ہے"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

امام احمد رحمه الله تعالیٰ در تاریخ از شعبی آورده که گفت فرو فرستاده شد بر آنحضرت ﷺ نبوت و حالانکه وے ابن اربعین سنه بود۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۴)

"امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں شعبی تابعی سے ذکر کیا ہے کہ محبوب کریم ﷺ پر نبوت چالیس سال کی عمر میں نازل کی گئی"

ایک اور تصریح ملاحظہ ہو:

علماء اختلاف دارند که آنحضرت ﷺ پیش از نبوت تابع شریعتے از شرائع سابقه بود یا بحکم عقل و استحسان آن عمل مینمود یا ازهر شریعتے هر چه اولیٰ و افضل میبافت میکرد و اگر تابع شریعتے بود کدام شریعت بود۔ مختار آنست که تابع دین ابراهیم علیه السلام بود و لهذا در روایتے بجائے یتحنث یتحنف بته فائیز آمده که عمل کردن است بدین حنیف که لقب ابراهیم علیه السلام است۔ و ظاهر آنست که از جانب حق نور رشد و هدایت در دل وے تافته بود که بدان مقرب و مرضی درگاه بعمل می آمدنے اتباع شریعتے و حکم عقل۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۵۳۲)

علماء کرام اس معاملہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت سے قبل سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کے تابع تھے یا تقاضائے عقل اور اس کے کسی امر کو مستحسن سمجھنے پر عمل فرماتے تھے یا تمام شریعتوں میں سے جس شریعت کا عمل اولیٰ اور افضل پاتے تھے اسی

کو اپنا لیتے تھے۔ اور اگر کسی شریعت کے تابع تھے تو وہ کون سی شریعت تھی؟ (ان اقوال میں سے) مختار قول یہی ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کے تابع تھے۔ اسی لیے بعض روایات میں یتحنث بمعنی عبادت کرنے کی جگہ یتحنف وارد ہے یعنی دین حنیف کے مطابق عمل فرماتے تھے اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی لقب ہے۔ مگر ظاہر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل مبارک میں رشد و ہدایت کا نور چمکتا تھا جس کی بدولت بارگاہ خداوند تعالیٰ میں مقبول و محبوب عمل آپ کو معلوم ہو جاتا اور اسی پر عمل پیرا ہو جاتے بغیر اس کے کہ کسی شریعت پر عمل فرماتے یا عقل کے تقاضے اور حکم کی اتباع فرماتے۔

فائدہ:

اگر آنحضرت ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی ہوتے یا عالم ارواح والی نبوت دائم اور مستمر ہوتی اور آپکو اس کے احکام مستحضر ہوتے تو علمائے کرام کے اذہان میں یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوتا کہ آپ کسی شریعت پر عمل پیرا تھے یا نہیں؟ اور عمل پیرا ہونے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا تابع ہونا مختار اور راجح کیوں ٹھہراتے؟ اور نور رشد و ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل معلوم کر لینا اور اسی کو روبعمل لانا بغیر کسی شریعت کی اتباع کے یا استحسان عقل کی پیروی کے اس کو ظاہر اور واضح امر کیوں ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ ایک ہستی نبی ہے تو اس کے پاس لوگوں کے رشد و ہدایت اور اصلاح کا سامان نہیں تھا تو کم از کم اپنی تربیت کا سامان ہونا چاہیے تھا۔ لہذا شیخ اجل کا نظریہ یہاں پر واضح ہے کہ آپ غار حرا میں عبادت کے دورانیہ تک بالفعل نبی نہیں تھے بلکہ اس کے بعد ہی آپ کو جسمانی طور پر عالم اجسام کے لیے منصب نبوت عطا فرمایا گیا۔

چوں ایام وحی نزدیک رسید التزام و اکثار کرد در خلوت و عبادت تا ناگہاں در آمد بروے حق وارد گشت وحی و نازل شد قرآن مجید و خیال نکنند

کہ ظہور نبوت و ورود وحی اثر مجاہدہ و ریاضت و عبادت بود زیرا کہ نبوت محض موہبت و عنایت است و کسب و عمل را درآں دخل نیست:

تبارك الله ماوحی بمکتسب　　　ولانبی علیٰ غیب بمتهم

نعم ولایت نسبتے و سببے ہست کہ کسب و ریاضت را درآں مدخلے و تاثیرے ہست کہ بوے کشف بعضے عوالم و مشاہدہ بعضے روحانیات والہام بعضے معانی حاصل گردد۔ اما نبوت قرب خاص و نسبتے مخصوص است کہ وحی آسمانی کہ حامل آں روح القدس است کہ او را جبرئیل امین گویند بمحض اصطفاء و اجتبائے الٰہی حاصل گردد۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۱)

"جب وحی کے دن قریب آگئے تو آنحضرت ﷺ نے خلوت اور عبادت کو زیادہ اپنے اوپر لازم کرلیا اور اس میں اکثر طور پر مشغول رہنے لگے تا آنکہ ناگاہ آپ پر حق ظاہر ہوگیا وحی وارد ہوئی اور قرآن مجید کا نزول ہوا۔ لیکن یہ خیال قطعاً نہ کریں کہ آپ کی نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود اس مجاہدہ وریاضت اور عبادت کا اثر اور نتیجہ ہے کیونکہ نبوت خالص ہبہ وعطیہ اور عنایت ربانی ہے کسب وعمل کو اس حصول میں دخل نہیں ہے کما قال البوصیری قدس سرہ:

"اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے کوئی وحی اور نبوت کسب وعمل سے حاصل ہونیوالی نہیں ہے اور نہ کوئی نبی (بذریعہ وحی) غیب جاننے پر محل تہمت ہے"

ہاں ولایت ایسی نسبت اور سبب قرب ہے کہ اس میں کسب وعمل اور مجاہدہ وریاضت دخیل اور موثر ہیں کہ ان کی بدولت بعض جہانوں کا انکشاف اور بعض روحانیوں کا مشاہدہ اور بعض معانی ومطالب کا الہام حاصل ہوجاتا ہے۔ لیکن نبوت تو خاص قسم کا قرب اور مخصوص قسم کی نسبت ہے جو کہ وحی آسمانی جس کے حامل روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور وحی سماوی محض اللہ تعالیٰ کے کسی بندہ کو اس منصب کے لیے پسندیدہ اور مخصوص

ٹھہرانے سے حاصل ہوتی ہے"

فائدہ(۱):

اگر شیخ محقق کے نزدیک آنحضرت ﷺ آغازِ ولادت سے ہی نبی تھے تو پھر اس وہم کی گنجائش ہی کیا تھی کہ ان مجاہدات وریاضات اور کسب وعمل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو نبوت ملی جو کہ ساڑھے انتالیس سال پہلے مل چکی تھی اور اسکو دور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ اس صورت میں یہ مجاہدے اور ریاضات حصول نبوت کے بعد تھے اور نبوت کے دورانیہ میں تھے ان پر نبوت کا ترتب متصور ہی کب ہوسکتا تھا؟ تا کہ یہ وہم کسی کے ذہن میں پیدا ہوتا اور شیخ محقق اس کا دور کرنا ضروری سمجھتے۔

فائدہ(۲):

نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ آپ کے نزدیک جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے وارد ہونیوالی وحی ہی نبوت کے حصول ووصول کا ذریعہ ہے اور یہ امر یقینی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام والی وحی پہلی دفعہ چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر ہی نازل ہوئی جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ،حضرت انس اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے مروی ہے۔

نوٹ:

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ اجل قدس سرہ نے اپنے اس نظریہ کو اس عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے"باب سوم دربدو وحی وثبوت نبوت و ظهور دعوت" الخ اعلان نبوت سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ثبوت نبوت سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ آپ کو لے کر حضرت ورقہ کے پاس گئیں اور پیش آمدہ صورت حال کے متعلق تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا اور تصدیق کی تو آیا وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں شمار کیے جاسکتے ہیں یا نہیں تو اس کے متعلق حضرت شیخ محقق کا

نظریہ معلوم کریں:

بدانکہ در ایمان ورقہ بآنحضور ﷺ خلافے نیست و لیکن در صحبت خلاف است۔ اگر ایں واقعہ بعد از ثبوت نبوت است صحابی است و اگر در مبادیٔ احوال است چنانچہ ظاہر است صحابی نیست۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۳۴)

"جان لو کہ حضرت ورقہ کے مومن ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اگر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بالفعل تحقق اور ثبوت کے بعد کا ہے تو پھر وہ صحابی ہیں اور اگر یہ آپ کی نبوت کے مبادی اور تمہیدی احوال سے ہے جیسے کہ ظاہر یہی ہے تو پھر وہ صحابی نہیں ہیں" واللہ اعلم۔

قابل غور امر یہ ہے کہ پہلی وحی نازل ہو چکی (اقرا باسم ربک) الآیۃ کا نزول ہو چکا لیکن اب بھی شیخ محقق کے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ آپ ابھی بالفعل نبی نہیں ہیں اور آپ کی نبوت کا تحقق اور ثبوت نہیں پایا گیا بلکہ مبادیات احوال اور تمہیدی صورتحال ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ "مفتیانِ کرام" ان کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں؟ ہم غریب تو ان مقتدایانِ انام کے تابع ہیں اور انہی کی کتابیں پڑھ کر دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے والے ہیں تو ان کو اس طرح کے فتاویٰ سے نہ نوازنا اور تابع و متبع کو ہدفِ تنقید بنالینا کون سی دیانت اور امانت ہے؟ اور کس طرح کی علمیت اور دینداری کا مظاہرہ ہے؟ کیا یہ صرف "دین ملائی سبیل اللہ فساد" کا مظاہرہ تو نہیں ہے؟

حدیث شریف میں وارد ہے کہ سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جز ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض علمائے کرام نے اس نسبت کو اس طرح ثابت کیا ہے:

کہ حق تعالیٰ وحی فرستاد بسوئے پیغمبر خود ﷺ ششماہ در منام بعد ازاں وحی فرستاد دریقظہ باقی مدت حیات و دور نبوت ہمہ بست و سہ سال است و نسبت ششماہ بہ بست و سہ سال نسبت یک جز است بہ چہل وشش۔ایں وجہ مناسب و معقول است اگر ثابت شود کہ وحی در ابتدائے نبوت ششماہ در منام بود (مدارج النبوۃ جلد اول ص ۲۴۰)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی طرف چھ ماہ تک خواب میں وحی نازل فرمائی بعد ازاں باقی عرصہ حیات میں حالتِ بیداری میں وحی نازل فرمائی اور آپ کی نبوت کا دور تیئس سال ہے اور چھ ماہ کی نسبت تیئس کے ساتھ ایک اور چھیالیس والی نسبت ہے۔یہ وجہ مناسبت کی مناسب اور معقول ہے اگر ثابت ہو جائے کہ آغازِ نبوت میں وحی نیند کی حالت میں چھ ماہ تک نازل ہوتی رہی (اگر چھ ماہ سے کم یا زائد ہو تو پھر یہ نسبت ثابت نہیں ہو سکے گی)''

فائدہ عظیمہ:

شیخ محقق قدس سرہ نے اگر تردد ظاہر کیا تو حالتِ نیند والی وحی کی میعاد میں، نہ کہ آپ کی تمام کی تمام مدتِ نبوت میں۔تو ثابت ہوا کہ دورِ نبوت صرف اور صرف تیئس سال ہونا مسلم امر ہے اور نا قابل ریب اور تردد حقیقت ہے اگر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ بچپن اور آغاز سے ہی نبی ہوتے تو دورِ نبوت تیئس سال کیسے ہوتا ہے؟ اور وحی منام کی مدت چھ ماہ ہوتی تو ایک اور چھیالیس والی نسبت کیسے پائی جا سکتی تھی؟ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک چالیس سال کی عمر میں ہی وحی اور نبوت کا نزول ثابت ہے۔

﴿الم یجدک یتیما فاوی﴾ (الضحی:٦)-الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں:

چوں در حالت صغر وعیلت و یتم مہمل و مہجور فرو نگذاشت بعد از اختصاص و اصطفاء بہ نبوت و رسالت چوں خواہد گذاشت۔

(مدارج النبوۃ جلد اول ص ۶۸)

''جب صغر سنی اور محتاجی اور یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں مہمل اور مہجور نہیں چھوڑا اور نظر انداز نہیں کیا تو نبوت اور رسالت کے ساتھ مختص اور ممتاز ٹھہرانے کے بعد کیونکر نظر انداز فرمائے گا''

فائدہ:

اگر صغر سنی اور حاجت مندی اور یتیمی کا دورانیہ نبوت و رسالت سے پہلے نہیں تھا بلکہ آغاز ولادت سے ہی آپ نبی تھے تو پھر اس تقابل و توازن کا اور آغاز سے انجام اور ابتداء سے انتہاء پر استدلال کا کیا مطلب ہوگا؟

قول باری تعالیٰ ﴿ووجدك ضالا فهدیٰ﴾ (الضحیٰ: ۷) کے تحت فرماتے ہیں:

اتفاق علماء است که آنحضرت ﷺ هر گز نه پیش از نبوت و نه بعد از وے متصف و موسوم بضلالت نشده و نشاء ت او بر توحید و ایمان و عصمت است و همچنین تمام انبیاء و مرسلین صلواة الله علیهم اجمعین برآن نا شی اندو نقل نکرده است هیچ یکے از اهل اخبار که یکے از آنها که به نبوت و رسالت اصطفاء و اجتبا یافته اند موصوف و معروف بوده پیش ازاں بکفر و اشراك و فسق و ضلالت و مستند این باب عصمت است (مدارج النبوۃ جلد اول ص ۸۲)

''علماء کرام کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ضلالت و گمراہی کے ساتھ کبھی موصوف اور موسوم نہیں ہوئے اور آپ کی ولادت باسعادت اور تربیت و پرورش توحید و ایمان اور عصمت پر ہوئی ہے اور تمام انبیا کرام اور رسل عظام صلوات اللہ علیہم اجمعین کی ولادت اور تربیت و پرورش توحید اور ایمان اور معصومیت پر ہوئی اہل اخبار میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ جو جو شخصیات نبوت و رسالت کے ساتھ مختص اور

ممتاز ٹھہرائے گئے ان میں سے کوئی بھی نبوت ورسالت کے ساتھ موصوف اور مختص ہونے سے قبل کفر وشرک اور فسق وضلالت کے ساتھ موصوف اور معروف تھا نعوذ باللہ۔ اور اس باب اور اس دعویٰ کی دلیل اور بنیاد ان کی عصمت ہے"

فائدہ اولیٰ:

اگر نبی اکرم ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو شیخ نے پیش از نبوت کیوں فرمایا؟

فائدہ ثانیہ:

کفر وشرک اور فسق وضلالت سے منزہ ومبرا ہونے کی اساس اور بنیاد عصمت ہے تو جن "مجتہدین زمانہ" نے عصمت کو نبوت کی دلیل بناتے ہوئے یہ اجتہاد فرمایا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ بچپن سے ہی معصوم ہیں تو ان کا بچپن سے ہی نبی ہونا ضروری ہے وہ اس آئینہ میں اپنے اجتہاد کی حقیقت اور حیثیت کا اندازہ کریں اور اس کے ادراک اور تہ تک رسائی کی کوشش کریں کہ کہاں یہ اور کہاں شیخ محقق وہ کیا فرماتے ہیں اور یہ لوگ کیسے دعوے کرتے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہم تو یہی عرض کر سکتے ہیں:

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نیز سارے انبیاء ورسل علیہم السلام جب بچپن سے ہی معصوم ہیں تو پھر سبھی کو آغاز ولادت سے ہی نبی ماننا لازم اور ضروری ٹھہرا جبکہ ہر عقل مند کے نزدیک یہ لازم باطل بلکہ بدیہی البطلان ہے۔

قول باری تعالیٰ ﴿لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر﴾ (الفتح: ۲) کے تحت بعض علماء نے یہ کہا تھا کہ مــــن ذنبک سے مراد وہ امور ہیں جو آپ سے قبل از نبوت زمانہ جاہلیت میں سرزد ہوئے تو اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

امام سبکی گفته ایں قول مردود است زیرا که نبود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم را جاھلیت ووے معصوم است پیش از نبوت وبعد از وے (مدارج النبوۃ جلد اول ص ۱۷)

"امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاہلیت کا دور نہیں تھا بلکہ آپ نبوت سے پہلے بھی معصوم تھے اور نبوت کے بعد بھی معصوم تھے"

فائدہ:

گویا صرف شیخ محقق ہی نہیں بلکہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آغاز ولادت سے نبی نہیں ہیں ورنہ "معصوم است پیش از نبوت" کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عالم ارواح یا اصلاب آباء اور ارحام امہات کے لحاظ سے عصمت بیان نہیں کی جاتی بلکہ عنصری وجود اور جسمانی زندگی کے ساتھ اسکا تعلق ہوتا ہے۔

(یہاں تک صرف شیخ محقق کی نو عبارتیں مع ترجمہ وتوضیح پیش کی گئیں)

الغرض صرف حضرت شیخ اجل کی تصریحات ان کی کتب سے درج کر دی جائیں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائیگا لہذ (مشتے نمونہ از خروارے) پر اکتفاء کرنا ہی موزوں اور مناسب ہے۔ اب دوسرے چند اکابرین کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

(یہاں تک امام سبکی اور شیخ محقق علیہما الرحمہ کے دس حوالے آچکے ہیں)

(۱۱) سبل الھدیٰ والرشاد میں حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

اطبق العلماء علیٰ ان النبی علیہ السلام بعث علیٰ راس الاربعین

(جلد ثانی ص ۲۲۵)

"تمام علماء کرام کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث فرمائے گئے"

(۱۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

اتفقوا انہ ﷺ اقام المدینۃ بعد الھجرۃ عشر سنین و بمکۃ قبل النبوۃ اربعین سنۃ

(شرح مسلم جلد دوم ص ۲۶۰)

"علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حبیب مکرم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ المنورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اور مکہ مکرمہ میں نبوت سے پہلے چالیس سال قیام فرما رہے"

نیز فرماتے ہیں:

انہ ﷺ بعث علیٰ راس اربعین سنۃ وھو المشھور الذی اطبق علیہ العلماء

"بے شک حبیب مکرم ﷺ چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث ہوئے اور یہی قول مشہور ہے جس پر علماء کرام کا اجماع اور اتفاق ہے"

تہذیب الاسماء واللغات میں فرمایا:

بعث رسولا الی الناس کافۃ وھو ابن اربعین سنۃ و قیل اربعین سنۃ و یوم و اقام بمکۃ بعد النبوۃ ثلاث عشر سنۃ۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد اول ص ۱۹۲)

آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

ولد قبل النبوۃ حضرت قاسم نبوت سے پہلے پیدا ہوئے

اور حضرت عبداللہ ملقب بہ طیب وطاہر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

لانہ ولد بعد النبوۃ

حضرت عبداللہ ملقب بہ طیب وطاہر نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ (جلد اول ص ۱۹۲)

فائدہ: (۱)

اگر امام نووی اور دیگر علمائے اسلام کے نزدیک آپ آغاز ولادت سے ہی نبی ہوتے تو قبل از نبوت چالیس سال مکہ مکرمہ میں قیام کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟

فائدہ:(۲)

چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونے پر جن علماء کا اتفاق حضرت امام نووی ذکر فرما رہے ہیں اور ان کے اس قول کو تسلیم فرما رہے ہیں تو وہ یقیناً امام نووی علیہ الرحمہ سے بھی بڑے عالم اور محقق ہونگے نہ کہ ہمارے مجتہد حضرات سے بھی کم علم اور جاہل و بے خبر۔

لہٰذا ان حضرات کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہییں یہ نہ ہو کہ مکمل طور پر برہنہ نظر آئیں اور علم و دانش سے خالی دامن۔

(۱۳) حضرت علامہ زرقانی مؤطا امام مالک میں مندرج حدیث:

ابتعثه الله علیٰ رأس الاربعین

"نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے"

کے تحت فرماتے ہیں:

قال المسعودی وابن عبدالبر بعث فی شهر ربیع الاول فعلیٰ هذا یکون له اربعون سنة۔ (جلد۴ ص۲۸۰)

علامہ مسعودی اور علامہ ابن عبدالبر رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینہ میں مبعوث ہوئے (جبکہ آپ کی ولادت شریف بھی ربیع الاول میں ہے) تو اس صورت میں آپ کی عمر شریف یقیناً بوقت بعثت چالیس سال ہوگی

نیز فرماتے ہیں:

اذلا خلاف فی انه صلی اللہ علیہ وسلم اقام اربعین سنة لا یوحیٰ الیه

(زرقانی شرح موطا جلد۴ ص۲۸۱)

اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال اس حال میں (مکہ مکرمہ میں) قیام پذیر رہے کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی (اور یہ مسلم امر ہے کہ وحی کے

بغیر نبوت ثابت نہیں ہوسکتی)

(۱۴) حضرت امام حافظ ابوالفتح محمد بن سید الناس رحمہ اللہ تعالیٰ نور العیون فی سیرۃ الامین المامون میں فرماتے ہیں:

ولما بلغ ﷺ اربعین سنة و یوما ابعثه الله تعالیٰ بشیراً و نذیراً و اتاه جبرئیل بغار حراء فقال اقراء الخ۔ (جواہر جلد اول ص ۲۱۱)

جب محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم چالیس سال اور ایک دن کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور جبرئیل امین علیہ السلام غار حرا میں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اقراء الخ۔

(۱۵) حضرت امام علامہ ابو عبداللہ محمد بن الحاج العبدری المالکی اپنی تصنیف لطیف المدخل میں فرماتے ہیں:

عق ﷺ من نفسه بعد ماجاء ته النبوة

(بحوالہ جواہر البحار جلد اول ص ۲۳۸)

نبی کریم ﷺ نے اپنا عقیقہ آپ دیا بعد اس کے کہ نبوت آپ کو حاصل ہوئی۔

فائدہ:

کیا آغاز ولادت سے نبی ہونے کی صورت میں اس عبارت کا کوئی معنیٰ اور مفہوم بن سکتا ہے؟

(۱۶) حضرت عارف باللہ الشیخ البسوی الرومی ملت ابراہیمیہ کے بعثت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء تک دوام اور بقاء کو دلائل قاہرہ کے ساتھ ثابت کرنے کے بعد اپنی طرف سے اور شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ کی طرف سے فرماتے ہیں:

وفقه الله تعالیٰ فی ابتداء امرہ لعبادته بملة ابراهیم علیه السلام حتی جاء

الملك من عند الله بالرسالة والنبوة۔ قال الشیخ فی الفتوحات فی الباب الخامس والاربعین و لما کانت حالته ﷺ فی ابتداء امرہ ان الله و فقه لعبادته بملة ابراهیم الخلیل علیه السلام بغار حراء یتحنث فیه عنایة من الله سبحانه بهٖ ﷺ الیٰ ان فجأته الحق فجاءہ الملك فسلم علیه بالرسالة و عرفه بنبوته فلما تقررت عنده ارسل الیٰ الناس کافة بشیراً و نذیراً و داعیاً الیٰ الله باذنه و سراجاً منیراً۔ فحینئذ مازالت ملة ابراهیم ثابتة ومازالت امة من ذریته مسلمة من لدن دعوة ابراهیم علیه السلام الیٰ بعثته الرسول ﷺ بالرسالة والنبوة عند الاربعین من عمرہ۔

(بحوالہ جواہر البحار جلد چہارم ص ۳۲۶ فتوحات مکیہ ص ۳۱۹ جلد ۷)

"اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ابتدائے امر میں ملت ابراہیمی کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشی حتیٰ کہ آپ کے پاس فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام غار حرا میں) حاضر ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبوت و رسالت لے کر۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۴۵ میں فرمایا جبکہ نبی مکرم ﷺ کی حالت ابتداء امر میں یہ تھی کہ آپ ملت ابراہیمی پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عمل پیرا تھے اور غار حرا میں خلوت گزین اور گوشہ نشین ہو کر عبادت کیا کرتے تھے بسبب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی کے جو آپ کے ساتھ اسے تھی۔ یہاں تک کہ اچانک حق آپ پر نمودار ہو گیا پس فرشتہ آپ کے پاس آیا اور آپ کو رسول کے وصف اور لقب کے ساتھ سلام پیش کیا اور آپ کو منصب نبوت پر فائز کیے جانے کی اطلاع دی۔ جب نبوت کا آپ کو وثوق واطمینان ہو گیا تو آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت سنانے والا اور عذاب خداوندی سے ڈرانے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور نور پھیلانے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا"

فائدہ:

ان عظیم المرتبت عرفاء اور مقتدایان ملت کے نزدیک آپ آغازِ ولادت سے نبی ہوتے

تو غار حرا امین وحی کے نزول تک اور عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے تک ملت ابراہیمی پر عمل پیرا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ عالم ارواح میں آپ ان کے نبی اور متبوع ومقتداء تھے لہٰذا واضح ہو گیا کہ عالم ارواح اور بدن سے تجرد کا معاملہ اور ہے اور عالم اجسام کا اور روح اقدس کے بدن اطہر میں حلول وسریان کا معاملہ اور ہے۔

(۱۷) حضرت امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں امام بوصیری کے اس قول کے تحت فرماتے ہیں:

فاستبانت خدیجة انه ال — کنز الذی حاولته والکیمیا

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کرلیا کہ یہی وہ خزانہ اور کیمیا ہے جس کا انہوں نے ارادہ حاصل کرنے کا کیا ہوا تھا"

انہ ﷺ لما بلغ اربعین سنة وقیل و کسرا بعثه الله تعالیٰ یوم الاثنین کما فی خبر مسلم لسبع عشرة من رمضان و قیل لثمان من ربیع الاول و قیل کان فی رجب رحمة للعالمین و رسولاً الی کافة الخلق اجمعین کما قال ﷺ ارسلت الی الخلق کافة۔

"جب رسول محتشم ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور بقول بعض سال کا کچھ مزید برآں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوموار کے دن مبعوث فرمایا جیسے کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے بقول بعض سترہ رمضان المبارک کو اور بقول بعض آٹھ ربیع الاول کو اور بقول دیگران رجب شریف میں مبعوث فرمایا۔ درآنحالیکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ساری مخلوق کے لیے رسول تھے جیسے کہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے مجھے ساری مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا"

روی البخاری وغیرہ اول ما بدیٔ بہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصادقة فکان لایری رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح۔

"امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر نے ذکر کیا کہ سب سے پہلے آپ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کیساتھ کیا گیا چنانچہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بیدار ہونے پر وہ صبح کے سفیدہ کی طرح واضح طور پر سامنے موجود ہو جاتا"

پھر اس طرح کے آغاز کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لوفجأہ بغتة لم تحتمله قواہ البشرية

اگر فرشتہ اچانک وحی کے ساتھ آپ پر نازل ہوتا تو آپ کے قوائے بشریہ اس کی تاب ہی نہ لا سکتے

نیز فرمایا:

صح عن الشعبی انه قال انزلت عليه النبوة وهو ابن اربعين سنة الخ

حضرت شعبی سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نبوت اس وقت نازل کی گئی جبکہ آپ چالیس سال کے تھے۔

غار حرا میں خلوت نشینی کے بارے میں فرمایا:

لالطلب النبوة فانها موهبة لاتنال بكسب الخ

یہ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی نبوت کے حصول کے لیے نہیں تھی کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا وہبہ اور عطیہ خاص ہے مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل نہیں کی جا سکتی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿الله اعلم حيث يجعل رسالته﴾ اللہ تعالیٰ اس مکان اور محل کو بہتر جانتا ہے جس میں رسالت کو ودیعت فرماتا ہے۔ (بحوالہ جواہر البحار جلد دوم ص ۷۷، ۷۸)

فائدہ:

حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ کی عبارات اور یہ عبارات باہم متوافق ہیں اور آغاز ولادت سے نبوت کے سراسر منافی ہیں جیسے کہ ہر عاقل پر واضح ہے کیونکہ ان میں چالیس سال کے بعد

مبعوث ہونے کی تصریح موجود ہے۔ نیز سچے خوابوں کے ساتھ وحی کا آغاز بھی بین دلیل ہے کیونکہ یہ سلسلہ بھی چالیس سال کے پورے ہونے پر شروع ہوا اور یہ وضاحت کرنا کہ حصول نبوت کے لیے آپ نے غار حرا میں مجاورت اور اعتکاف اختیار نہیں کیا تھا اگر آغاز ولادت سے آپ نبی تھے تو یہ وہم کیسے پیدا ہو سکتا تھا؟ اور اسے دور کرنے کی ضرورت کیا تھی جبکہ اس صورت میں انتالیس سال سے بھی کچھ زائد عرصہ آپکی جسمانی اور عنصری نبوت پر گزر چکا تھا۔

اس طرح امام موصوف نے شرح شمائل میں ارشاد فرمایا:

ثم لما بلغ اربعین سنة او و اربعین یوما او شهرین بعثه الله تعالیٰ رحمة للعالمین یوم الاثنین خبر مسلم فی رمضان وقیل فی ربیع الاول فاقام بمكة ثلاث عشر سنة بالمدینة عشر سنین۔ (جواہر البحار جلد دوم ص ۹۲)

جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے یا چالیس دن مزید یا دو ماہ زائد عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ اللعالمین ہونے کی حالت میں مبعوث فرمایا۔ مسلم کی روایت کے مطابق رمضان میں اور دوسروں کے قول کے مطابق ربیع الاول میں پس ازاں آپ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے۔

بارہ سال کی عمر میں چچا ابو طالب کے ساتھ تجارت کے لیے جانے پر بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آپ پر نظر پڑتے ہی پکار کر کہا:

هذا سید العالمین هذا یبعثه الله تعالیٰ رحمة للعالمین

(جواہر الامام ابن حجر ہیتمی ص ۹۲)

”یہ سب جہانوں کے لیے سردار اور ملجا و ماوی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سب جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا“

ماضی کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ مضارع کا جو کہ مستقبل میں حاصل ہونے والے

خداداد منصب کی بشارت ہے نہ کہ پیدا ہوتے ہی نبی ہونے کا اعلان ہے، اور یہ روایت دوسری روایات کے مفہوم و مدلول کو واضح کر رہی ہے جن میں جملہ اسمیہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت علامہ شیخ جمل رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک داعی پر تبصرہ کرتے ہوئے امام سبکی کے حوالے سے فرمایا:

انہ ﷺ نبی فی عالم الارواح والذر وارسل الیہا بالفعل و دعا ھا و دلھا ثم نبی وارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغہ اربعین سنۃ من عمرہ ﷺ فامتاز عن الانبیاء والرسل علیہم السلام بانہ نبی مرتین و ارسل مرتین الاولیٰ فی عالم الارواح للارواح والثانیۃ فی عالم الاجساد للاجساد فقد دعا ﷺ ودل علی اللہ فی کل من الحالتین کما تقدم والاشارۃ الیٰ ذالک بقولہ تعالیٰ: وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس والانبیاء والرسل وجمیع اممھم وجمیع المتقدمین والمتاخرین داخلون فی کافۃ الناس و کان ھو داعیا بالاصالۃ وجمیع الرسل والانبیاء علیہم السلام یدعون الخلق الیٰ الحق عن تبعیتہ ﷺ و کانوا خلفاءہ ونوابہ فی الدعوۃ و فی بردۃ المدیح:

و کل آی اتی الرسل الکرام بھا فانما اتصلت من نورہ بھم

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

(بحوالہ جواہر البحار جلد دوم ص ۳۷۳)

"محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عالم ارواح اور نسمات میں نبی بنا گیا اور بالفعل نبی بنا کر ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا آپ نے ان کو دعوت دی اور رہنمائی فرمائی، پھر دوبارہ آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجساد میں، جبکہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی، لہذا آپ کو انبیاء ورسل علیہم السلام پر یہ امتیاز اور فوقیت حاصل ہے کہ آپ کو دو دفعہ نبی اور دو دفعہ رسول بنایا گیا۔ پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے، اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کے لیے۔

چنانچہ آپ نے ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اس کی طرف راہنمائی فرمائی اور اس عموم دعوت اور شمول دلالت کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں، ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا جبکہ انبیاء و رسل اور تمام امتیں اور سبھی اگلے پچھلے کافۃ الناس میں داخل ہیں۔

(دوسرے انبیاء رسل بھی داعی الی اللہ تھے تو اس اسم مبارک کی آپ کے ساتھ تخصیص میں کیا حکمت ہے تو اس کے جواب میں فرمایا) کہ آپ دراصل اور حقیقی داعی ہیں اور دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام آپ کی اتباع میں (اور آپ سے فیوض و فوائد حاصل کرنے کے بعد) مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور احکام پر کاربند ہونے کی دعوت دیتے تھے اور اس دعوت میں آپ کے خلفاء اور نائب تھے۔ قصیدہ بردہ میں امام بوصیری نے فرمایا:

"اور جو جو آیات و معجزات لے کر رسل کرام تشریف لائے تو وہ صرف اور صرف آپ کے نور حقیقت سے ہی ان کو حاصل ہوئے تھے"

"پس بیشک نبی الانبیاء ﷺ فضل و کمال کے آفتاب نیم روز ہیں اور حضرات انبیاء اس مہر منیر سے مستفید ستاروں کی مانند ہیں جو تاریکیوں (اور اس آفتاب کے عالم غیب میں محجب ہونے کی صورت میں) اسی سے حاصل کردہ انوار کو لوگوں پر ظاہر کرتے تھے"

(۱۹) امام علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء العلوم فرماتے ہیں:

بعثتہ ﷺ لثمان مضین من شھر ربیع الاول سنۃ احدی والاربعین من عام الفیل فاقام بمکۃ ثلاث عشر سنۃ۔ (جواہر البحار للعلامہ النبہانی جلد دوم ص ۳۹۳)

"سید عرب و عجم ﷺ عمر شریف کے اکتالیسویں سال عام الفیل میں ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو مبعوث ہوئے بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے"

اور یہی قول زیادہ مشہور ہے جبکہ پندرہ سال اور دس سال کے قول بھی ہیں اور مدینہ

منورہ میں ربیع الاول کو چوروان سال کی عمر میں تشریف لائے اور دس سال قیام پذیر رہے۔

علماء اعلام اور اکابرین اسلام علیہم الرحمہ والرضوان کے چالیس بلکہ اس سے بھی زیادہ اقوال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جن میں چالیس سال کے بعد آپ پر نبوت کے نزول اور آپ کے نبی بنائے جانے اور وحی کے نزول کی ابتداء کی تصریحات میں موجود ہیں اور قبل از نبوت مکہ مکرمہ میں چالیس سال قیام پر علماء امت کا اجماع واتفاق منقول ہے، جب کہ اجماع امت کی خلاف ورزی اسی طرح موجب ضلالت وغوایت ہوتی ہے جس طرح کہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی،

قال الله تبارك وتعالى: ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصلى جهنم وساءت مصيرا

''اور جو شخص بھی رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ ہدایت اس پر واضح ہوگئی اور مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ کی اتباع کرے ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری بازگشت ہے''

لہٰذا کسی صاحب علم وعرفان اور مالک عقل وفہم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ قرآنی آیات، ارشادات نبویہ اور امت کے علمائے اعلام کے اجماعی اور متفق علیہ نظریہ کو نظر انداز کرے اور اپنے اجتہاد اور بے بنیاد قیاسات کی بنیاد پر نیا نظریہ اور عقیدہ گھڑ لے، بلکہ خود راہ راست سے بھولا بھٹکا ہونے کے باوجود حق پرست اور صراط مستقیم پر چلنے والوں پر طعن وتشنیع کرے اور ان پر ضلالت وگمراہی کے فتوے جڑے، اعاذنا اللہ من الضلالۃ والغوایۃ۔

باب پنجم

چالیس سال بعد اعطائے نبوت کے متعلق شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ: (نبوت عیسیٰ علیہ السلام سے استدلال)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے نبی تھے تو سید الانبیاء ﷺ کا بچپن سے نبی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

نبی محتشم ﷺ کو آغاز ولادت سے ہی نبی ماننے والے حضرات کی یہ بڑی اہم دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آغاز ولادت میں اور شیر خوارگی کے عالم میں اعلان فرمارہے ہیں

انی عبداللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا (مریم:۳۰)

بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ ان سے افضل ہیں تو پھر دلالت النص کے طور پر آپ کا آغاز ولادت سے نبی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوجائے گا بصورت دیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ سے افضل ماننا لازم آجائے گا اور یہ بارگاہ مصطفوی کی بے ادبی اور گستاخی ہے جو قطعا روا نہیں ہے۔

الجواب:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی افضل ہیں تو دلالۃ النص کا تقاضا وہاں بھی یہی ہوگا کہ ان کو بچپن سے نبی مانا جائے حالانکہ کوئی صاحب علم اور مالکِ عقل و دانش یہ قول نہیں کرسکتا تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان حضرات پر فضیلت دینا لازم نہیں آئے گا اور یہ ان کی بارگاہ اقدس میں بے ادبی اور

گستاخی نہیں ہوگی؟ اور کیا پیغمبران کرام میں سے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی جائز نہیں باقی جتنے بھی بلند مرتبہ اور عالی مقام ہوں کیا ان کی بے ادبی اور گستاخی جائز اور روا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالك

(۲) کتاب عطا ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نبی بنائے جانے کا بعد میں تو کیا کتاب آپ کو اس وقت مل چکی تھی اور پنگھوڑے میں آپ کے پاس موجود تھی اور آپ نے ان معترضین کو دکھلائی تھی یا سنائی تھی۔ اگر معطوف علیہ میں ماضی کا صیغہ اپنے اصل معنیٰ پر نہیں ہے تو معطوف میں اصل معنیٰ پر ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ بلکہ معطوف علیہ میں مستقبل کو مجاز بالمشارفة کے طور پر ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تا کہ اس کے زمانہ مستقبل میں یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے پر تنبیہ ہو جائے جیسے کہ قول باری تعالیٰ نفخ فی الصور میں یہی حکمت اور مصلحت کارفرما ہے ورنہ لازم آجائے گا کہ نزول قرآن سے بھی پہلے صور میں پھونکا جا چکا ہو اور قیامت قائم ہو چکی ہو لہذا ہمیں قیامت کے بارے میں کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہونا چاہیے حالانکہ یہ لازم بدیھی البطلان ہے۔

(۳) نیز قول باری تعالیٰ ہے ﴿برّا بوالدتی﴾ کا عطف ﴿نبیّا﴾ پر ہے اور محصل عبارت یوں بنے گی: جعلنی برا بوالدتی، مجھے ماں کے ساتھ نکوکار اور محسن بنایا تو لازم آئیگا کہ آپ نے اس دوران والدہ ماجدہ کے ساتھ نیکی اور احسان کیا جبکہ ولادت شریفہ پر دو تین دن گزرے تھے تو لامحالہ یہاں بھی معنیٰ یہی ہوگا کہ مستقبل میں مجھے والدہ ماجدہ کے ساتھ برو احسان کرنے والا بنائے گا اور عاصی و نافرمانبردار نہیں بنائے گا بلکہ مطیع اور فرمانبردار بنائے گا۔

(۴) نیز ارشاد باری تعالیٰ ﴿واوصانی بالصلوٰة والزكوٰة ما دمت حیّا﴾ (مریم: ۳۱) اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکیدی حکم فرمایا ہے نماز اور زکوٰۃ کا جب تک زندہ رہوں۔

تو کیا ولادت کے ساتھ ہی آپ کو نماز اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم مل چکا تھا کیونکہ اوصانی بھی ماضی کا صیغہ ہے تو معترضین کے ساتھ ہم کلام ہونے سے پہلے اس وصیت اور تاکیدی حکم کا ثبوت وتحقق ضروری ٹھہرا۔ نیز مادمت بھی ماضی کا صیغہ ہے تو ان تین دنوں کے عرصہ حیات میں آپ اس بدنی اور مالی عبادت کے ساتھ مکلف ٹھہرائے گئے ہوں گے کیا کوئی عقلمند آدمی یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ آپ ولادت کے بعد تین دنوں میں نمازوں اورزکواۃ کے مکلف ہوں۔

الحاصل

جب ماقبل اور مابعد والے صیغے اپنے ماضی والے معنی میں نہیں بلکہ مستقبل زمانہ میں پیش آنے والی صورتحال کا ان میں بیان ہے تو لامحالہ جعلنی نبیا میں بھی مستقبل میں حاصل ہونے والے اعزاز واکرام کا بیان ہے اور چونکہ یقینی طور پر یہ منصب حاصل ہونا تھا اور کتاب بھی عطا ہونی تھی اور نماز وزکوۃ کا حکم آپ پر اور آپکی امت پر لاگو ہونا تھا اس لئے ان امور کو صیغہ ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا تا کہ تیقن وقوع پر دلالت پائی جائے۔

تحقیقی جواب اور حقیقت حال کا بیان:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان اس وقت میں کرانے کی ایک خاص حکمت تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگائی گئی اور آپ خود بھی اس کی زد میں آرہے تھے تو جس مولود کی حالت ایسی ہو وہ بڑا ہو کر منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کا دعویٰ کس طرح کرسکتا تھا اور لوگوں میں اس کو پذیرائی کیوں کر نصیب ہوسکتی تھی؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ سے بھی اس الزام واتہام کو دور کیا جائے اور آپ کے دامن کی طہارت ونزاہت بھی روز روشن کی طرح اجاگر کر دی جائے تا کہ بعد والے دور میں اعلان نبوت ورسالت پر کوئی مفسد اور بد باطن اس طرح کا اعتراض نہ کرسکے۔ اس لیے آپ اس وقت اس قدر کلام فرمانے کے بعد

خاموش رہے اور جس طرح معمول کے مطابق بچے کلام کرنے کے قابل ہوتے ہیں آپ نے بھی اسی مدت میں کلام کرنا شروع فرمایا۔

چنانچہ امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر در منثور میں فرمایا کہ ابن ابی شیبہ، ابن حاتم اور ابن عساکر نے مجاہد کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

ما تکلم عیسیٰ بعد الایات التی تکلم بھا حتی بلغ مبلغ الصبیان

(جلد چہارم ص ۱۷۱)

اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے:

روی ان عیسیٰ علیہ السلام انما تکلم بھذہ الایات ثم عاد الیٰ حالۃ الاطفال حتیٰ مشیٰ علیٰ عادۃ البشر الیٰ ان بلغ مبلغ الصبیان فکان نطقہ اظھار براءۃ امہ لا انہ کان ممن یعقل فی تلک الحالۃ و ھو کما ینطق اللہ تعالیٰ الجوارح یوم القیامۃ و لم ینقل انہ دام نطقہ و لا انہ یصلیٰ و ھو ابن یوم او شھر و لو کان یدوم نطقہ و تسبیحہ و وعظہ و صلواتہ فی صغرہ من وقت الولادۃ لکان مثلہ مما لا ینکتم۔ و ھذا کلہ یدل علیٰ فساد القول الاول و یصرح بجھالۃ قائلہ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۱ ص ۷۰)

''مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ان آیات کے ساتھ کلام فرمایا تھا پھر عام بچوں والی حالت پر ہو گئے اور عام بشروں کی عادت اور معمول کے مطابق عمل پیرا رہے تا آنکہ بچوں کے بولنے کی عمر اور میعاد کو پہنچے تو ان کا یہ کلام فرمانا لوگوں کے اتہام سے اپنی امی جان کی براءت ظاہر کرنے کے لیے تھا نہ کہ آپ اس حالت میں عقل کامل والے لوگوں میں سے تھے اور یہ اس کی مانند ہے جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے اعضا کو قوت گویائی عطا فرما دے گا اور یہ امر منقول نہیں ہے کہ آپ اس کے بعد بولتے رہے اور نہ یہ منقول ہے کہ آپ ایک

دن یا ایک ماہ کی عمر میں نماز ادا کرتے رہے اور اگر ان کا بول چال اور تسبیح و تقدیس اور وعظ و تبلیغ اور نماز کی ادائیگی صغر سنی اور شیر خوارگی کے زمانہ میں آغاز ولادت سے ہی جاری رہتی تو یہ امور کسی سے پوشیدہ کیونکر رہ سکتے تھے؟ لہذا یہ تمام صورت حال پہلے قول یعنی بچپن سے نبی ہونے والے قول کے بطلان اور اس کے قائل کی جہالت کی تصریح کر رہی ہے"

الغرض یہاں آپ کا کلام کرنا اس حکمت کے تحت تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی براءت بھی ثابت ہو جائے اور آپ کی طہارت دامن اور پاکیزگی طینت بھی ثابت ہو جائے اور عام قسم کے کلام سے یہ عظیم مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا لہذا حاصل ہونے والی کتاب اور منصب نبوت اور اہم قسم کے شرعی احکام بھی بیان فرمائے اور اپنا مجسمۂ خیر و برکت ہونا اور آغاز ولادت سے وفات اور قیامت کے دن بعث و احیاء پر بھی سلامتی ہی سلامتی کا مالک ہونا ظاہر فرمایا جبکہ خبیث جوہر اور ناپاک طینت والے لوگ ان کمالات اور خوب ترین اوصاف کے مالک نہیں ہو سکتے اس سے ان کا عقل کامل والا ہونا اور امور کے حقائق پر مطلع ہونا بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ ان کے بالفعل حصول کے ساتھ موصوف اور متصف ہونا ضروری ہو۔

اس لیے علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی ۔بعض حضرات نے اگرچہ بچپن سے ہی نبوت کا قول کیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے تیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کا قول کیا ہے اور بعض حضرات نے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے پر اصرار کیا اور اسی آخری قول کو معتمد علیہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

والمعتمد انه علیه السلام نبی علیٰ رأس الاربعین و عاش نبیاً و رسولاً ثمانین سنة فلم یرفع الا وھو ابن مائة و عشرین سنة (تفسیر جلالین وحواشی)

"قابل اعتماد اور لائق اعتبار یہی امر ہے کہ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا

اور نبوت و رسالت کی حالت میں آپ نے اسی (۸۰) سال زمین پر گزارے تو اس کے بعد ایک سو بیس سال کی عمر میں آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا"

الغرض:

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں ہی نبی بنائے جانے پر اجماع اور اتفاق نہیں ہے بلکہ حسب معمول چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے والے قول کو راجح اور مختار اور معتبر و معتمد علیہ قرار دیا گیا ہے تو اس سے دلالۃ النص کے طور پر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز ولادت سے ہی نبی بنائے جانے کے دعوے پر استدلال کی حیثیت کیا ہو گی؟

(۵) علاوہ ازیں جزوی امور میں دلالۃ النص کا سہارا لینا درست نہیں ہوتا، ورنہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تو ان سے افضل حضرات کو بھی بن باپ پیدا ہونے والے ماننا ضروری ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جو حضرات ان سے افضل ہیں ان کا بھی ماں باپ کے بغیر پیدا ہونا تسلیم کرنا ضروری ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روحانی مطب کھولا ہوا تھا اور برص کے مریضوں اور مادر زاد اندھوں کو شفایاب کرتے تھے ابری الاکمہ والابرص، اور روزانہ پچاس پچاس ہزار مریض آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور آپ ہاتھ پھیرنے سے قاصر رہتے تو اپنے مستعمل کپڑے دے دیتے تو مریض ان کے ذریعے شفا حاصل کر لیتے تو کیا ان سے افضل حضرات کو ان سے بھی بڑا روحانی مطب کھولنا لازمی تھا لہذا جزوی فضیلت جو ایک ضرورت کے تحت ظاہر کی گئی اس کو بنیاد بنا کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عالم اجسام میں آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرنا اور اس کو قطعی عقیدہ ٹھہرا لینا اور اس سے اختلاف کرنیوالوں کو گستاخ اور بے ادب اور ضال و مضل اور کافر قرار دینا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اصول شریعت سے ناواقفی اور لاعلمی کی دلیل ہے۔

(۶) قابل غور امر یہ ہے کہ اگر بقول مستدل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت

کتاب بھی عطا ہو چکی تھی اور نبوت بھی تو اس طرح آپ کا بچپن میں رسول ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جو نبی صاحب کتاب ہو وہ رسول بھی ہوتا ہے خواہ پہلے نبی کی کتاب دوبارہ اس پر نازل کردی جائے یا مستقل اور مخصوص کتاب ہو۔ اور یہاں پر مستقل اور مخصوص کتاب آپ کو عطا کی گئی تھی تو آپ اس حالت میں رسول بھی بن چکے ہوں گے جبکہ نبی مکرم ﷺ پر کتاب کا نزول چالیس یا تینتالیس سال کے بعد ہی ثابت کیا جاسکتا ہے تو ظاہر ہے رسالت بھی اسی وقت سے ثابت کی جاسکتی ہے تو پھر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی آپ پر فضیلت لازم آجائیگی کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت محضہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ فافهم وتدبر ولا تكن من الغافلين

(۷) علاوہ ازیں آپ کو نبوت ملی تو فوراً اعلان کردیا اور جو لوگ حضرت مریم عفیفہ علیہا السلام کے حق میں بدظنی اور بدگمانی اور غیبت وغیرہ کیوجہ سے گنہگار ہو رہے تھے اور غلط راہ کو اپنائے ہوئے تھے ان کی ہدایت کا سامان کردیا لیکن نبی مکرم ﷺ نے چالیس سال تک اس نبوت کو اس طرح چھپائے رکھا کہ اخص الخواص اور مقرب ترین حضرات پر بھی اس کا انکشاف نہ کیا اور کسی طرح کی راہنمائی اور ہدایت وارشاد کا سامان کسی کے لیے بھی نہ فرمایا تو اس لحاظ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اور برتری لازم آجائیگی اور اس دلالت النص کا یہاں پر اجراء مستدل صاحب کو مہنگا پڑ جایگا۔

(۸) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت ملتے ہی اعلان فرمادیا تو اس سے یہ امر واضح طور پر ثابت ہو جایگا کہ نبی کو نبوت ملتے ہی اور اس کا وثوق واطمینان حاصل ہوتے ہی اظہار اور انکشاف کرنا لازم اور ضروری ہے اور کتمان اور اخفاء قطعاً روا نہیں ہے تو پھر عرصہ دراز تک اور عمر شریف کے تقریباً دو تہائی حصہ تک آپ کا نبوت کو چھپائے رکھنا کیونکر جائز ہوگا اعلان نبوت ورسالت میں اس دلالۃ النص کو کیوں ملحوظ نہیں رکھا جاتا، اگر حصول نبوت میں اس کا لحاظ ضروری ہے تو اعلان نبوت میں اس کا لحاظ کیوں ضروری نہیں بلکہ عدم اعتبار لازم ہے تو آخر اس

تفریق اور امتیازی سلوک کا جواز کیا ہے؟

(۹) مزید برآں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم ارواح میں ہوتے ہوئے نبوت والے منصب پر فائز ہونے اور اس شرف اور اعزاز کے ساتھ مشرف اور معزز ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا بلکہ عالم اجسام میں جلوہ گری پر ملنے والی نبوت کی خبر دی تھی تو دلالۃ النص کے طور پر نبی مکرم ﷺ میں جو نبوت ثابت کی جائے گی وہ بھی یہی عالم اجسام میں جلوہ گری پر حاصل ہونے والی نبوت ہوگی نہ کہ عالم ارواح میں ملنے والی نبوت کا تسلسل اور دوام اس کے ساتھ ثابت کیا جا سکے گا جبکہ مستدل حضرات کا نظریہ یہی ہے کہ وہی نبوت دائم اور قائم تھی کیونکہ نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے، جبکہ اس طرز استدلال سے نئی جسمانی نبوت کے حصول پر بظاہر استدلال کی گنجائش ہو تو ہو پہلی نبوت کے تسلسل اور مداومت پر اس سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جبکہ مستدل صاحب (کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) کو اپنی دلیل بنائے ہوئے ہیں۔ تو اس نبوت کے تسلسل اور دوام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے اس دعوے سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی فتامل حق التامل وتدبر حق التدبر

کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی افضل اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام بھی افضل ہیں اور وہ بالاتفاق عالم اجسام میں چالیس سال کے بعد اس منصب پر فائز فرمائے گئے تو عالم اجسام والی نبوت میں بھی یہ دلالت النص جاری نہ ہو سکی تو عالم ارواح والی نبوت کے دوام اور تسلسل میں اس کے اجراء اور اس کے ساتھ تمسک و استدلال کا جواز کیا ہو سکتا ہے؟

(۱۰) نیز علمائے کلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد (جعلنی نبیا) کو اور نبی مکرم ﷺ کے فرمان کنت نبیا و آدم بین الماء والطین کو مستقبل میں حاصل ہونے والے منصب نبوت کے معنیٰ میں لیا ہے، جیسے حضرت میر سید رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مواقف میں

اور حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے نبراس میں تصریح فرمائی ہے تو ان کے متعلق ان حضرات کا کیا فتویٰ ہوگا؟ عبارت ہم پیش کر رہے ہیں اور انتظار میں رہیں گے کہ ان پر بھی اس طرح کا فتویٰ سامنے آتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہم غریبوں پر لگایا جا رہا ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرھاروی نے نبراس میں فرمایا:

قال القاضی ابو بکر المتکلم کان عیسیٰ علیہ السلام رسولا من حین الصبا لقولہ فی المھد و جعلنی نبیاً و اجیب بانہ کقولہ علیہ السلام کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ (ص ۴۳۰)

"قاضی ابوبکر متکلم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے ہی رسول تھے کیونکہ انہوں نے مہد میں اعلان کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کا قول نبی کریم ﷺ کے قول کی مثل ہے کہ میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے"

یہاں علامہ پرہاروی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان کو کنت نبیا والی حدیث مبارکہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، حاشیہ میں اس تشبیہ کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے:

فی انہ تعبیر عن المتحقق فیما یستقبل بزمان الماضی

"وجہ تمثیل و تشبیہ یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں موجود و متحقق ہونے والے امر کو ماضی زمانہ (پر دلالت کرنے والے صیغہ کیساتھ) تعبیر کیا گیا ہے (اور یہ طریقہ وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں مستقبل میں اس کا وجود و تحقق یقینی ہو)

اور میر سید علیہ الرحمہ نے اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

من البین ان ثبوت النبوۃ فی مدۃ طویلۃ بلا دعوۃ ولا کلام مما لا یقول بہ عاقل (شرح مواقف ۶۶۷)

"یہ امر واضح ہے کہ مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ تک کوئی (ہستی نبی اور رسول ہونے کے باوجود) نہ اس کی دعوت دے اور نہ اس کے متعلق کلام ہی کرے کوئی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا"

یہ امر مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کلام کرنے کے بعد نہیں بولے اور عام بچوں کی طرح معمول کے مطابق کلام کرنا شروع کیا جیسے کہ تفسیر قرطبی وغیرہ کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

قبل ازیں تفسیر قرطبی کی عبارت بھی ذکر کی جا چکی ہے جس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ آپ کا آغاز ولادت میں یہ کلام کرنا اور اس کے بعد نہ کلام کرنا اور نہ نماز ادا کرنا ایک دن کی عمر اور ایک ماہ کی عمر میں تو یہ امور قول اول یعنی آپ کے آغاز ولادت سے منصب نبوت پر فائز ہونے والے قول کے فساد کی دلیل اور اس کے قائل اور معتقد و معترف کی جہالت و لاعلمی کی برہان ناطق اور دلیل صادق ہیں۔

معترضین کا دوسرا شبہ:

حدیث مبارکہ (کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) وغیرہ سے استدلال:

جب نبی مکرم ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ "میں اس وقت سے نبی ہوں جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے"

تو آپ کی نبوت کا دوام اور تسلسل تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اس کا خلاف اساءت اور بے ادبی ہوگا اور یہ صرف ایک حدیث نہیں ہے بلکہ اس مضمون کی متعدد احادیث کتب احادیث اور کتب سیرت میں مروی ہیں لہذا ان کو تسلیم کرنا اور ان کے معنیٰ اور مفہوم کے مطابق اعتقاد رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

الجواب و هو الموفق للصدق والصواب:

کسی حدیث شریف اور آیت کریمہ کا ثابت الاصل ہونا علیحدہ امر ہے اور اس کا ظاہری معنیٰ اور مفہوم مراد ہونا علیحدہ امر ہے لہذا آیات کریمہ میں قطعی الثبوت ہونے کے باوجود ہوسکتا ہے ظاہری معنیٰ مراد لینا جائز نہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ ہے ﴿الرحمٰن علی العرش استوی﴾ (طہٰ:۵) اور قول باری تعالیٰ ﴿لما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم﴾ (آل عمران:۱۴۲) پہلی آیت کے ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر متمکن ہونا ثابت ہورہا ہے حالانکہ وہ مکان میں متمکن ہونے سے پاک ہے، دوسری آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کی ان لوگوں کے حق میں مستغرق ہونے کی نفی لازم آرہی ہے جو قطعاً باطل ہے اللہ تعالیٰ کو مخلوق ساری کا ازل سے تفصیلی علم ہے اور یہی عقیدہ برحق ہے اس کا خلاف کفر وضلالت ہے۔

خارجی فرقہ نے مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ متنازعہ امور کو طے کرنے کے لیے ثالثی فیصلہ قبول کر لینے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ثالث تسلیم کر لینے پر آپ کے اس اقدام کو شرک سے تعبیر کیا اور آپ کو شرک کے فتوے کا ہدف بنایا اور اپنے دعویٰ پر بطور دلیل یہ آیت پیش کی ﴿ان الحکم الا للہ﴾ (الانعام:۵۷) حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور تم نے غیر اللہ کا حکم مان لیا لہذا تم مشرک ہوگئے اور یہ اقدام شرک ٹھہرا تو آپ نے فرمایا (کلمۃ حق ارید بھا الباطل) آیت کریمہ تو برحق ہے مگر اس سے جو معنیٰ کشید کیا گیا ہے وہ باطل ہے، اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان اختلاف ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ﴿فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا﴾ (النساء:۳۵) ایک حکم اور ثالث خاوند کے قرابت داروں کی طرف سے متعین کرو اور ایک حکم اور ثالث بیوی کے قرابت داروں کی طرف سے مقرر کرو جو انکی باتیں سن کر ان کے درمیان تصفیہ کرائیں اور انکے باہمی نزاع اور اختلاف کا خاتمہ کریں۔ اگر میاں بیوی کے باہمی

اختلاف کی صورت میں ثالثی فیصلہ کرانے اور اسے قبول کرنے سے شرک لازم نہیں آتا بلکہ حکم خداوند تعالیٰ ہے تو یہاں ہزاروں بچوں کے یتیم ہونے اور سینکڑوں عورتوں کے بیوہ ہونے کا معاملہ ہے تو اس میں میرا ثالثی فیصلہ کرانا اور اسے قبول کرنا کیونکر نا جائز اور کفر وشرک ہوگا؟

خود نبی مکرم ﷺ نے یہود کی بدعہدی پر ان کے خلاف کاروائی فرمائی اور ان کا محاصرہ کرلیا تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث ماننے اور ان کے فیصلہ کو قبول کرنے کا وعدہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بھی تسلیم کرلیا اور ان کے فیصلے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق ان یہودیوں کے ساتھ سلوک فرمایا تو جب اللہ کا فرمان میاں بیوی کے اختلاف میں یہ ہے اور جب صاحب قرآن نبی مکرم ﷺ کا عمل بھی یہ ہے تو میرے اس اقدام کو شرک قرار دینے کا جواز کیا ہوسکتا ہے؟ لہذا جو آیت تم نے پیش کی ہے وہ برحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں تھی جو تم نے سمجھی اور یہ مطلب و مقصد نہیں تھا جو تم نے اس آیت سے مراد لیا۔

الغرض ضروری نہیں ہے کہ بادی النظر میں جو معنیٰ آیت و حدیث سے سمجھ آرہا ہو وہ معنیٰ و مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ہاں مراد اور مطلوب بھی ہو لہذا اسلاف کرام اور مقتدایان انام کی طرف اس معاملہ میں رجوع کرنا چاہیے کہ وہ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، اور انکے نزدیک اس کلام سے اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی مراد کیا ہے؟

حضرت شیخ محقق نے ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۰)

شرح مواقف اور شرح شرح العقائد للنسفی وغیرہ کے حوالے ابھی نظر نواز ہو چکے ہیں ان کے نظر انداز کرنے اور ناقابل قبول ٹھہرانے کی وجہ وجیہہ کیا ہے اور کیا انکے خلاف وہی زبان استعمال کی جاسکتی ہے جو کہ ہمارے خلاف استعمال کی گئی ہے اور اس کا استعمال ضروری سمجھا

گیا؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑا نبی مکرم ﷺ کا محب صادق اور عاشق صادق اور احادیث رسول ﷺ پر اور انکے مطالب و معانی تک رسائی حاصل کرنے والا اوران جیسا کوئی محقق اس متحدہ ہندستان میں نہیں گزرا تو ان کا ارشاد ہی اس ضمن میں معلوم کر لیتے ہیں اور اسکے مطابق نظریہ اپنا لیتے ہیں پہلے دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں پھر شیخ علیہ الرحمہ نے جوان کا مطلب اور انکا مفہوم مراد لیا ہے وہ معلوم فرماویں:

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

قالوا متیٰ وجبت لك النبوت یا رسول اللہ ﷺ قال و آدم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی)

''صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ سے دریافت کیا کہ نبوت کس وقت آپ کے لیے ثابت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ نبوت میرے لیے ثابت ہوئی درآنحالیکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے''

یعنی ان کی تخلیق تام نہیں ہوئی تھی اوران کی روح ان کے بدن سے متعلق نہیں ہوئی تھی

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبین وان آدم لمنجدل فی طینتہ الحدیث

(رواہ فی شرح السنۃ)

''بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہوں ختم کرنے والا سلسلہ انبیاء کا کہ میرے بعد کوئی پیغمبر پیدا نہیں کیا جائے گا جبکہ آدم علیہ السلام گارے مٹی میں پڑے ہوئے تھے''

اس حدیث کا محصل وہی ہے جو لوگوں کی زبان زد اس روایت

كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين

کا ماحصل اور مفہوم ہے اور بعض روایات میں کنت کی بجائے (کتبت) وارد ہے جس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پیغمبر اور نبی لکھا ہوا ہوں درآنحالیکہ آدم علیہ السلام آب وگل کے درمیان تھے یعنی پیدا نہیں کیے گئے تھے۔

ان احادیث کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اب شیخ محقق کا ذکر فرمودہ سوال وجواب ملاحظہ فرماویں:

اینجا میگویند که از سبق نبوت آنحضرت چه مراد است اگر علم و تقدیر الهی است نبوت همه انبیاء را شامل است واگر بالفعل است آن خود در دنیا خواهد بود۔جوابش آنست که مراد اظهارِ نبوتِ اوست ﷺ پیش از وجود عنصری وے در ملائکه وارواح چنانکه وارد شده است کتابت اسم شریف او بر عرش و آسمانها و قصورِ بهشت و غرفه هائے آن و بر سینه هائے حورالعین و بر برگهائے درختان جنت و درختِ طوبیٰ و برابرو ها و چشمهائے فرشتگان۔

(اشعة اللمعات جلد چهارم ص ٤٩٩)

سوال:

اس جگہ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی سبقت نبوت سے کیا مراد ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی تقدیر اور قضاء وقدر میں آپ کی نبوت کی سبقت مراد ہے (تو یہ غلط ہے) کیونکہ علم الٰہی اور تقدیر خداوندی میں سب برابر ہیں اور وہ سب کی نبوت کو شامل اور محیط ہے۔ اور اگر نبوت بالفعل مراد ہے تو وہ دنیا میں آپ کو حاصل ہوئی تھی نہ کہ تخلیق آدم سے قبل حاصل ہو چکی تھی؟

جواب:

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کی نبوت کا اعلان و اظہار اور ملائکہ و ارواح کے درمیان اسکی تشہیر و اشاعت ہے، قبل اس کے کہ آپ عنصری اور جسمانی وجود کے ساتھ موجود ہوں جیسے کہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ کا نام مبارک (اور وصف رسالت) عرش اعظم اور تمام آسمانوں پر بہشت کے محلات اور بالاخانوں پر حورالعین کے سینوں پر، جنت کے درختوں کے پتوں پر اور طوبیٰ نام والے عظیم درخت کے پتوں پر اور فرشتوں کے ابروؤں پر اور آنکھوں پر لکھا ہوا ہے"

اقول:

گویا نہ اس وقت آپ کا بالفعل نبی ہونا مراد ہے اور نہ محض علم الٰہی اور اس کے قضاو قدر میں آپ کا نبی ہونا مراد ہے، بالفعل نبی تو واقعی بعد میں بنائے جائیں گے جب وجود عنصری کے ساتھ اور جسمانی حالت کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہوں گے لیکن اس وقت میں آپ کی آمد آمد کے تذکرے اور چرچے اور اس کی شہادات اور مژدے دینے مقصود ہیں اور اعلانات اور تشہیر و اشاعت مقصود ہے اور یہ جواب علماء ظاہر کی طرف سے ہے، کیونکہ اس کو عرفاء کی توجیہ کے مقابل ذکر فرمایا ہے اور گویا علمائے ظاہر کا اس پر اجماع و اتفاق ہے اس لئے اکثر یا بعض کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن عرفاء کا قول نقل کرتے ہوئے بعض کا ذکر فرمایا ہے۔

جواب دوم:

بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روح شریف وے ﷺ نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربی اجساد بود و بہ تحقیق ثابت شدہ است خلق ارواح قبل از اجساد واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۴۹۹)

''عرفاء حضرات میں سے بعض نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ کی روح اقدس عالم ارواح میں بالفعل منصب نبوت پر فائز تھی جو کہ روحوں کی تربیت فرماتی تھی جیسے کہ اس عالم اجساد میں اپنے جسمِ اقدس کے ساتھ اجساد و اجسام کے لیے مربی تھے اور ارواح کا اجسام سے پہلے مخلوق ہونا تحقیقی طور پر ثابت ہے (لہذا روح اقدس کا ارواح کے لیے پہلے نبی ہونا اور جسم اقدس کیساتھ بعد میں اجساد و اجسام کے لیے بالفعل نبی ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔)

حضرت شیخ نے اسی طرح کا ایک سوال وجواب دوسرے مقام پر ذکر فرمایا ہے اس کا مطالعہ بھی ازبس ضروری ہے:

سوال :

اگر گویند که همه انبیاء را بلکه همه مردم را هر چه دادند پیش از وجود عنصری ایشان دادند و نصیب کرده اند پس فضل بآں شود که ایشانرا بیشتر دادند از دیگران نه پیشتر ۔(یعنی انا اعطینك الکوثر کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنے میں جو حکمت بیان کی گئی ہے۔) که ایں عطا حاصل شده است پیش از وجود عنصری وے ﷺ چنانکه گفت کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد گویا گفت یا محمد ﷺ مهیا ساختیم ما اسباب سعادت ترا برائے تو پیش دخول تو در دائره وجود پس چگونه مهمل میگذاریم ترا بعد از وجود تو و اشتغال تو با عبادت ۔

یہ عطا تمہیں تمہارے وجود عنصری سے پہلے عطا ہو چکی ہے جیسے کہ فرمایا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ ہم نے تمہاری سعادت کے اسباب تمہیں عطا کر دیے قبل اس کے کہ تم دائرہ وجود میں داخل ہوتے تو تمہارے موجود ہونے کے بعد اور ہماری عبادت میں مشغول ہونے کے بعد تمہیں کیونکر نظر انداز کریں گے تو اس پر سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو بلکہ تمام

انسانوں کو جو کچھ عطا کیا گیا تو وہ ان کے وجود عنصری سے قبل ہی انکا مقدر اور نصیب بنا دیا گیا تھا تو آپ کی ان پر فضیلت عطا کی کثرت اور فراوانی کے لحاظ سے تو ہو سکتی ہے نہ کہ ان سے پہلے ملنے کے لحاظ سے۔

جواب:

جوابش آنکه میگویند که نبوت آنحضرت و کمالات وے ﷺ در عالم ارواح ظاهر کرده بودند و ارواح انبیاء ازاں استفاده کردند چنانکه فرمود کنت نبیا الحدیث و نبوت انبیاء دیگر درعلم الٰهی بود نه در خارج۔

(مدارج النبوت جلد اول ص ۲۴)

اس کے جواب میں علمائے کرام اور اکابرین ملت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور دیگر کمالات عالم ارواح میں ظاہر کر دیے گئے اور انبیاء علیہم السلام کی روحیں آپ کی روح اقدس سے استفادہ کرتیں تھیں جیسے کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الٰہی میں تھی خارج اور ظاہر میں نہیں تھی۔

تنبیہ: (۱)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم ارواح میں بالفعل نبی ماننے کے باوجود اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے آپ سے استفادہ کرنے اور فیوض و فوائد حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے کے باوجود اور اس نبوت کے سلب ہونے یا زائل ہونے کا عقیدہ رکھے بغیر وجود عنصری اور جسمانی وجود کے لحاظ سے چالیس سال کے بعد آپ کا بالفعل نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں تو لامحالہ عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت میں فرق کرنا ضروری ہے۔

تنبیہ: (۲)

کسی کے حق میں ایک نعمت کے عطا کرنے کا فیصلہ اور اس کی تقدیر علیحدہ امر ہے اور

اس کا بالفعل حصول علیحدہ امر ہے جیسے کہ پیغمبران کرام علیہم السلام کو نبوت عطا کرنے کی تقدیر اور قضاء عالم ارواح بلکہ ازل میں ثابت ہے لیکن عملی طور پر اس کا حصول اور وصول عالم اجسام میں ہزاروں سال بعد پایا گیا اور اس کا اظہار اور اعلان بعد میں پایا گیا لہذا پہلی نبوت عند اللہ نبوت ہے نہ کہ عند الخلق اور دوسری نبوت عند الخلق بھی ہے۔

تنبیہ: (۳)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے نبی مکرم ﷺ کے لیے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس یہ محبوب تشریف لائیں تو تمہیں ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی امداد واعانت کرنا ہوگی تو اس عہد وپیمان کے دوران جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تھا انہیں مستقبل میں عالم اجسام کے اندر ظاہر ہونے پر اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا فیصلہ بھی معلوم ہو چکا اور اپنے نبی بنائے جانے کا علم آ چکا لیکن شیخ محقق علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق وہ بالفعل نبی نہیں تھے لہذا ثابت ہو گیا کہ نبی بنائے جانے کا علم علیحدہ امر ہے اور بالفعل نبی ہونا علیحدہ امر ہے لہذا نبی مکرم ﷺ عمر شریف کے ابتدائی حصہ میں اپنے نبی بنائے جانے کا علم رکھتے ہوں یہ محل کلام یا موضوع بحث نہیں ہے بحث اور کلام عملی طور پر اور بالفعل منصب نبوت کے مالک ہونے اور فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلف ہونے میں ہے۔

تنبیہ: (۴)

نیز جو حضرات آیت میثاق میں النبیین کا لفظ دیکھ کر ان سب انبیاء علیہم السلام کو عالم ارواح میں بالفعل نبی مانتے ہیں ان کو بھی سوچنا چاہیے کہ اسلاف کی سوچ کیا ہے اور ان کی سوچ کیا ہے وہ کس شاہراہ پر گامزن ہیں اور یہ کس راہ پر ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نبی مکرم ﷺ تو ان اکابرین کی تصریحات کے مطابق ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے

عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے تو دوسرے حضرات کس کے لیے بالفعل نبی تھے؟ کیا وہ سبھی آپ کے لیے نبی تھے؟ نعوذ باللہ تعالیٰ ۔ کیونکہ امتوں کے ارواح کے لیے نبوت ثابت کی جائے تو آپ کے حق میں اپنی امت کے ارواح کے لیے پہلے نبوت ماننا لازمی تھی تو لامحالہ امتوں کے ارواح کے لحاظ سے نبوت بالفعل ثابت کرنیکا جب کوئی جواز نہیں تو وہ اس دلیل میں قطعاً بالفعل نبی نہیں تھے۔

بہرکیف ہمارا واسطہ ایسے "مجتہدین" سے ہے جنہیں علوم وفنون، محاورات عرب، حقیقت ومجاز، صریح وکنایہ، تشبیہ وتمثیل اور مثال ونظیر وغیرہ میں فرق کا ذرہ بھر علم نہیں ہے۔ ان کی ساری علمیت کا دارومدار سنی سنائی باتوں پر ہے، مطالعہ اور کتب بینی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، نہ اکابر کی کتب سے مس نہ ان کے نظریات کا علم اور (بایں همه همچوں ما دیگرے نیست) کا بلند بانگ دعوے بھی رکھتے ہیں۔

تیسرا شبہ: دو نبوتیں اور دو رسالتیں:

اس سلسلے میں معاندین جو شکوک وشبہات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک اہم ترین شبہ جو ان کی نظر میں ایک لاینحل عقدہ ہے، یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ دو دفعہ نبی بنائے گئے اور کیا آپ کو دو دفعہ الگ الگ نبوت عطا کی گئی؟ اور اگر آپ کو چالیس سال کے بعد نبوت دی گئی تو پہلی نبوت جو عالم ارواح میں دی گئی تھی وہ کہاں گئی؟ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

حضرت شیخ کے ارشاد سے آنحضرت ﷺ کے لیے عالم ارواح میں بالفعل نبوت ثابت ہوگئی اور جس طرح شیخ نے بعضے از عرفاء فرمایا تو ان حضرات کی زبانی بھی عالم ارواح میں آپ کا بالفعل نبی ہونا ثابت ہوگیا۔ اور عالم اجساد میں بھی تمام انبیاء کے بعد آپ کو یہ منصب عطا فرمایا گیا اور آپ پر سلسلہ انبیاء علیہم السلام کو ختم فرمایا گیا تو لامحالہ آپ کے لیے دو نبوتیں اور رسالتیں ماننا ضروری ٹھہرا اور دنیا والی نبوت کو عالم ارواح والی نبوت کا عین ٹھہرانا اور اس کو اسی کا

تسلسل اور دوام ٹھہرانا قطعاً درست نہیں ہے۔ بلکہ وہ علیحدہ نبوت و رسالت ہے اور یہ عالم اجسام والی علیحدہ ہے۔

امام علامہ سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دو نبوتیں اور رسالتیں تسلیم کرنے سے ہم پر دو حدیثوں کا جو حقیقی معنی مخفی ہو چکا تھا وہ ظاہر اور واضح ہو گیا ہے۔ پہلی حدیث (بعثت الیٰ الناس کافة) کے متعلق ہم یہی گمان کرتے تھے کہ آپ کے ظہور کے زمانہ سے قیامت تک آپ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہیں تو اب ہم پر ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث میں اول تا آخر تمام انسان مراد ہیں (کیونکہ جب سارے انبیاء علیہم السلام) کے لیے آپ عالم ارواح میں نبی تھے تو ان کے امتی بھی آپ کے امتی ٹھہرے اگرچہ بالواسطہ ہی)۔ دوسری حدیث کنت نبیاو آدم بین الروح والجسد جس کا مطلب ومفہوم ہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی نبوت علم الٰہی کے لحاظ سے ہے لیکن اب واضح ہوا ہے کہ یہ اس پر زائد امر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بھی نبی بنایا گیا تھا جبکہ آپ سے ارواح انبیاء اور ان کے نسمات اور جواہر جسمیہ استفادہ کرتے تھے پھر دوبارہ آپ کو نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجسام میں جبکہ آپ چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچ چکے تھے تو آپ کا دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام سے امتیازی شان یہ ہے کہ آپ دو مرتبہ رسول بنائے گئے پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری دفعہ عالم عالم اجسام میں اجسام کے لیے"

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وانه نبی فی عالم الارواح والذر (الیٰ) ثم نبی و ارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغه اربعین سنة من عمره فامتاز عن الانبیاء والرسل بانه نبی مرتین وارسل مرتین الاولیٰ فی عالم الارواح للارواح والثانیة فی عالم الاجساد للاجساد

(بحوالہ جواہر البحار للنبہانی جلد ثانی ص ۳۷۳)

قابل غور امر یہ ہے اگر دنیوی اور جسمانی نبوت عالم ارواح والی روحانی نبوت کا دوام اور تسلسل ہوتی تو دو نبوتوں اور رسالتوں سے تعبیر کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ نیز چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد دوسری نبوت اور رسالت کے عطا کئے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ جبکہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال پہلے حاصل ہو چکی تھی۔

لہذا یہ امر حقیقت ثابتہ اور مسلمہ امور کے قبیل سے ہے کہ روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا معاملہ جدا جدا ہے عالم ارواح میں استفادہ کرنیوالی بھی پاک نورانی روحیں اور افادہ کرنے والی بھی پاک ترین اور انتہائی نورانی روح اقدس جو کھانے پینے اور شادی بیاہ قتل و غارت وغیرہ وغیرہ سے منزہ و مبرہ جن کا کام صرف اور صرف ﴿نسبح بحمدك و نقدس لك﴾ جبکہ یہاں حلال و حرام اور پاک پلید اور جائز و ناجائز اور فرائض واجبات اور محرمات و مکروہات اور جزا و سزا اور حدود و قصاص اور تعزیرات کے معاملات درپیش ہونے تھے لہذا یہاں کی شریعت اور نبوت اور ہے اور وہاں کی شریعت اور نبوت اور ہے۔ فتامل حق التامل۔

وہاں پر نبی مکرم ﷺ ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیے واسطۂ فیض ہیں اور اللہ تعالیٰ سے فیوض و برکات اور احکام عبادت و ریاضت وصول کر کے ملائکہ اور انبیاء کی ارواح کو پہنچاتے تھے جیسے کہ ان کے لیے نبی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ جبکہ عالم اجسام میں جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے نبی مکرم ﷺ کو پہنچاتے رہے حتی کہ وضو کر کے وضو کرنے کا طریقہ بتلایا، نماز پڑھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا، اور امامت فرما کر امامت کا طریقہ تعلیم فرمایا، وغیرہ وغیرہ لہذا یہ امر تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عالم ارواح والی نبوت اور ہے اور عالم اجسام والی نبوت اور ہے۔

اہم ترین سوال:

کیا ان "مجتہدان زمانہ" سے کوئی اس امر کا بھی قائل ہے کہ عالم ارواح میں بھی یہی

جبرئیل امین علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے اوران کے وحی لانے سے ہی آپ کو وہاں کی عبادت وریاضت کی معرفت حاصل ہوتی تھی۔

کیادل اقدس کا بچپن سے بیدار ہونا بچپن سے ہی بالفعل نبی ہونے کی دلیل ہے؟

بعض لوگوں نے ایک اور طرز پر استدلال فرمایا کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیرا راہب کے اس سوال کہ آپ کی نیند کی کیفیت کیا ہے کے جواب میں آپ نے فرمایا (تنام عیناى ولا ینام قلبى) میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

کچھ یہودیوں نے آپ سے مختلف سوال کیے جن میں ایک یہ تھا کہ (اخبرنا عن علامة النبى) ہمیں نبی کی علامت نبوت کے بارے میں بتائیں تو آپ نے فرمایا (تنام عیناه ولاینام قلبه) اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے آپ نے بالعموم ہر نبی کا بھی اور بالخصوص اپنا امتیازی مقام یہ بیان فرمایا ہے اور وہ بھی بچپن سے تو اس کے بعد بچپن ہی میں آپ کے نبی ہونے کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

الجواب:

(ا) تمام انبیاء علیہم السلام کی بالعموم اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بالخصوص شان یہ ہے:

ظواهرهم بشرية و بواطنهم ملكية

"ان کے ظاہر بشری حالت میں ہوتے ہیں اور باطن ملکی حالت میں ہوتے ہیں"

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سے فیوض حاصل کرتے ہیں اور انسانوں کو وہ فیوض پہنچاتے ہیں تو اس توسط اور توسل کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف مناسبت ہو، نورانیت اور ملکی صفات ہوں تاکہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق قائم ہو سکے اور استفاضہ اور استفادہ کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو سکے اور انسانیت اور بشریت بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ انسانوں کے

لیے افادہ اور افاضہ ممکن ہوسکے اور ذات باری تعالیٰ سونے اور اونگھنے سے پاک ہے ﴿لا تاخذہ سنۃ ولا نوم﴾ اور ملائکہ بھی اس سے منزہ اور مبرا ہیں ﴿یسبحون اللیل والنھار﴾ لہذا انبیاء علیہم السلام کا باطن اور قلب اقدس نورانی ہونے کی وجہ سے نیند سے منزہ و مبرا ہونا ضروری ہے چونکہ وہ پیدا ہی اس اہم مقصد کے لیے ہوتے ہیں تو ان کی فطرت اور باطن پیدائشی طور پر اس امتیازی اور انفرادی شان اور صلاحیت واستعداد پر مشتمل ہوتا ہے جس سے نبوت بالقوۃ تو ثابت ہوسکتی ہے بالفعل نبوت کا تحقق اور ثبوت لازم نہیں آتا جبکہ محل نزاع بالفعل نبوت ہے۔

(۲) اگر ان مجتہد حضرات کو اسی دعویٰ پر اصرار ہو تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں ہی بچپن سے بالفعل نبوت تسلیم کرلیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش حضرات انبیاء میں یہ علامت موجود ہو اور بچپن سے موجود ہو مگر نبوت بالفعل بچپن سے صرف تین حضرات میں ثابت کی جائے دوسروں میں چالیس سال کے بعد ثابت ہو آخر اس تفرقہ کا کیا جواز ہے؟

عقلاء کے نزدیک ایک جگہ دلیل پائی جائے اور دعویٰ نہ پایا جائے تو اس کو دلیل کہنا قطعاً درست نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار مقامات میں سے صرف تین مقامات میں دعوے کے تحقق کو مستلزم ہو (وہ بھی زعم مستدل کے لحاظ سے) اور باقی مقامات میں دعوے کے تحقق کا وہم گمان بھی نہ کیا جاسکے تو ایسی دلیل کو کوئی عقلمند انسان دلیل کیسے کہہ سکتا ہے؟ اور اس سے کوئی ایسا عقیدہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جس میں اختلاف کرنے والے کو ضال مضل اور کافر تک کے فتوؤں سے نوازا جاسکے؟ لہذا حقیقت یہ ہے کہ نبی ہونے کے لیے دل کا بیدار ہونا لازم اور ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب سے دل کی بیداری حاصل ہو جائے تب سے بالفعل نبوت حاصل ہو جائے فتامل حق التامل۔

بحیرا راہب کے آپ کو نبی کہنے سے استدلال:

کیا بحیرا راہب نے آپ ﷺ کو بیس سال کی عمر شریف میں بالفعل نبی تسلیم کیا تھا؟

جب بچپن میں آپ ﷺ نے جناب ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا تو بحیرا راہب نے آپ سے ملاقات کی، جس میں بحیرا نے آپ کو نبی کہا اور بار بار کہا گویا مجتہد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس وقت بالفعل نبی تھے اور جب عیسائی راہب آپ کو نبی مان رہا ہے تو ہمارے لیے اس وقت میں آپ کو بالفعل نبی نہ ماننے کی کیا گنجائش ہے؟

الجواب:

محبوب کریم ﷺ کے علامات مشخصہ تورات وانجیل میں پوری صراحت و وضاحت اور مکمل تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کردیے گئے تھے، حتی کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

یعرفونه کما یعرفون ابناء هم

میرے محبوب کو اہل کتاب اس طرح جانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور سینکڑوں بچوں میں موجود ہونے پر ان کے لیے التباس واشتباہ کا اندیشہ نہیں ہوتا بلکہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے (جو احبار یہود میں سے تھے اور تورات کے ماہر اور مشرف باسلام ہو گئے تھے) دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب میں کہا ہمیں ہمارے بیٹوں کے متعلق کسی نہ کسی پہلو سے شک وشبہ ہوسکتا ہے مثلاً ہماری بیوی نے خیانت کی ہو اور وہ حرام زادہ ہو، لیکن نبی مکرم ﷺ کے متعلق کسی طرح بھی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اور منکرین یہود ونصاریٰ کے متعلق باری تعالیٰ نے فرمایا:

جحدوا بها و استیقنتهم انفسهم

آپ کے متعلق نازل شدہ آیات اور بیان فرمودہ علامات کا بظاہر انہوں نے انکار کیا لیکن ان کے نفوس اور قلوب کو ان کے برحق ہونے کا یقین ہے۔

لہٰذا ان ہی علامات اور امارات کی رو سے بحیرا راہب کو بھی تسلی ہوگئی کہ یہ وہی پیغمبر

آخر الزمان ہیں لیکن اب بالفعل نبی ہیں یہ اس کے کلام سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس مستدل مجتہد صاحب کو قضیہ مطلقہ عامہ اور دائمہ مطلقہ کا فرق معلوم ہوتا تو اس طرح کے بے بنیاد استدلالات کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔ فی الجملہ اور فی وقت من الاوقات نبی ہونا علیحدہ امر ہے اور دوامی طور پر نبوت یا بوقتِ اطلاق لفظ، نبوت سے متصف ہونا علیحدہ امر ہے۔ کبھی مستقبل میں حاصل ہونے والی حالت کو مدنظر رکھ کر صفت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے:

من قتل قتیلا فله سلبه

جو کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کا ساز و سامان اس کو دیدیا جائے گا اور کبھی سابقہ حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے آتوا الیتامٰی اموالھم یتیموں کو ان کے مال سونپ دو۔ کوئی بھی عقل مند قتیل سے ظاہری معنی مراد نہیں لے سکتا کہ مقتول کو قتل کرنے پر اسکا مال و اسباب قاتل کو دیا جائے، مراد ہے کہ جو ابھی زندہ ہے اور آگے چل کر قتل ہونے والا ہے یہی مراد ہوگا اسی طرح کوئی عقلمند انسان اس آیت کریمہ سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یتیموں کو یتیمی کی حالت میں مال واپس کردو بلکہ یہی سمجھے گا کہ جو پہلے یتیم تھے اور اب بالغ ہو کر حالت یتیمی سے باہر آ چکے ہیں ان کو ان کے اموال سونپ دو۔

اصطلاحی طور پر پہلی صورت کو مجاز بالمشارفۃ اور مجاز باعتبار مایؤول الیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری صورت کو مجاز باعتبار ما کان سے تعبیر کرتے ہیں لہذا یہاں بھی آپ کو مستقبل میں پیش آنے والے مرحلہ کے لحاظ سے نبی والی صفت کے ساتھ موصوف کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کے مجازات قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور محاورات عرب میں عام ہیں۔

نبی مکرم ﷺ جب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی معیت میں احد پہاڑ پر چڑھے اور اسے پابوسی کا شرف عطا کیا تو وہ خوشی سے رقص کرنے لگا اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اسکن احد فانما علیک نبی و صدیق و شهیدان

اے احد! رک جا! پرسکون ہو جا! کیونکہ تجھ پر نبی کی ذات اقدس تشریف فرما ہیں اور ایک صدیق کی ذات ہے اور دو شہیدوں کی ذاتیں موجود ہیں۔

تو کیا اس وقت حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے؟ اور اس وصف کمال سے بالفعل متصف تھے؟ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے سوا بارہ سال بعد شہید ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوبیس سال بعد شہید ہوئے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس حضرات کو ایک ہی نشست میں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا (ابوبکر فی الجنة عمر فی الجنة) الحدیث تو کیا سارے حضرات اس وقت بالفعل جنت میں موجود تھے یا مستقبل کے لحاظ سے غیبی خبر اور بشارت دی جا رہی ہے۔

اسی طرح ارشادِ مصطفوی (فاطمة سیدة نساء اهل الجنة) اور فرمان نبوی (الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة) وغیرہ غیبی خبریں ہیں اور مستقبل میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے مراتب و درجات کا بیان ہے۔ خود بحیرا راہب کی زبانی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے بشرطیکہ دیانتداری سے کتب سیرت کا مطالعہ کیا جائے چنانچہ مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بحیرا وصیت کرد ابو طالب را بحفاظت آنحضرت ﷺ از یهود و نصاری که این پسر پیغمبر آخرالزمان خواهد بود دین او ناسخ همه ادیان او را بشام مبر که یهود دشمن اویند۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۲۶)

"بحیرا راہب نے جناب ابوطالب کو آپ کی یہود و نصاریٰ سے حفاظت اور نگہبانی کی وصیت کی اور کہا کہ یہ بچہ پیغمبر آخرالزمان بنے گا اور اس کا دین دوسرے تمام ادیان کے لیے ناسخ ہوگا، لہذا انہیں شام کی طرف نہ لے جاؤ کیونکہ یہودی انکے دشمن ہیں" (آپ کو شہید نہ کر دیں)

یہ بارہ سال کی عمر میں آپ کا سفر شام تھا جو جناب ابو طالب کی معیت میں تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے اس کے بعد بیس سال کی عمر شریف میں آپ نے شام کا سفر اختیار فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے وہ بحیرا راھب سے ملے آپ بیری کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما رہے تو اس نے آپ کے متعلق دریافت کیا تو حضرت صدیق نے کہا کہ یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں تو اس نے کہا:

ایں مرد بخدا سوگند پیغمبر است زیرا کہ درخبر آمدہ است کہ ننشیند در سایہ ایں درخت بعد از عیسی مگر محمد)

"یہ شخص خدا کی قسم پیغمبر ہے کیونکہ ہماری روایات اور اخبار میں وارد ہے کہ اس درخت کے سائے میں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے"

پس افتاد در قلب ابی بکر تصدیق آنحضرت و چوں مبعوث شد اتباع کرد او را۔ (ص ۲۶)

"بحیرا کا کلام سن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی تصدیق پیدا ہوگئی اور جب آپ مبعوث ہوئے تو حضرت صدیق نے آپ کی اتباع کی"

بحیرا راھب کے متعلق شیخ اجل فرماتے ہیں:

پس ایمان آورد بحیرا بآنحضرت و تصدیق نمود و اقرار کرد بہ نبوت وے، پس وے یکے از آں کسا نیست کہ ایمان آوردند بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش از نبوت مثل حبیب نجار۔ (ص ۲۶)

"پس بحیرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور آپ کے برحق نبی ہونے کی تصدیق کی اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا لہذا وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو آپ کی نبوت سے پہلے آپ پر ایمان لائے جیسے حبیب نجار وغیرہ"

ابن منذر اور ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں سے شمار کیا ہے تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے
شیخ محقق نے فرمایا:

این مبنی است برآں قول که معتبر در تعریف صحابی رویت است اگر
چه پیش از نبوت باشد و مختار خلاف آنست وبر این تقدیر ورقه بن نوفل اقرب
باشد باطلاق اسم صحابی که در مبادی نبوت بود و تحقیق این در مقام دیگر
است (ص۲۶)

''ان کا یہ دعویٰ اس قول پر مبنی ہے کہ صحابی کی تعریف میں صرف اس امر کا اعتبار ہے کہ
جس نے نبی مکرم ﷺ کا شرف دیدار حاصل کیا ہو اگرچہ نبوت سے پہلے ہی کیوں نہ ہو اور مختار اس
کا خلاف ہے یعنی نبوت ملنے کے بعد شرف زیارت حاصل کرنیوالا ہی صحابی کہلا سکتا ہے اور اس
قول کی بنا پر حضرت ورقہ بن نوفل صحابی کہلانے کے زیادہ حقدار ہوں گے کیونکہ ان کو آپ کی
زیارت کا شرف نبوت کی ابتداء اور آغاز میں حاصل ہوا اور اس امر کی تحقیق کہ صحابیت کا دارومدار
کس پر ہے دوسری جگہ مذکور ہے''

اور شیخ محقق کا مختار قول یہی ہے کہ ورقہ بن نوفل بھی صحابی نہیں ہے چہ جائیکہ بحیرا
راہب کو جو بارہ یا بیس سال کی عمر شریف میں زیارت کا شرف حاصل کررہا تھا صحابی تسلیم
کرلیا جائے۔ الغرض بحیرا راہب کے اپنے قول سے بھی ثابت ہوگیا کہ اس وقت آپ بالفعل نبی
نہیں تھے اس لیے کہا کہ یہ بچہ پیغمبر آخر الزمان بنے گا اور اس کا دین تمام دیگر ادیان کا ناسخ ہوگا
اور شیخ محقق کی تحقیق سے بھی یہ حقیقت دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہوگئی، ایسی تصریحات کی
موجودگی میں ایسی روایات کو ادلہ قطعیہ کے طور پر پیش کرنا اور آغاز ولادت سے بالفعل نبوت
ثابت کرنا کسی عقلمند آدمی کا کام نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ان کو بنیاد بنا کر دوسرے لوگوں کو جو انکے
دعووں سے متفق نہ ہوں ضلالت اور گمراہی وغیرہ کے فتووں سے نوازا جائے اور اپنے آپ کو عقل

کل اور مجسمۂ خرد ودانائی سمجھا جائے۔ اعاذنا الله عن ذالك۔

(۳) نیز بحیرا راہب کی ملاقات تو عمر شریف کے بارہویں سال یا بیسویں سال ثابت ہے تو اس دوران بالفعل نبی ہونا آپ کے لیے کیونکر ثابت ہوسکتا ہے جبکہ نزول وحی کا پہلا مرحلہ سچے خواب تھے اور ان کا دورانیہ مشہور قول کے مطابق چھ ماہ تھا حالانکہ اس میں بھی آپ کا منصب نبوت پر فائز ہونا مختلف فیہ ہے۔

شیخ محقق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بدانکہ علماء وحی را مراتب عدیدہ ذکر کردہ اند اول رؤیائے صالحہ چنانکہ در حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا آمدہ اول مابدیء بہ رسول ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة (تا) ودر کتب واقع شدہ کہ آں شش ماہ بود و در نبوت این مدت سخن است۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۵)

"معلوم کرلو کہ علمائے کرام نے وحی کے کئی مراتب ودرجات ذکر کیے ہیں۔ پہلا مرتبہ سچے خوابوں والا ہے جیسے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہے کہ اقسام وحی میں سے جس امر کے ساتھ نبی مکرم ﷺ پر ابتداء کی گئی وہ رؤیائے صالحہ ہیں اور کتب (سیرت وغیرہ) میں تصریح کردی گئی ہے کہ ان کی مدت چھ ماہ تھی اور اس عرصہ میں آپ کی نبوت میں مختلف اقوال ہیں"۔

(۴) بلکہ حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس سید عالم ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں تشریف لے جانا اور غار حرا میں پیش آمدہ واقعہ اور ﴿اقرأ باسم ربك الذی خلق﴾ الآیہ کے نزول کی اطلاع دینا حصول نبوت سے پہلے تھا یا بعد میں؟ اس کے متعلق اسی شیخ اجل اور بركة المصطفیٰ الكريم فی الهند کا نظریہ معلوم کریں:

پس گفت ورقہ چہ بینی تو یا محمد پس فرمود آنحضرت ﷺ آنچہ میدید و خبر داد از حال خود پس گفت ورقہ این ناموس است کہ بر موسیٰ علیہ

السلام نازل میشد بشارت باد ترا اے محمد ﷺ که تو رسول خدائے ۔ گواهی میدهم که تو آں پیغمبری که عیسیٰ علیه السلام بشارت داد که رسولے بعد از من مبعوث خواهد شد که نام او احمد است (تا) پس دیر شد که ورقه وفات یافت وزمانه ظهور دعوت درنیافت ووے ازایمان آرند گان و تصدیق کنند گان بآنحضرت است وزمان نبوت را در نیافت۔ (ص ۳۲)

"حضرت ورقہ نے نبی مکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ تمہیں کیا نظر آتا ہے تو آپ جو کچھ دیکھتے تھے وہ بیان فرمادیا اور اپنی حالت وکیفیت سے اس کو آگاہ کیا تو حضرت ورقہ نے کہا کہ یہ وہ ناموس اور غیبی خبریں دینے والا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا آپ کے لیے مژدہ اور بشارت ہو اے محمد ﷺ کہ تم رسول خدا ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم وہی پیغمبر ہو جن کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا (تا) پس بہت دیر ہوئی کہ حضرت ورقہ فوت ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے ظہور کا زمانہ نہ پایا۔ وہ نبی محتشم ﷺ پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں لیکن انہوں نے آپ کا زمانہ نبوت نہیں پایا"

عظیم محدث کے نزدیک اگر سورہ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کا زمانہ پانے والے اور آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے والے اور آپ سے براہ راست آیات سننے والے نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا بلکہ یہ دورانیہ مبادیات نبوت اور تمہیدی کاروائی کا تھا تو بحیرا راھب سے ملاقات کا دور بالفعل نبوت کا دور کیسے ہو گیا؟ فاعتبرو یا اولی الباب

(۵) رہا آپ پر ایمان لانے کا معاملہ تو آپ کی ولادت پاک سے بھی پہلے آپ پر ایمان لانیوالے ایمان لاتے رہے ہیں اور یہ فضیلت حاصل کرتے رہے ہیں۔ تبع بادشاہ نے شہر مدینہ کی بنیاد بھی رکھی اور اپنے مذہب کے تین سو علماء کے لیے مکانات تیار کیے جو نبی مکرم ﷺ

کے دارِ ہجرت کی علامات دیکھ کر وہاں قیام پر مصر تھے اور اس کے ساتھ جانے سے انکاری ہو گ
اور کہا کہ ان کی راہوں میں آنکھوں کے فرش بچھا کے بیٹھے رہیں گے، نصیب جاگا اور مقدر کا ستا
چمکا تو دیدار نصیب ہو جائے گا ورنہ بروز قیامت ان کا دامن رحمت تھام کے عرض کریں گے ہ
نے آپ کے شوق دیدار میں آنکھیں فرش راہ کئے ساری زندگی گزار دی آج ہمیں اپنے سای
رحمت میں جگہ عطا فرمایئے اور ہمیں اپنے غلاموں میں شامل فرما لیجیے۔ اور تبع نے ایک مکا
آپ کے لیے بھی بنوایا تا کہ وہ محبوب تشریف لائیں تو اس میں قیام پذیر ہوں۔ اور بڑے عالم ک
اپنی طرف سے یہ عریضہ لکھ کر دیا اور آپ کو پیش کرنے کی وصیت کی جسمیں اپنے ایمان لانے او
اطاعت بجالانے کا عہد کرتے
ہوئے عرض کیا تھا:

شهدت علىٰ احمد انه رسول من الله بارى النسم
فلو مد عمرى الى عمره لكنت وزيرا له وابن عم

''میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پاکیزہ نسب
والے ہیں اگر میری عمر ان کی تشریف آوری تک لمبی ہو گئی تو میں (حکومت کے نشے میں دور دور
نہیں رہوں گا بلکہ) ان کا وزیر اور خادم خاص رہوں گا''

حالانکہ یہ ہجرت سے ہزار سال پہلے کی بات ہے، اس ضمن میں شیخ محقق فرماتے ہیں:

خود جماعت بوده اند که پیش از وجود و ظهور صورت عنصری
آنحضرت ﷺ ایمان بوے آورده اند ﷺ مثل حبیب نجار و غیره بلکه خصوصیات
باشخاص چیست تمام رسل و انبیاء علیهم السلام و امم ایشاں بآنحضرت ﷺ
ایمان آورده اند (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۳۲)

''صرف ورقہ کی کیا خصوصیت ہے بلکہ پوری جماعت ہے ان حضرات کی جو کہ آپ کی

صورت عنصری اور جسمانی شکل کے وجود اور ظہور سے قبل آپ پر ایمان لا چکے تھے مثل حبیب نجار وغیرہ بلکہ چند اشخاص کی کیا خصوصیت ہے تمام رسل کرام اور سبھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ پر ایمان لا چکی تھیں''

بلکہ نبی مکرم ﷺ کو اپنے انبیاء و رسل سے افضل و اعلیٰ اور بزرگ و برتر سمجھتے ہوئے مشکلات اور شدائد میں آپ کے نام نامی اور ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہوئے حاجات کی قضا اور مشکلات کے حل کے لیے ملتجی ہوتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا

آپ کے ظہور سے قبل آپ کے طفیل اور توسل سے کفار کے خلاف فتح طلب کرتے تھے۔ لہذا ایمان لانے کے لیے آپ کا بالفعل اس جہاں میں موجود ہونا بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ بالفعل وصف نبوت کے ساتھ موصوف ہونا۔ فتامل حق التامل

کیا زمانہ عصمت کو زمانہ نبوت کی دلیل ٹھہرانا درست ہے؟

نبی مکرم ﷺ کو آغاز ولادت سے نبی ماننے والے حضرات کا یہ استدلال بھی ہے کہ نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے اور چونکہ آپ بچپن سے ہی معصوم ہیں لہذا آپ نبی بھی بچپن سے ہیں اور ولی کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہوتا لہذا آپ کو چالیس سال تک کی عمر شریف تک ولی ماننا درست نہیں ہے بلکہ اس عرصہ میں بھی نبی ماننا ضروری ہے۔

جواباً گزارش یہ ہے کہ ہر نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے نہ کہ صرف ہمارے نبی مکرم ﷺ کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے تو اس دلیل کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن سے ہی نبی ماننا ضروری ٹھہرا، حالانکہ یہ لازم بدیہی البطلان ہے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں صرف دو حضرات یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کے بارے میں بچپن سے بالفعل نبی ہونے کے اقوال بعض حضرات اکابر کی طرف سے دستیاب ہیں اور جب یہ لازم باطل

ہوا تو لامحالہ ملزوم قول بھی باطل ہوا کیونکہ مسلم قاعدہ ہے بطلان اللازم یستلزم بطلان الملزوم "لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہوا کرتا ہے"

نیز اس نظریہ کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں تو جب سے معصوم ہوں تب سے ہی نبی ہونا لازم ہو تو ان کو نبی بننے سے پہلے نبی ماننا لازم آجائیگا کیونکہ وہ بھی واجب العصمۃ ہیں اور وجوب عصمت نبوت کو مستلزم ہے تو لازم آیا کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے نبی ہوں جبکہ ہر عقلمند انسان کے نزدیک تقدم الشیئی علیٰ نفسہ محال ہے اور یہاں اسی کا اقرار واعتراف لازم آرہا ہے۔

اور اس مستدل کو اتنا خیال نہیں آیا کہ میں اس دلیل سے خود کو زمرۂ عقلاء سے بھی خارج کر رہا ہوں اور اپنے نظریے کو بھی باطل ٹھہرا رہا ہوں کیونکہ بالعموم انبیاء علیہم السلام کا چالیس سال کے بعد منصب نبوت پر فائز کیا جانا مسلمہ حقیقت ہے۔

کیا نبی مکرم ﷺ کا دس سال کی عمر میں امت کیساتھ موازنہ اور ان پر بھاری ہونا بالفعل نبی ہونے کو مستلزم ہے:

بعض حضرات نے محبوب خداوند تعالیٰ ﷺ کا چالیس سال سے قبل بالفعل نبی ہونا اس روایت سے ثابت کیا ہے کہ دس سال کی عمر شریف میں آپ کا شق صدر ہوا اور ان دو سفید پوش اشخاص میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ ان کا امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو چنانچہ وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا، حتی کہ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ وزن کیا گیا پھر بھی میں بھاری نکلا تو انہوں نے کہا بس کرو ان کو ان کی تمام امت کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھی ان سے وزنی نکلیں گے۔

(۱) جواباً گزارش یہ ہے کہ ایسے مستدلین حضرات نے دوران استدلال اپنے عقول واذہان کو چھٹی دے رکھی ہوتی ہے اور ذرہ بھر غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ آپ کی نبوت

آغاز ولادت سے ثابت کرنے کے درپے تھے اور اس دلیل سے آپ کے لیے بالفعل امت بھی ثابت کردی اور وہ بھی ہزاروں کے حساب سے۔ان مجتہد حضرات سے کون پوچھے کہ اعلان نبوت کے بغیر امت کا تصور کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آپ کی طرف سے چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے اعلان نبوت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

(۲) نیز امت دو قسم ہوتی ہے امت اجابت اور امت دعوت

جو نبی کی دعوت پر حلقہ غلامی میں داخل ہوجائیں وہ امت اجابت کہلاتے ہیں اور جن کو دعوت پہنچے لیکن قبول نہ کریں اور اس نبی کی تصدیق نہ کریں وہ امت دعوت کہلاتی ہے تو جب تک نبی مکرم ﷺ کی طرف سے لوگوں کو دعوت توحید ورسالت ہی نہ پہنچی تو ان کا امت اجابت یا امتِ دعوت ہونا کیونکر متصور ہوسکتا ہے؟ اور آپ کے ان کے ساتھ موازنہ کا اور بھاری ہونے کا تصور کیسے ہوسکتا ہے؟

(۳) نیز جن کے ساتھ نبی مکرم ﷺ کا موازنہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ امت اجابت ہے نہ امت دعوت، کیونکہ کافر تو عنداللہ مچھر کے پر جتنا وزن نہیں رکھتا اور ان کفار سے وزنی ہونا آپ کے لیے کونسی فضیلت اور امتیازی وانفرادی مقام ومرتبہ کی نشاندہی کرسکتا ہے، تو لامحالہ یہاں پر امت اجابت مراد ہوگی تو ذرا سوچ کر بتلایا جائے کہ دس سال کی عمر شریف میں بالفعل امت اجابت تھی کہاں اور وہ بھی اس کثرت کے ساتھ الغرض نہ اس وقت امت اجابت بلکہ نہ ہی امت دعوت اور نہ ہی اس سے بالفعل نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔

(۴) حقیقت حال یہ ہے کہ یہ عالم مثال کا معاملہ ہے۔جس میں ماضی اور مستقبل بھی حال کی مانند حاضر اور متحقق ہوتے ہیں اور ماضیات ومستقبلات بھی۔تو اس میں آئندہ جو مرتبہ ومقام آپ کو ملنے والا تھا اس کی بشارت دی جارہی تھی اور آئندہ زمانہ میں آپ کی امت ہزاروں لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں تک پہنچنے والی تھی، اس لیے کہا کہ ساری امت کے ساتھ وزن کرنے

پر بھی آپ سب پر بھاری ہوں گے اور بظاہر وزن جسم اقدس کا امت کے اجسام سے کیا جارہا تھا لیکن درحقیقت باطنی اور روحانی درجات و مراتب کے لحاظ سے فوقیت و فضیلت اور برتری ثابت کی جارہی تھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے فضل و کرم کی خوشخبری سنائی جارہی تھی۔ فتدبر حق التدبر

کیا جب سے شق صدر ہوا تب سے نبوت کا تحقق ہو گیا؟

بعض مجتہد حضرات نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کو آپ کے بالفعل نبی ہونے کی دلیل بنایا ہے کیونکہ شق صدر نبوت کا خاصہ ہے اور اولیاء کا شق صدر نہیں ہوتا لہٰذا شق صدر سے آپ میں نبوت کا بالفعل تحقق ماننا لازم اور ضروری ہے جبکہ پہلا شق صدر چار سال کی عمر شریف میں پایا گیا تو اس وقت سے آپ کو نبی ماننا لازم ہے۔

جواباً معروض خدمت ہے شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا نہ یہ کہ جب سے شق صدر ہوا نبوت متحقق ہو گئی، آپ کا شق صدر چار مرتبہ ہوا پہلا چار سال کی عمر میں، دوسرا دس سال کی عمر میں، تیسرا چالیس سال کی عمر شریف میں، چوتھا معراج شریف کے موقعہ پر اور ہر ایک کی حکمت و مصلحت بھی علمائے اعلام اور مقتدایان انام نے بیان فرمائی کما قد ذکرنا قبل ذالک پہلے شق صدر میں حکمت یہ تھی کہ آپ کھیل کود کی طرف مائل اور راغب نہ ہوں۔ دوسرا شق صدر اس لیے ہوا تا کہ شہوانی اور نفسانی تقاضے ختم ہو جائیں اور قبائح اعمال سے اجتناب کلی حاصل ہو جائے۔ گویا ان دونوں دفعہ کے شق صدر سے آپ میں عصمت و طہارت اور تزکیہ اور تصفیہ نفس پیدا کرنا مقصود تھا جو کہ نبی بنائے جانے کی اساس اور بنیاد ہے، اور تیسرے شق صدر میں حکمت یہ تھی کہ بار وحی اور نزول نبوت کے تحمل اور برداشت کی اہلیت و صلاحیت پیدا ہو جائے ورنہ طبیعت بشری اس بار گراں کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر ہو جاتی۔ اور چوتھی دفعہ شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ سینہ اقدس میں اس قدر انوار و تجلیات بھر دیے جائیں کہ بشریت بھی نور محض بن کر رہ

جائے، اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوؤں کی تاب لاسکیں اور اطمینان وسکون کے ساتھ شرف دیدار حاصل کرسکیں نہ موسیٰ کلیم علیہ السلام کی طرح صفاتی تجلی دیکھنے پر بیہوش ہوسکیں اور نہ جبرئیل امین علیہ السلام کی طرح جل مرنے کا خطرہ محسوس کریں۔

الغرض نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے شق صدر نے تو ان مجتہد حضرات کے دعویٰ کا بھی صفایا کردیا اور اس کو بھی پارہ پارہ کردیا کیونکہ آپ آغاز ولادت سے ہی بالفعل نبی تھے تو پھر عمر عزیز کے چالیسویں سال میں بار وحی اور ثقل نبوت کے برداشت کرسکنے کے لیے شق صدر کی کیا ضرورت تھی اور بارِ نبوت کے تحمل اور برداشت کرسکنے کی تدبیر کرنے کا کیا مطلب؟ نیز پہلی دفعہ کے شق صدر نے بھی جزوی طور پر ان کے دعویٰ کو باطل ٹھہرادیا کیونکہ وہ چوتھے سال میں ہوا تو اس سے قبل نبوت کا بالفعل تحقق اور ثبوت نہ پایا گیا تو آغاز ولادت سے ہی نبوت کے بالفعل تحقق اور ثبوت کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ٹھہرا۔

اس طرز استدلال سے اس مجتہد صاحب نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی بجائے الٹا اس کا رد کردیا۔ اگر ایسے مجتہد حضرات کے ہاتھ میں اہل سنت کے عقائد ونظریات کے تحفظ کی ذمہ داری آگئی تو (العیاذ باللہ) نہ جانے جانے کون کون سے گل کھلائیں گے؟

دراصل بحث:

اصل بحث یہاں یہ ہے کہ شق صدر معجزہ ہے، سینہ اقدس چیرا جائے اور دل اقدس باہر نکال لیا جائے پھر اس کو چیرا جائے اور اس میں سے کچھ نکالا جائے اور کچھ بھرا جائے اور آپ سب کچھ دیکھ رہے ہوں اور موت واقع ہونا تو دور کی بات ہے بیہوشی اور غفلت بھی طاری نہ ہو تو یہ عظیم معجزہ ہے۔ اور معجزہ کا ظہور حصول نبوت کے بعد تو ہوسکتا ہے نہ کہ اس سے قبل اور نبوت آپ کو چالیس سال بعد ملی تو لہذا پہلے دو شق صدر تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہذا جو روایات اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں۔

علمائے کرام اور مقتدایان انام نے اس کا جواب یہ دیا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف معمول کام سرزد ہوتے ہیں وہ صرف معجزہ میں منحصر نہیں ہوتے بلکہ ان خوارق عادات کو جو قبل از نبوت صادر ہوں ارہاص کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے ''بنیاد رکھنا'' کیونکہ ان امور سے لوگوں کو اندازہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخصیت زمانہ مستقبل میں اعلیٰ مرتبہ اور بلند ترین مقام کی مالک بننے والی ہے کیونکہ بدایت، دلیل نہایت اور آغاز، دلیل انجام ہوا کرتا ہے۔

لہٰذا پہلے دونوں شق صدر روایات سے ثابت ہیں اور وہ ارہاصات کے قبیل سے ہیں ان کے انکار کا نہ از روئے نقل کوئی جواز ہے اور نہ از روئے عقل کوئی جواز ہے، حوالہ بھی پیش خدمت ہے تاکہ متلاشی حق کے اطمینان و سکون کا سامان ہو جائے:

طعن القاضی عبدالجبار فی ذالك بما محصله انه یلزم علیٰ و قوعه فی الصغر و قبل النبوة تقدم المعجزة علیٰ النبوة وهو لایجوزو وقوعه بعد النبوة و ان لم یلزم علیه ماذکر الا ان ما ذکر معه من حدیث الغسل و ادخال الرا فتو الرحمة و حشو الایمان والحکمة یرد علیه ان الغسل ممالا اثرله فی التکمیل الروحانی و انما هو لازالةامر جسمانی وانه لا یصح ادخال ما ذکر وحشو ة فانماهو شیء یخلقه الله فی القلب و لیس بشی فان تقدم الخارق علیٰ النبوة جائز عندنا و تسمیه ارهاصاً والاخبار کثیرة فی وقوعه له علیه الصلوٰة والسلام قبل النبوة والغسل بالماء کان لازالة امر جسمانی ولا یبعد ان یکون ازالته و غسل المحل بماء مخصوص کماء زمزم علیٰ ماصح فی بعض الروایات

(روح المعانی جلد ۳۰ ص ۱۹۳ تفسیر کبیر جلد ۳۰ زیر آیت الم نشرح لک صدرک)

''قاضی عبدالجبار معتزلی نے شق صدر اور قلب اقدس کے دھوئے جانے پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صغر سنی اور بچپن میں اور نبوت سے قبل اس کے واقع ہونے میں معجزہ کا

نبوت سے پہلے وقوع پذیر ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے اور نبوت کے بعد وقوع پذیر ہونے میں اگرچہ یہ مفسدہ لازم نہیں آتا مگر اس کے ساتھ جو دھوئے جانے کا اور رافت و رحمت کو داخل کرنے اور ایمان و حکمت اس میں بھرنے کا ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ پانی کے ساتھ دھوئے جانے کا روحانی تکمیل میں کیا دخل اور اثر ہو سکتا ہے یہ تو جسمانی آلائشوں وغیرہ کے ازالہ کے لیے ہوتا ہے نیز جن چیزوں کے دل اقدس میں داخل کرنے کا ذکر کیا گیا ان کا اس انداز میں داخل کیا جانا بھی اور قلب مبارک کا پر کیا جانا بھی درست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان امور کو (بغیر ایسے اسباب و آلات کے) دلوں میں پیدا فرماتا ہے"

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ

"اس اعتراض اور جرح و قدح کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ خوارق عادت اور خلاف معمول افعال کا نبوت سے قبل پایا جانا جائز اور صحیح ہے اور یہی ہمارا مذہب اور نظریہ ہے اور ہم اس امر خارق عادت کو ارہاص کا نام دیتے ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نبوت سے قبل شق صدر کا پایا جانا بہت سی روایات اور احادیث سے ثابت ہے رہا دھوئے جانے کا معاملہ تو امر جسمانی کے لیے تھا نہ کہ امر روحانی کے لیے اور اس کے پانی کے ساتھ زائل کئے جانے میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور بالخصوص ماء زمزم جیسے مخصوص اور مبارک پانی کے ساتھ روحانی امور کے محل یعنی قلب کے دھوئے جانے میں کیا اشکال و استبعاد ہو سکتا ہے؟"

فوائد (۱):

اس بحث و تمحیص اور سوال جواب سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے حصول نبوت سے قبل بھی امر خارق للعادت کا صادر ہونا درست تسلیم کرتے ہیں اور اس کو ارہاص سے تعبیر کرتے ہیں اور بعد از نبوت صادر ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ کہتے ہیں اور نبوت سے پہلے ہونے والے شق صدر

ارہاص ہیں نہ کہ معجزہ۔ اگر اس کو کوئی معجزہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتا ہے تو یہ از روئے اصطلاح مجازی استعمال ہے کیونکہ معجزہ کے مشابہ بھی ہے اور وہ ہستی مستقبل میں نبی بھی بننے والی ہے تو اس تشابہ اور مستقبل میں حاصل ہونے والی حالت کے پیش نظر اس کو معجزہ کہہ دینا صحیح ہے لیکن اہل کلام اور علم العقائد کی اصطلاح کے مطابق وہ ارہاص ہے نہ کہ معجزہ۔ لہذا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سال اور دس سال کی عمر میں ہونے والے شق صدر درحقیقت ارہاص ہیں۔

(۲) پیغمبران کرام علیہم السلام سے سرزد ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ میں منحصر ماننا معتزلہ کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا تو گویا ہمارے زمانہ کے بزعم خویش مجتہد اور محقق دعوے تو کرتے ہیں سنی ہونے کا اور استدلال میں معتزلی نظریات کو اختیار کیے ہوئے ہوتے ہیں جو تجاہل ہے یا بھرپور جہالت ہے یا فریب کاری اور دھوکا بازی۔

(۳) معتزلی نے اپنے زعم کی بنا پر نبوت سے پہلے کے شق صدر کا انکار کر دیا لیکن نبوت چالیس سال کے بعد ہی تسلیم کی لیکن ان حضرات نے ان سے سبقت لے جاتے ہوئے بچپن سے ہی نبوت کا تحقق تسلیم کر لیا، گویا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ نہ اہل سنت والا نظریہ اپنایا اور نہ ہی معتزلہ والا مسلک برقرار رکھا۔ واللہ الھادیٔ الی الصراط المستقیم۔

کیا انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ولی ہوتے ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات نے اس امر کو بھی بندہ کی گستاخیوں میں شمار کیا ہے کہ میں نے چالیس سال کی عمر شریف تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ولایت پر فائز تسلیم کیا ہے، اس میں بھی غور و خوض اور نظر و فکر کی ضرورت ہے کہ جب تک کسی ہستی کو منصب نبوت پر فائز نہ کیا جائے اور اس میں ایمان و یقین محکم بھی ہو اور تقویٰ و طہارت اور پرہیزگاری بھی ہو تو اس کو ولی کیوں نہ مانا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿ان اولیاء ہ الا المتقون﴾ (الانفال: ۳۴) نہیں اس کے اولیاء مگر متقی لوگ

اور فرمان ایزدمتعال ہے ﴿الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا و کانوا یتقون﴾ (یونس: ۶۳،۶۲) غور سے سنو! بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور محبوبوں پر نہ خوف وخطر ہے اور نہ ہی وہ غمزدہ اور حزن وملال سے دوچار ہوں گے

وہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ جو ایمان لائے اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے تھے۔ لہذا جب ولایت کا مدلول ومفہوم اور معنیٰ ومطلوب اور مدار وبنیاد ایمان وتقویٰ ہے اور وہ ان حضرات میں علی الوجہ الاتم موجود ہوتا ہے تو ان کو ولی کیوں نہ مانا جائے اور ان پر اس صفتِ عالیہ اور اسم معظم کا اطلاق کیوں جائز نہیں ہوگا؟ اور اس میں بے ادبی اور گستاخی والا کون سا پہلو ہوگا؟

بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ولی کے لفظ کا اہل ایمان کے علاوہ اپنے رسول مقبول ﷺ پر دوران رسالت اطلاق فرمایا ہے بلکہ اپنی ذات اقدس پر بھی اطلاق فرمایا ہے ﴿انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنو﴾ (المائدۃ: ۵۵) تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول محتشم اور اہل ایمان۔ کیا رسول اللہ کو ولی المومنین کہنا جائز ہے اور ولی اللہ کہنا ناجائز ہوگا اور بے ادبی۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجیست

﴿نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ﴾ (فصلت: ۳۱) ہم تمہارے ولی ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں بھی و غیر ذالك من الایات الکریمۃ

تو کیا اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول معظم کی شان میں تفریط اور تقصیر سے کام لیا یا اپنی شان والا میں تنقیص وتحقیر سے کام لیا العیاذ باللہ۔ لہذا اس صفت عالیہ اور اسم شریف کے اطلاق میں کسی طرح بھی بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

نیز اگر اس دور میں یہ حضرات نبی ورسول بھی نہ ہوں اور ان کو ولی بھی تسلیم نہ کیا جائے تو اس میں ان کی توہین وتحقیر اور بے ادبی اور اسائت ہوگی کیونکہ جب ولایت کا دارومدار ایمان و تقویٰ پر ہے تو پھر ولایت کی نفی سے تقویٰ وطہارت کی ان سے نفی لازم آجائے گی جو سراسر توہین

وتحقیر ہے اور خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولّٰی و نصله جهنم و ساء ت مصیرا﴾ (النساء:۱۵۵)

جو شخص بھی میرے رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کی ہدایت اس پر واضح ہوگئی اور مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھریگا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا اور بری بازگشت اور انتقال کی جگہ ہے۔

لہذا ان مقدس ہستیوں کو قبل از نبوت اولیاء اللہ کے عظیم منصب کا مالک ماننا لازم اور ضروری ہے۔

علاوہ ازیں آغاز ولادت سے نبی ہونے کا قول کیا گیا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یا پھر ان مجتہد حضرات نے نبی مکرم ﷺ کے حق میں یہ قول کیا ہے تو تین حضرات کے علاوہ باقی حضرات میں سنۃ اللہ کے مطابق چالیس سال کے بعد ہی منصب نبوت پر فائز کیا جانا تسلیم کیا جا سکتا ہے چنانچہ علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں

قال الله تعالیٰ و لما بلغ اشده ای و صل موسیٰ نهاية قوته و غايته نشأته من ثلاثين الیٰ اربعين سنة و استوٰی ای استحکم عقله و استقام حاله و بلغ اربعين سنة و هو سن بعث الانبياء عليهم السلام غالباً فی سنة الله و عادته سبحانه و تعالیٰ اتيناه حكماً ای نبوته و علماً ای معرفة تامة (شرح شفاء بر حاشیہ نسیم الریاض ص ۲۸۲ جلد اول)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ و لما بلغ اشده ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اپنی قوت کی انتہا کو اور نشأت عنصری کی غایت کو جو کہ تیس سال سے چالیس سال تک کا عرصہ ہے و استویٰ اور مستحکم ہوگئی عقل ان کی اور درست ہو گیا حال ان کا اور پہنچے چالیس سال کی عمر کو اور یہی عمر ہے

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بالعموم اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی عادت جاریہ میں ﴿ آتیناه حکما ﴾ ہم نے ان کو نبوت عطا کی ﴿ وعلما ﴾ اور ان کو معرفت تامہ عطا فرمائی"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

ھر چند انبیاء و آئمہ بکمالات نفسانی و مراتب ایمانی از سائر خلق ممتاز می باشند لکن احکام بشریه و خواص سن صبیٰ و طفولیت درینها نیز باقی اند ولهذا مقتدا بودن را بلوغ بحد کمال عقل ضروری داشته اند بلکه قبل از اربعین منصب نبوت بکسے عطا نشده الانا دراً والنادر کالمعدوم۔ (ص ۲۶۲)

انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ کرام علیہم الرضوان اگر چہ کمالات نفسانی اور مراتب روحانی میں تمام مخلوق سے ممتاز اور منفرد مقام کے مالک ہوتے ہیں لیکن بشری احکام اور بچپن والی عمر کے اور طفولیت کے خواص اور تقاضے بھی ان میں باقی ہوتے ہیں اسی لیے مقتدا اور رہنما بننے کے لیے کمال عقل کی حد عمر تک رسائی کو ان کے حق میں لازم اور ضروری رکھا گیا ہے بلکہ چالیس سال کی عمر سے قبل کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی گئی مگر نادر طور پر اور نادر چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے"

الغرض جب سنت الہیہ اور عادت جاریہ اور معمول باری تعالیٰ کا یہی ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چالیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے صرف دو تین کو آغاز ولادت سے نبوت حاصل ہوئی ہے تو بقایا حضرات کے حق میں نبوت بھی چالیس سال کی عمر سے قبل تسلیم نہ کی جا سکے اور ولایت بھی تو ان کو تقویٰ وطہارت سے عاری اور خالی ماننا لازم آئے گا جو کہ سراسر باطل لازم ہے اور اس کا التزام سراسر گمراہی وضلالت اور بے دینی اور بے ایمانی ہے لہذا کسی مسلمان کو ان سے ولایت کی نفی جائز نہیں ہے۔

تنبیہ نبیہ:

اسلاف کرام کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا قبل از نبوت مقام ولایت پر فائز ہونا

بجائے اس کے ہم اپنے ذہن اور عقل اور اپنی سوچ وفکر کی اتباع اور تقلید کے جال میں پھنسیں، اکابر واسلاف سے فیصلہ کیوں نہ کروالیں اور ان منعم علیہم حضرات کی راہ کو صراط مستقیم سمجھتے ہوئے اور مانتے ہوئے اس پر کیوں نہ گامزن ہوں۔

(۱) عقائد نسفی میں امام نسفی نے فرمایا:

لا یبلغ ولی درجة الانبیاء علیہم السلام

کوئی ولی انبیاء علیہم السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی نے فرمایا:

لان الانبیاء معصومون ماموںون عن خوف الخاتمة مکرمون بالوحی ومشاهدة الملك مامورون بتبلیغ الاحکام و ارشاد الانام بعد الاتصاف بکمالات الاولیاء۔

کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور خاتمہ بالخیر نہ ہونے کے خوف اور اندیشہ سے امن وحفاظت میں ہوتے ہیں، نزول وحی کے ساتھ عزت واکرام پانے والے ہوتے ہیں اور فرشتوں کے مشاہدہ کے ساتھ مکرم ومحترم ہوتے ہیں۔ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام اور ان کے لیے رشد وہدایت کا بندوبست کرنے پر مامور ہوتے ہیں بعد اس کے کہ کمالات اولیاء کرام کے ساتھ موصوف اور متصف ہوتے ہیں"

یعنی جب ان میں پہلے کمالات اولیاء موجود متحقق ہوتے ہیں اور اس کے بعد نبوت کے ساتھ اور اس کے کمالات اور مقتضیات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو اولیاء کرام علیہم الرضوان ان کے درجات ومراتب تک کیونکر رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲) علامہ پرہاروی بعد الاتصاف بکمالات الاولیاء کے تحت فرماتے ہیں

بعد بمعنی مع و یجوز ان یکون علیٰ ظاھرہ لما تقرر من ان النبی قبل النبوۃ یکون ولیاً (نبراس ص ۵٦١، وکذافی الشفا جلد اول ص ۵۸)

"یعنی کمالات ولایت کے ساتھ متصف ہوتے ہوئے نبوت کے کمالات سے بھی مشرف ہوتے ہیں" (نہ کہ پہلے ولایت والے کمالات حاصل ہوتے ہیں اور نبوت والے کمالات حاصل ہونے پر وہ موجود و متحقق نہیں ہوتے بلکہ زائل ہو جاتے ہیں (نعوذ باللہ

لھذا بعد الاتصاف بمعنیٰ مع الاتصاف ہے اور جائز ہے کہ بعد الاتصاف کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور دونوں اتصاف یکے بعد دیگرے متحقق ہوں پہلے ان میں کمالات ولایت پائے جائیں اور ان کے بعد کمالات نبوت کے ساتھ متصف ہوں اور دونوں کمالات قائم ودائم ہوں کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے اور مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کی ذات مقدسہ نبوت سے قبل ولی ہوتی ہے"

(۳) مواقف اور شرح مواقف میں بھی قاضی عضد الدین اور میر سید شریف رحمہما اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ معجزہ ■ امر مخالف عادت ہوتا ہے جو نبی کے دعوائے نبوت کے مقارن ہو نہ کہ اس سے پہلے، کیونکہ معجزہ دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے ہوتا ہے تو دعوائے نبوت سے پہلے وہ امر خارق للعادۃ تصدیق کا فائدہ کیونکر دے سکتا ہے اس پر وارد ہونے والا اعتراض ملاحظہ فرمادیں پھر اس کا جواب مطالعہ کریں اور حقیقت حقہ کا مشاہدہ کریں (ماننا نہ ماننا تو توفیق الٰہی پر منحصر ہے)

الاعتراض:

فما تقولون فی کلام عیسیٰ فی المھد و تساقط الرطب الجنی علیہ من النخلۃ الیابسۃ فانھما معجزتان لہ مع تقدمھا علی الدعوی وما تقولون ایضافی

معجزات رسولکم من شق بطنه و غسل قلبه و اظلال الغمامة و تسلیم الحجرو المدرعلیه فانها کلهامتقدمة علیٰ دعویٰ الرسالة۔

(شرح مواقف ص ۶۶۷ کذا فی الزرقانی جلد۵ ص ۲۲۲،۷۷ کذا فی مطالع المسرات ص ۲۱۶)

"اگر معجزہ دعوت نبوت ورسالت سے مقدم نہیں ہوسکتا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے عالم مہد میں کلام کرنے اور خشک کھجور سے ان پر تازہ چنی ہوئی کھجوروں کے گرنے کے متعلق کیا کہو گے کیونکہ وہ دونو آپ کے معجزے ہیں باوجودیکہ دعوائے نبوت سے مقدم ہیں اور اسی طرح تم اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں کیا کہو گے یعنی پیٹ مبارک اور سینہ اقدس کا چاک کیا جانا اور دل مبارک کا دھویا جانا اور بادلوں کا آپ پر سایہ کرنا پتھروں کا ڈھیلوں کا آپ کو سلام پیش کرنا حالانکہ یہ سبھی معجزات آپ کے دعوائے رسالت سے مقدم ہیں۔

الجواب:

قلنا تلك الخوارق المتقدمة علیٰ الدعویٰ لیست بمعجزات انماهی کرامات فظهورها علیٰ الاولیاء جائز والانبیاء علیهم السلام قبل نبوتهم لایقصرون عن درجة الاولیاء فیجوزظهورها علیهم ایضا و حینئذتسمیٰ ارهاصاای تاسیسا للنبوة۔

"ہم کہتے ہیں یہ خوارق عادات امور جو کہ دعوائے نبوت سے مقدم ہیں یہ معجزات نہیں ہیں بلکہ کرامات ہیں۔ پس ان کا ظہور اولیاء کرام کے ہاتھوں پر جائز ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے قبل اولیاء کرام کے درجات ومراتب سے کم درجہ اور مرتبہ والے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان درجات ومراتب پر فائز ہوتے ہیں لہذا ان سے اس طرح کے کرامات کا صادر اور ظاہر ہونا بھی درست اور صحیح ہوگا، اور ان امور غریبہ اور خوارق عادات کو ارہاص کا نام دیا جاتا ہے (جس کا معنیٰ ہوتا ہے بنیاد رکھنا) اور یہ بھی نبوت انبیاء کے لیے مثل بنیاد واساس کے ہوتے ہیں"

(۴) حضرت امام علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح مواہب

میں فرماتے ہیں:

وبالمقارنة الخارق المتقدم علیٰ التحدی کاظلال الغمام و شق الصدر الواقعین لنبینا ﷺ قبل دعوی الرسالة فانها لیست معجزات انما هی کرامات ظهورها علیٰ الاولیاء جائز والانبیاء قبل نبوتهم لایقصرون عن درجة الاولیاء فیجوز ظهورها تاسیسا لنبوتهم التی ستحصل و کلام عیسیٰ علیه السلام فی المهد وماشابه ذالك مما وقع من الخوارق قبل دعوی الرسالة علیهم ایضا و حینئذ تسمیٰ ارهاصاای تاسیسا للنبوة کما صرح به العلامة السید الشریف علی الجرجانی فی شرح المواقف و صرح به غیره و هو مذهب جمهور ائمة الاصول و غیرهم خلافاللرازی فی تسمیتها معجزات۔ (ص ۷۷ جلد خامس)

(معجزہ کی تعریف میں صاحب مواہب کا یہ فرمانا کہ وہ ایسا امر خارق العادۃ ہوتا ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اس کے دعوائے نبوت کے ساتھ مقارن اور متصل ہونے کی حالت میں)''اس مقارنت اور اتصال والی قید سے وہ امر خارق للعادۃ معجزہ سے خارج ہو گئے جو اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہوں جیسے نبی مکرم ﷺ پر بادلوں کا سایہ فگن ہونا اور آپ کا شق صدر جو کہ آپ کے دعوائے نبوت سے قبل وقوع پذیر ہوئے تو یہ معجزات نہیں ہیں بلکہ کرامات ہیں جن کا ظہور اولیاء کرام سے جائز اور درست ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت اولیاء کرام کے درجہ و مرتبہ سے کم تر درجہ اور مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو ایسے کرامات کا ان سے ظہور ان کی نبوت کی تاسیس کے لیے جائز اور درست ہوگا جو عن قریب حاصل ہونے والی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا عالم مہد میں کلام کرنا اور اس کی مانند دیگر خوارق جو ان پر دعوائے رسالت سے قبل ظاہر ہوئے وہ بھی کرامات ہیں اور اس وقت ان کو ارہاص کا نام دیا جائے گا یعنی نبوت کی اساس اور بنیاد جیسے علامہ میر شریف علی الجرجانی نے شرح مواقف اور

دیگر حضرات نے اپنی کتب میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور ان کو کرامات اور ارہاص کا نام دینا ہی جمہور آئمہ اصول وغیرہم کا مذہب ہے بخلاف امام رازی کے انہوں نے ان کو معجزات کہا ہے "(لیکن اطلاق مجازی ہے استعارہ مصرحہ کے قبیل سے ہے یا مجاز بالمشارفۃ یا مجاز بالمشاکلۃ کے قبیل سے ہے)

(۵) الکرامة امر خارق للعادة غیر مقرون بالتحدی فیظهر علیٰ ید اولیاء الله ودرجة الانبیاء قبل النبوة لا تقصر عن الولایة فیجوز ظهورها علیٰ یدهم۔

(زرقانی شرح مواہب جلد خامس ص ۲۴۲)

"کرامت وہ امر خارق للعادت ہے جو دعوائے رسالت و نبوت کے ساتھ مقرون اور متصل نہ ہو بنا وہ اولیاء اللہ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا درجہ مرتبہ اور روحانی تقدس ولایت سے کم تر نہیں ہوتا لہذا ان کے ہاتھوں پر بھی ظہور بالکل جائز اور درست ہے"

(۶) حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال ابن برهان قد یکون قبل بعثة النبی ﷺ شیئ شبه المعجزات یعنی التی تسمی ارهاصا و یحتمل ان یکون نبیا قبل اربعین غیر مرسل (الیٰ) والاظهر انه کان قبل الاربعین ولیا ثم بعدها نبیا ثم صار رسولا۔ (مرقات جلد ثالث ص ۳۰۸)

"علامہ ابن برہان نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل ان سے معجزات کے مشابہ امور سرزد ہوتے اور ان پر نمودار ہوتے ہیں جن کو ارہاص کہا جاتا ہے اور احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سے پہلے نبی ہوں رسول نہ ہوں اور زیادہ نمایاں امر یہی ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کی عمر شریف تک پہنچنے سے پہلے ولی تھے بعد ازاں نبی بن گئے از اں بعد منصب رسالت پر فائض ہو گئے"

(۷) حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و اما کلام عیسیٰ علیہ السلام فی المھد و تساقط الرطب الجنی علیہ من النخلۃ الیابسۃ و شق بطن محمد ﷺ و غسل قلبہ و اظلال الغمام علیہ و تسلیم الحجر والمدر علیہ وغیرہ مما کانت متقدمۃ علیٰ دعوی النبوۃ فلیست بمعجزات بل ھی کرامات و تسمیٰ حینئذ ارھاصا ای تاسیسا للنبوۃ (اثبات النبوۃ ص۱۰)

ترجمہ اور مفہوم وہی ہے جو زرقانی اور شرح مواقف کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کرامات اولیاء کرام کے لیے ہوتے ہیں نہ کے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لہذا حضرت مجدد قدس سرہ کا نظریہ واضح ہو گیا ہے کہ قبل از دعوائے نبوت انبیاء کرام مقام ولایت پر فائز ہوتے ہیں۔

(۸) علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی حجۃ اللہ علی العالمین میں فرماتے ہیں:

خرج بقید المقارنۃ الخارق المتقدم علی التحدی کاظلال الغمام و شق الصدر الواقعین لنبینا ﷺ قبل دعوی الرسالۃ فانھا لیست بمعجزات انما ھی کرامات ظھورھا علیٰ الاولیاء جائز والانبیاء قبل نبوتھم لایقصرون عن درجۃ الاولیاء فیجوز ظھورھا تاسیسا للنبوۃ (ص۱۱)

ترجمہ اور مفہوم اس کا پہلے مذکور عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۹) حضرت علامہ عبدالعلی المعروف بحرالعلوم فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

اما قبل النبوۃ فالتحقیق و علیہ اھل اللہ من الصوفیۃ الکرام انھم معصومون ایضامن الکبائر والصغائر عمداً کیف لاو ھم انما یولدون علیٰ الولایۃ ولایمر علیھم طرفۃ عین و ھم غیر مشاھدین للہ تعالیٰ و ولایتھم قویۃ من ولایۃ

الاولیاء الذین ولایتھم ماخوذة من ولایتھم والاولیاء محفوظون من المعاصی فافھم و تثبت علیه (جلد دوم ص ۱۰۰)

"لیکن انبیاء علیہم السلام کی حالت اور شان نبوت سے قبل تو تحقیق یہ ہے جبکہ اسی کے قائل اور معترف اہل اللہ صوفیائے کرام ہیں کہ یہ حضرات اس حالت میں بھی کبائر سے مطلقاً اور صغائر کے ارادۃً ارتکاب سے معصوم ہیں اور کیونکر اس طرح نہ ہو جبکہ وہ پیدا ہی ولایت پر ہوتے ہیں اور ان پر کوئی لحہ اور پلک جھپکنے کی دیر بھی ایسی نہیں گزرتی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کر رہے ہوں اور ان کی ولایت اولیاء کرام کی ولایت سے قوی اور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ ان اولیاء کی ولایت انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت سے ہی مستفاد اور ماخوذ ہوتی ہے اور جب اولیاء معاصی اور آثام سے محفوظ ہوتے ہیں (تو انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ محفوظ بلکہ معصوم ہوں گے) اس نکتہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر ثابت قدم رہو"

(۱۰) حضرت علامہ ابوالشکور سالمی جو حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے معاصر ہیں اور ان کی اس کتاب کو مرکز اہل سنت حزب الاحناف لاہور سے حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر وفقیہ اعظم سید ابوالبرکات السید احمد القادری نے شائع کروایا اور اس کو درس نظامی کے نصاب میں داخل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اس کتاب مستطاب تمہید ابو الشکور السالمی سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ذرا غور و فکر سے مطالعہ فرمائیں:

قال عامة الفقهاء من اهل السنة والجماعة انه یجوز ان یکون للولی کرامة خرقا للطبیعة ناقضا للعادة و کرامة الاولیاء لا یورث الشبهة فی معجزة الانبیاء بل یکون دلیلا علیٰ صحة المعجزة لان کرامة الولی معجزة لنبی زمانه تحقیقا لرسول ایامه و الذی یدل علیٰ صحة هذا و هو ان الکرامة لو لم یجز اثباتها للاولیاء فلا یجوز اثباتها للانبیاء لان النبی قبل الوحی و قبل ظهور النبوة یکون ولیا عند الناس و ان

کان نبیاً عند اللہ تعالیٰ و یجوز اثبات الکرامۃ لہ قبل ظہور النبوۃ کما کان لنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و کان لابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ و غیرھم من الانبیاء علیھم السلام قبل الوحی والنبوۃ یسمیٰ عند الناس و لیا ولو لا یجوز اثبات الکرامۃ للولی فلا یجوز اثباتہ للنبی قبل الوحی فیکون فیہ نفی الکرامۃ عن النبی و ھذا محال

"اہل السنت والجماعت کے جمہور فقہائے کرام نے فرمایا ہے ولی کے لیے کرامت کا ثبوت وتحقق خرق طبیعت اور نقض عادت کے طور پر جائز اور درست ہے اور کرامات اولیاء علیہم الرضوان انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں قطعاً شک وشبہ کے موجب نہیں ہو سکتے بلکہ معجزات کے برحق ہونے کی دلیل وحجت بن جائیں گے کیونکہ ولی کی کرامت اس کے نبی زمان اور رسول ایام کے لیے معجزہ ہوگی کیونکہ ولی نبی کا مطیع ومتبع اور اس سے مستفیض اور مستفید ہوتا ہے۔

اور ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اولیاء کرام کے لیے کرامات کا ثبوت درست نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا ثابت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ نبی ورسول کی ذات اقدس وحی اور ظہور نبوت سے قبل لوگوں کے نزدیک ولی ہوتی ہے اگرچہ عند اللہ نبی ہوتی ہے، لہذا اس کے لیے کرامت کا ثبوت ظہور نبوت سے قبل درست اور صحیح ہے جیسے کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ظہور نبوت سے قبل کرامات ثابت ہیں اور علیٰ ہذا القیاس حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے ثابت تھیں ان پر وحی کے نزول اور نبوت کے ظہور سے قبل اور ایسی ہستی عند الناس ولی کہلاتی ہے تو اگر ولی کے لیے کرامت ثابت نہ ہو سکے تو نبی کے لیے بھی وحی سے قبل اس کا ثابت کرنا جائز نہیں ہوگا جبکہ اس طرح نبی سے کرامت کی نفی لازم آئیگی اور یہ محال اور ناممکن ہے"

سوال:

فان قیل النبوۃ قبل الوحی ثابتۃ فی علم اللہ تعالیٰ و نحن علیٰ ذالک

فیکون فی هذا اظهار الکرامة للنبی والکرامة قبل الوحی من مقدمات الوحی و النبوة فیکون فی هذا النبوة و لیس بولایة

اگر یہ کہا جائے اس ہستی میں علم باری تعالیٰ کے لحاظ سے نبوت ثابت ہے اور ہم اسی عقیدہ پر ہیں تو اندریں صورت یہاں کرامت کا اظہار نبی کے لیے ہوگا اور وحی اور ظہور نبوت سے قبل اس کرامت کا ظہور وحی کے نزول اور نبوت کے ظہور کے مقدمات میں سے ہوگا تو اس میں نبوت ثابت ہوگی نہ کہ ولایت۔

الجواب:

قلنا الاستحالة فی هذا اکثر لان الکرامة لو کانت من خصائص مقدمات النبوة یکون فی هذا ایجاب الایمان بالنبی قبل الوحی وقبل الدعویٰ لان النبی لو لم یکن له کرامة بدون النبوة فبظهور الکرامة قبل الوحی والدعوی یعلم یقینا انه نبی فیجب الایمان علی الناس به واجمعنا جمیعا علیٰ انه لا یجوز الایمان قبل الوحی والدعوی ولا یسمی نبیا فیکون ولیا عند الناس و نبیا عند الله تعالیٰ ثم ظهور الکرامة له یکون ظهور الکرامة للولی علیٰ ما بینا

''ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں استحالہ اتنا بڑھ جائے گا اور خرابی زیادہ لازم آئے گی کیونکہ اگر یہ کرامت مقدمات نبوت کے خصائص سے ہو تو اندریں حالت اس ہستی پر اس پر وحی کے نزول اور اس کے دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا واجب ہو جائے گا کیونکہ نبی کے لیے اگر نبوت کے ثبوت اور تحقق کے بغیر کرامت ثابت نہ ہو سکے تو وحی اور دعوائے نبوت سے قبل کرامت کے ظہور سے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ نبی ہیں تو لوگوں کے لیے اس پر ایمان لانا واجب و لازم ہو جائے گا حالانکہ ہم سب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی شخصیت پر وحی کے نزول اور اس کے دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا جائز نہیں (چہ جائیکہ واجب و فرض

ہو) اور نہ ہی اس کو نبی کہا جائے گا لہٰذا وہ عند الناس ولی ہوگا اور عند اللہ نبی ہوگا پھر اس پر کرامت کا ظہور ولی پر کرامت کا ظہور ہوگا جیسے کہ بیان کر چکے ہیں"

سوال:

کرامة الولی تورث الشبهة فی النبوة قبل الدعوی ؟

الجواب:

قلنا هذا لا یلزم لان قبل الدعوی لا یجب الفرق بین الولی والنبی عند الناس لانه لا یجب الایمان به قبل الدعوی فاذا ادعی فلا تبقی شبهة فلا یلزم۔

(تمہید، ص ۷۵)

سوال: ولی کی کرامت نبی کے دعوائے نبوت سے قبل اس کی نبوت میں شک وشبہ کی موجب بن جائے گی؟

جواب:

ہم کہتے ہیں نبی کی نبوت میں کوئی شک وشبہ اور اشتباہ اور التباس لازم نہیں آتا کیونکہ دعوائے نبوت سے قبل ولی اور نبی میں عند الناس فرق کرنا لازم اور ضروری ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی نبوت پر ایمان لانا دعوائے نبوت سے قبل واجب ولازم ہی نہیں ہے اور جب وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا تو ہر طرح کا شک وشبہ ختم ہو جائے گا لہٰذا قطعاً التباس واشتباہ لازم نہیں آتا اور نہ یہ الزام ہمیں دیا جا سکتا ہے"

اقول:

اس مفصل بیان سے بھی مدلل اور مبرھن انداز میں انبیاء علیہم السلام کا نبوت کے دعوے اور نزول وحی سے قبل مقام ولایت پر فائز ہونا ثابت ہو گیا۔

(۱۱) اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان کے صاحبزادے حضرت

مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہا الرحمہ فرماتے ہیں:

''محال ہے کہ کوئی نبی قبل از وحی مومن نہ ہو وہ پیش از وحی بھی نہ صرف ایمان بلکہ اس اعلیٰ درجہ ولایت کبریٰ پر فائز ہوتے ہیں کہ نہایت مدارج اولیاء ہے''

(حاشیہ الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد ص ۱۵۰)

(۱۲) حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب بہار شریعت حصہ اول ص ۳۲ پر رقم طراز ہیں:

''نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعے سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رزیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے'' الخ

مزید فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام سے جو بات خلاف عادت ہو قبل نبوت ظاہر ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو ظاہر ہو اس کو معونت کہتے ہیں'' (بہار شریعت حصہ اول ص ۳۲ کذا فی الشفا جلد اول ص ۵۸)

کیا ''محققین زمان'' اور ''مجتہدان عصر'' ان حضرات کو بھی نبی مکرم ﷺ کے گستاخ اور بے ادب ٹھہرائیں گے یا وہ ہدیہ اور تحفہ صرف اور صرف محمد اشرف سیالوی کے لیے ہے؟

ایک شبہ (انبیاء قبل از نبوت ولی ہوتے ہیں):

ایک شبہ یہ ہے کہ اس دورانیہ میں ان کو اولیاء ماننا درست نہیں کیونکہ وہ واجب العصمۃ نہیں ہوتے جبکہ انبیاء علیہم السلام واجب العصمۃ ہوتے ہیں۔

قابل فکر بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں انبیائے کرام کو ولی نہ ماننا انبیاء علیہم السلام کا

ادب واحترام ہوگا یا ان کی توہین ہوگی؟ کہ وہ مقام ولایت تک بھی واصل نہیں ہیں۔ دوسروں کو بے ادب اور گستاخ ثابت کرتے کرتے خود کس قدر گستاخی کے مرتکب ہوگئے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿ان اولیاء ہ الا المتقون﴾ یعنی تقوی اللہ تعالیٰ کے ہاں معیار ولایت ہے اور یہ حضرات تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوتے ہیں تو ان سے ولایت کی نفی کرنا کیونکر درست ہوگا؟ بلکہ ان کی ولایت دوسرے اولیاء کرام کی ولایت سے اقویٰ اور ارفع واعلیٰ ہوتی ہے۔ جس طرح نبی عبد بھی ہوتا ہے اور مومن بھی۔ لیکن دوسرے عباد کو ان کی عبدیت اور عام مومنین کو ان کے ایمان سے کیا برابری ہوسکتی ہے؟

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ نبوت وہبی ہوتی ہے اور ولایت کسبی ہوتی ہے لہذا ولایت کے حصول کے لیے تقویٰ وطہارت پر رہنے کی سعی اور جد جہد ولی کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کی نیت اور ارادہ اور اخلاص کے مطابق فضل وکرم فرماتے ہوئے درجہ ولایت پر فائز فرما دیتا ہے۔ جبکہ نبی کی نبوت وہبی ہوتی ہے اس میں کسب وعمل اور مجاہدہ وریاضت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے تقویٰ وطہارت پر رکھتا ہے اور ان کے نبوت سے پہلے کے دورانیہ کو بے داغ اور بے عیب بناتا ہے تاکہ اعلان نبوت کے بعد ان کے پہلے عرصہ حیات کے لحاظ سے کوئی شخص ان پر اعتراض اور تنقید وتنقیص نہ کرسکے اور جب اللہ تعالیٰ ان کے تقوی وطہارت کا خود ضامن اور متکفل ہوگیا تو وہ واجب العصمۃ ٹھہرے تاکہ مقصد بعثت کما حقہ حاصل ہوسکے اور جو حضرات صرف اور صرف ولایت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، اور لوگوں کی ہدایت اور ارشاد اور دعوت الی الحق کا فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا وہ صرف اپنے تقویٰ وطہارت اور مجاہدہ اور ریاضت کے طفیل اس مقام اور مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں لہذا وہ ممکن العصمت ہوئے۔

اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری تھا کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے

سے قبل منصب ولایت پر فائز ہونے ضروری ہیں کیونکہ ان میں تقویٰ وطہارت اور عقائد و اعمال کی صحت اور استقامت لازم اور ضروری ہے، نہ یہ کہ سرے سے ولایت سے ہی محروم ہوں۔

نعوذ باللہ من ذالک

نیز نبی کی ذات اقدس کا آغاز ولادت سے کفر و شرک اور اعمال سیئہ اور قابل نفرت افعال سے منزہ و مبرا ہونا اور معصوم ہونا لازم اور ضروری ہے جبکہ ولی کے لیے یہ شرط نہیں بلکہ اس منصب پر فائز ہونے سے قبل کفر و شرک وغیرہ کا مرتکب ہو بعد ازاں تائب ہو کر اور مجاہدات وریاضات کے ذریعے اس اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائض ہو جائے اس طرح ہونا ممکن ہے بلکہ ہوتا رہا ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان عام اولیاء کرام سے افضل و اعلیٰ درجہ سولایت پر فائز ہیں اور کوئی غوث و قطب کم ترین درجہ کے صحابی کی بھی برابری نہیں کر سکتا لیکن ان میں سے اکثر حضرات اسلام لانے اور نبی مکرم ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے سے قبل کفر و شرک اور دیگر قبائح کا ارتکاب کرتے رہتے تھے۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کی عصمت اقویٰ اور ارفع و اعلیٰ ترین ہے اور ان کی ولایت بھی اعلیٰ ترین ہے جو کہ ان کی نبوت ورسالت کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو ان دونوں عصمتوں کو ایک جیسا نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی ولایت نبوت کو دیگر اولیاء کرام کی ولایت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ فرق مراتب لازم اور ضروری ہے۔ گر فرق مراتب نکنی زندیقی مشہور و معروف ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ نبی کی ذات اقدس کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ جب سے عصمت ثابت ہو گی تب سے نبوت ثابت ہو گی بالکل غلط اور بے بنیاد سوچ ہے اور بدیہی البطلان خیال ہے اور ولایت نبوت اور ولایت اولیاء کو ایک جیسا سمجھنا غلط ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام سے ولایت کی نفی کرنا بھی بالکل بے ہودہ اور گمراہانہ سوچ ہے۔ فتامل حق التامل

علامہ سید محمود آلوسی کے ارشاد سے مغالطہ دہی کی کوشش:

واذا کان بعض اخوانه من الانبیاء علیهم السلام قراوتی الحکم صبیا ابن سنتین اوثلاث فهو علیه الصلوٰة والسلام اولی بان یوحٰی الیه ذالك النوع من الایحاء صبیا ایضا ومن علم مقامه ﷺ وصدق بانه الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذالك (روح المعانی جلد:۲،ص:۵۵)

"جب آنحضرت ﷺ کے بعض نبی بھائی بچپن میں دو تین سال کی عمر میں حکم عطا کئے گئے۔ تو آپ اس امر کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو بھی بچپن میں اس طرح کی وحی سے بہرہ ور کیا جاتا اور جونسا شخص بھی آپ ﷺ کے مرتبہ ومقام سے آگاہ اور آپ ﷺ کے بارے میں اس امر کی تصدیق کرے کہ یہ وہ محبوب ہیں جو اس وقت بھی نبی ﷺ تھے، جبکہ حضرت آدم علیہ اسلام پانی اور مٹی کے درمیان درمیان تھے۔ تو وہ آپ ﷺ کے حق میں اس قسم کی وحی کو بعید نہیں سمجھے گا۔"

نیز یہی علامہ موصوف فرماتے ہیں:

و کان له علیه الصلوٰة والسلام فی کل حال من احواله فیها نوع من الوحی (ج ۲۵ص:۵۸)

"محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کیلئے آپ ﷺ کے جملہ احوال میں سے ہر ہر حال میں وحی کا کوئی نہ کوئی قسم ثابت تھا۔"

اقول:

۱......) علامہ موصوف کے حوالہ جات جو ہم نے پیش کیے ہیں ان سے صراحتہً یہ حقیقت ثابت ہو چکی کہ آنحضرت ﷺ عالم عناصر میں اور دور دنیا میں چالیس سال کی عمر میں نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اب اگر ان عبارات کا وہی مطلب لیا جائے جو مخالفین نے

سمجھا ہے کہ ان سے آپ ﷺ کا آغاز ولادت سے نبی ہونا ثابت ہوگیا۔ تو اس طرح علامہ موصوف کی عبارات میں واضح تعارض وتناقض لازم آئیگا۔ جو کہ روز روشن میں دوپہر کے وقت کی طرح روشن ہے اور لامحالہ انکے ارشادات میں تعارض ثابت کرکے مکمل طور پر ناقابل اعتداد واعتبار ٹھہرانے (اذاتعارضا تساقطا) کی بجائے ان میں باہم تطبیق کی کوشش کرنا لازم ہے۔

۲......) نیز ہماری طرف سے انکی پیش کردہ عبارت میں چالیس سال کے بعد نبی بنائے جانے کی تصریح ہے اور اس سے پہلے نبی نہ ہونے کی بھی تصریح ہے، لہذا ان میں کسی تاویل اور خلاف ظاہر پر محمول کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور مخالفین کی پیش کردہ عبارات میں یہ گنجائش بالکل واضح ہے، کیونکہ ان میں لباس بشری میں ظاہر ہونے اور اعلان نبوت سے قبل کسی نہ کسی قسم کی وحی سے بہرہ ور ہونے کا ذکر ہے۔ اور وحی کا لفظ الہام کو بھی شامل ہے اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں جن کی ولایت کیساتھ امتی اولیاء کرام کی ولایت کو کوئی برابری بلکہ نسبت بھی نہیں ہوسکتی۔ جب یہ ہستیاں اس زمانے میں مقام ولایت پر فائز ہوتی ہیں تو اس دورانیہ میں الہامات خداوند تعالیٰ کی زیادہ مستحق اور مستعد ہوں گی اور بالخصوص سید الانبیاء ﷺ۔ لہذا علامہ آلوسی یا دوسرے حضرات جنہوں نے اس دوران آپ ﷺ کے حق میں کسی نہ کسی طرح کی وحی کا ذکر کیا ہے تو انکی مراد یہی الہام ہیں، یعنی دل ودماغ میں نیک اور صالح اعمال اور ایمان وتصدیق بطریق فیض القاء کرنا ہی مراد ہے۔ نہ کہ وحی نبوت تاکہ تعارض وتناقض لازم ہی نہ آئے اور نہ اسکو دور کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ ورنہ ان کی تمام تر عبارات کو ناقابل اعتداد واعتبار سمجھنا لازم آئے گا۔

لفظ وحی کے مفہومی عموم کا بیان:

وحی کی حقیقت اور اس کے مفہومی عموم کو سمجھنے کے لیے درج ذیل آیات قرآنیہ ملاحظہ

ہوں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امی جان کے حق میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

واوحینا الی ام موسی ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیك وجاعلوه من المرسلین۔(القصص:۷)

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی فرمائی کہ انہیں دودھ پلاؤ۔ پس جب ان پر (فرعونیوں کی طرف سے) خوف وخطر محسوس کرو تو اسکو دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کھانا اور نہ غمزدہ ہونا (اس فعل پر) بیشک ہم انہیں تمہاری طرف لوٹائیں گے، اور ہم انہیں رسولوں میں ایک عظیم رسول بنائیں گے''

حالانکہ ام موسیٰ نبی نہیں تھیں، بلکہ کسی بھی عورت کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت عطا نہیں فرمایا، قال اللـه تعالیٰ: وما ارسلنا قبلك الا رجالا۔ ہم نے آپ سے قبل صرف مردوں کو ہی منصب نبوت ورسالت عطا فرمایا ہے۔

(۲) قال الله: اذ یوحی ربك الی الملائكة ۔(الانفال:۱۲)

''اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کا پروردگار فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا''

حالانکہ ملائکہ میں نبوت نہیں پائی جاتی۔

(۳) ارشاد باری تعالےٰ ہے: واوحی ربك الی النحل۔(النحل:۶۸)

''تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی فرمائی''

کوئی صاحب علم یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہاں بھی نبوت والی وحی پائی گئی ہے، وغیـــــر ذالك من الاطلاقات

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لقد كان فیمن قبلكم محدثون فان یكن فی امتی احد فانه عمر

(مشکوٰۃ شریف)

"تم سے پہلی امتوں میں بہت سے لوگ تھے جن کیساتھ اللہ تعالٰی کی طرف سے کلام کیا جاتا تھا اور ان کے قلوب میں مضامین کا القاء کیا جاتا تھا اگر میری امت میں اس طرح کا شخص ہوا اور اس مرتبہ و مقام پر فائز ہوا تو حضرت فاروق اعظم ضرور اس مقام کے مالک ہوں گے"

اس حدیث مبارک میں پہلی امتوں میں بہت سے ایسے لوگ تسلیم کیے گئے ہیں جو امتی بھی تھے، اور ان کو الہام بھی ہوتا تھا تو اس افضل الامم اور امت وسط میں انکی نسبت زیادہ حضرات اس مقام و مرتبہ کے مالک ہونے ضروری ہیں اور ان میں سرفہرست حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور سرور عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله

(ترمذی شریف)

"مومن کی فراست (اور دل کی آنکھ) سے تم ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کے نور سے دیکھتا ہے"

قلوب الاصفيا ولها عيون ترى مالا يراه الناظرون

حضور شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ کا شیر خوارگی کے عالم میں رمضان المبارک کے روزے رکھنا، نیز آپ کا یہ ارشاد گرامی اس مقام فراست اور وحی باطن اور الہام قلبی پر واضح مثال ہے:

نظرت الى بلاد الله جمعا كخردلة على حكم اتصال

وغيره ذالك من التصريحات

اسی لئے قول باری تعالٰی ما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا الآية میں وحی کے متعلق علامہ آلوسی نے فرمایا:

فسر بعضهم بالالقاء فی القلب سواء کان فی الیقظة اوفی المنام والالقاء اعم من الالهام فان ایحاء ام موسیٰ الهام وایحاء ابراهیم علیه السلام القاء فی المنام ولیس الهاماً وایحاء الزبور القاء فی الیقظة کما روی عن مجاهد ولیس بالهام

(روح المعانی ج،۲۵،ص:۵۰)

''بعض مفسرین نے اس لفظ وحی کی تفسیر دل میں القاء کیے جانے اور کسی کلام و معنی کے دل میں داخل کیے جانے کیساتھ کی ہے، خواہ وہ القاء حالت بیداری میں ہو یا نیند کی حالت میں اور القاء (اور وحی) الہام سے عام ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی امی جان کو جو وحی کی گئی وہ الہام تھا اور حالت نوم میں تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لخت جگر کے ذبح کرنے والے عمل کی وحی الہام نہیں تھا۔ اور زبور کی وحی الہام قلب کے قبیل سے تھی۔ اگرچہ بیداری میں تھی۔ لیکن الہام نہیں تھی''۔

ان تمام آیات واحادیث اور اقوال سے غرض یہ واضح کرنا ہے کہ وحی کا لفظ عام ہے اور الہام کو بھی شامل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ عام کے تحقق سے خاص کا تحقق لازم نہیں آتا، لہذا جو نتیجہ ان حضرات نے ان عبارات سے اخذ کیا ہے وہ قطعاً درست نہیں۔ ان عبارات سے علم وادراک اور عرفان وادراک حقائق کا اثبات مطلوب تھا اور اسمیں کون مسلمان اختلاف کرسکتا ہے کہ آپ کو یہ مرتبہ ومقام حاصل تھا۔ اگرچہ منصب نبوت بعد میں عطا کیا گیا، لیکن بطور فراست اور الہام اور بتقاضائے فطرت سلیمہ آپ کو پہلی شریعتوں کی معرفت حاصل تھی۔

محل تعجب:

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کا مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت مطہرہ کے مطابق عبادات بدنیہ اور فکریہ ادا کیا کرتے تھے۔ اور انکی معرفت یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی عبادات کے طور طریقہ کو معلوم کرلینا آپ کیلئے

بعید نہیں تھا۔ اور انکے مطابق عمل کرنے میں آپکے لیے کوئی امر (لاعلمی اور ناواقفیت وغیرہ) مانع نہیں تھا۔ مگر یار لوگوں نے ان عبارات کو آپ ﷺ کی نبوت ثابت کرنے کیلئے دلیل بنالیا۔ نیز نبی مکرم ﷺ عالم ارواح میں انبیاء کیلئے نبی اور معلم ومربی تھے۔ لیکن ان لوگوں نے جسمانی طور پر نبی مان کر انکا تابع اور مقتدی بنادیا۔ کیا کوئی عقلمند اس طرح کا نظریہ اپنا سکتا ہے کہ آپ پیدا ہوتے ہی بالفعل نبی تھے لیکن پہلے انبیاء علیہم السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے۔ اور چالیس سال کے بعد آپکو اپنی شریعت عطا کی گئی۔ اس سے پہلے آپ ﷺ دوسرے حضرات انبیاء کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ تو پھر اس نبوت کے اثبات کا فائدہ کیا ہوا؟

تنبیہ نبیہ:

ان مجتہد حضرات کے قول کے مطابق بھی ثابت ہو گیا کہ آپکی عالم ارواح والی نبوت اور تھی جس میں ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ آپ کی اتباع واقتداء کیا کرتے تھے۔ اور عالم اجسام والی یہ نبوت اور ہے جس کا تقریباً دو تہائی عرصہ آپ دوسرے حضرات کی اقتداء اور اتباع کرتے رہے۔ اللھم نعوذبک من سوء الفھم۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کا عندیہ اور نظریہ:

اب حضرت علامہ آلوسی کی عبارات ملاحظہ فرمائیں اور اپنی دیانت وایمانداری کے تحت خود فیصلہ فرماویں:

من یتتبع الاخبار یعلم ان العرب لم یزالوا علی بقایا من دین ابراھیم علیہ السلام من الحج (الی) وان النبی ﷺ کان احرص الناس علی اتباع دین ابراھیم علیہ السلام (الی) ثم ان الظاھر ان من قال انہ ﷺ کان متعبدا بشرع من قبلہ لیس مرادہ انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان متعبدا بجمیع شرع من قبلہ بل بما ترجح

عند علیہ ﷺ ثبوته والذی ینبغی ان یرجح کون ذالك من شرع ابراهیم علیه السلام لانه من ذریته علیهما الصلوة والسلام وقد کلفت العرب بدینه۔ وقال بعضهم ان عبادته ﷺ التفکر والاعتبار ولعله ایضا مما ترجح عنده علیه الصلوة والسلام کونه من شریعته

ترجمہ:

''جو شخص بھی اخبار اور روایات کی جستجو کریگا اسے اس امر کا یقین ہو جائیگا کہ عرب ہمیشہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں سے باقی رہ جانے والے احکام واعمال یعنی حج، ختنہ کرانا، طلاق دینا، غسل جنابت، محارم کی حرمت کا عقیدہ خواہ قرابت داری کی وجہ سے محرمیت ثابت ہو یا دامادی کی وجہ سے وغیر ذالک اپنائے ہوئے تھے۔ اور اس امر کا بھی اس کو یقینی علم ہوگا کہ نبی مکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع پر حریص تھے۔ پھر ظاہر اور جزمی امر یہی ہے کہ جن حضرات علماء نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے ان کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تمام پہلے پیغمبران کرام علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ بلکہ جس عمل کا ثبوت آپ کے نزدیک راجح اور وزنی ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ورنہ بیک وقت ناسخ پر عمل پیرا ہونا بھی لازم آجاتا۔ لیکن آپ کی عبادت قبل از نبوت کے بارے میں راجح امر یہی ہونا موزوں اور مناسب ہے کہ وہ عمل ابراہیم علیہ السلام کے دین اور شرع کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ انکی اولاد میں سے ہیں اور سارے عرب ہی ان کے دین پر عمل کے مکلف تھے۔ (تو آپ اسکی خلاف ورزی کیونکر کرسکتے تھے۔) بعض علمائے اعلام نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی قبل از نبوت جو عبادت تھی وہ تفکر اور عبرت انگیزی کے قبیل سے تھی (نہ کہ جوارح اور اعضاء ظاہرہ سے صادر ہونے والے اعمال کی صورت میں تھی) لیکن امید غالب اور ظن راجح یہی ہے کہ وہ تفکر اور عبرت انگیزی

کی وہ صورت بھی آپ ﷺ کے نزدیک دین ابراہیم علیہ اسلام میں سے ہی جو صورت راجح اور وزنی صورت ثابت اور متحقق ہوتی ہوگئی اسی کو آپ ﷺ بھی اختیار فرماتے تھے۔ (نہ کہ اس سے ہٹ کر محض اپنے قیاس اور ولایت کے مطابق)

ربما یقال بما علمه ﷺ لاعلی ذالك الوجه من شرع من قبله انه ﷺ لم یزل موحیً الیه وانه علیه الصلوٰۃ والسلام متعبد بما یوحی الیه الاٰن الوحی السابق علی البعثة کان القاء ونفثا فی الروع وما عمل بما کان من شرائع ابیه ابراهیم علیهما الصلوٰۃ والسلام الا بواسطة ذالك الالقاء واذکان بعض اخوانه من الانبیاء علیهم السلام قد اوتی الحکم صبیا ابن سنتین اوثلاث وهوعلیه الصلوٰۃ والسلام اولی بان یوحی الیه ذالك النوع من الایحاء صبیا ایضاً ومن علم مقامه ﷺ وصدق بانه الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذالك فتامل۔

(روح المعانی ج۲۵ ص:۵۶،۵۷)

"اور بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عبادت کرنا، (قبر میں اور عربوں کے معمولات کو دیکھ سن کر اور سب ظن غالب کی بنا پر نہیں تھا) بلکہ آپ نے اس سے مختلف طریقہ پر پہلے انبیاء حضرات کی شریعتوں کا علم حاصل کیا۔ بیشک آنحضرت ﷺ پر ہمیشہ سے وحی کا نزول ہوتا رہا اور بلا شک وشبہ آپ اسی علم کے مطابق عبادت فرمانے والے تھے جس کی آپ کو وحی کی جاتی تھی۔ مگر یہ کہ بعثت سے قبل آپ پر جو وحی کی جاتی تھی وہ دل میں القاء اور رُوح میں نفث کے قبیل سے تھی، یعنی الھام کے قبیل سے۔ اور آپ نے اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے شرعی اعمال پر بھی اسی القاء قلبی اور الہام روعی کے مطابق عمل فرمایا اور جبکہ آپکے بعض انبیاء بھائی بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں عرفان، حکم اور سوجھ بوجھ اور فہم دین عطا کیے گئے تھے، تو آنحضرت ﷺ اسکے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ کہ آپ کو بھی

بچپن میں ہی اس قسم کی وحی اور القاء قلبی اور الہام روحانی کیا جاتا اور جو شخص آنحضرت ﷺ کے خداداد مرتبہ ومقام کو جان چکا ہوا اور اس امر کی تصدیق کر چکا ہو کہ یہ وہی حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی ﷺ تھے، جبکہ حضرت آدم علیہ اسلام پانی ومٹی کے بین بین تھے۔ تو وہ اس طرح کے القاء اور نفث قلب اور الہام روحی کو آپ کے حق میں بعید نہیں سمجھے گا"

صلائے عام:

تمام اہل علم اور ارباب عقل وکیاست اور اصحاب فہم وفراست اس طویل عبارت میں غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ دیں کہ اس عبارت سے علامہ آلوسی کے نزدیک آپ ﷺ کا بچپن سے بالفعل نبی ہونا اور غار حرا میں ملنے والی نبوت کی طرح نبی ہونا اور مستقل دین ومذہب اور شریعت مطہرہ کا مالک ہونا اور انبیاء ومرسلین کا سردار اور امام ومقتداء ہونا سمجھ آسکتا ہے؟ اور اس نبوت پر اس عبارت کو دلیل بنایا جاسکتا ہے؟ اور عالم ارواح میں انبیاء کی ارواح اور ملائکہ کے نبی ﷺ اور معلم ومربی کا عالم اجسام میں چالیس سال تک وہ منصب اور مقام برقرار اور بحال نظر آتا ہے؟

نیز علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ

"جو شخص آپ کے مقام ومرتبہ سے باخبر ہوگا اور اس امر کا تصدیق کنندہ ہوگا کہ آپ وہی حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے۔ تو وہ آپ کے حق میں پہلی شریعتوں اور بالخصوص ابراہیم کی شریعت کے علم وادراک اور شعور معرفت اور اس کے مطابق تعبد کو بعید نہیں سمجھے گا"

اس کا کیا جواز ہوگا؟ آپ کو تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ

"ہر ایسے شخص پر آپ پر کو پیدا ہوتے ہی نبی ماننا لازم اور واجب ہے کیونکہ ہر پچھلا نبی پہلے نبی کی شریعت کا تصدیق کرنیوالا ہوتا ہے کما قال عیسیٰ علیہ السلام: انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ اور تصدیق بغیر اسکی شریعت کی معلومیت کے ممکن نہیں ہوتی اور محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بھی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ ثم جاء کم رسول

مصدق لما معکم "تو پھر آئے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنیوالا ہو تمہارے تمام امور شرعیہ اور احکام دینیہ اور معجزات وشواہد نبوت کی" تو تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور انکی امداد کرنا"

لہذا ہمارے ان مجتہدین کے نظریہ وعقیدہ کے مطابق آپ کو اس دورانیہ میں نبی ماننا بھی لازم اور ضروری ہونا چاہیے تھا۔ اور ان تمام پہلی شریعتوں کا مکمل علم بھی آپ کے حق میں ماننا لازم اور ضروری بلکہ فرض ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

علمت علم الاولین والآخرین (خصائص کبریٰ)

"مجھے تمام پہلے اور پچھلے حضرات کا علم عطا کر دیا گیا ہے"

اس میں محض استبعاد کی نفی کرنے کا کوئی تک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بقول ان مجتہدین کے جو نبوت آپکو عالم ارواح میں حاصل تھی وہ سلب تو نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اپنی اسی حالت پر قائم ودائم تھی۔ فتامل حق التامل۔ لہذا ان کے نظریہ کے مطابق صرف استبعاد کی نفی سراسر ناکافی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان قبل الایحاء وقیل اشیر بھذا الایحاء الی الایحاء فی ھذہ النشأۃ وکان لنبیک ﷺ فی کل حال من احوالہ فیھا نوع من الوحی والدرایۃ المعنیۃ اذ کان علیہ الصلوۃ والسلام فی کینونتہ قبل اخراجہ منھا بتجلی کینونتہ عزوجل والا فھو ﷺ نبی ولا آدم ولا ماء ولا طین ولا یعقل نبی بدون ایحاء۔

ترجمہ:

اے محبوب کریم تم نہیں جانتے تھے، کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے، کہ ایمان کیا ہے، ہمارے وحی فرمانے سے پہلے، کہا گیا ہے کہ اس وحی کرنے سے مراد ہے کہ اس دنیا میں وحی کرنا اور آں حضرت ﷺ کیلئے جملہ احوال (دینویہ اور اخرویہ) میں سے ہر ہر حال میں وحی کا کوئی

ایک قسم بھی حاصل ہوتا تھا اور درایت منفیہ بھی۔ یعنی ایک وقت میں آپ سے ہدایت اور علم وادراک کی نفی بھی پائی گئی، پھر وحی اور تعلیم بھی پائی گئی۔ جبکہ آپ حالت روحی ونوری یا حدوث مادی اور جسمانی کی حالت میں تھے۔ پہلے اس کے کہ اللہ تعالےٰ اپنے وجود خاص کے عکس اور تجلی کے ذریعے آپ کو اس حالت سے جو مقتضائے حدوث وامکان ہے، اس سے نکالتا تو آپ ﷺ میں درایت نہیں تھی، اور جب اس حالت سے نکال باہر کیا اور اپنے وجود کا خاص عکس اور پرتو ڈالا تو پھر درایت کی نفی ختم ہوگئی، اور علم وادراک اور عرفان وآگہی حاصل ہوگئی۔ اگر جسمانی وجود اور مادۂ خاص میں تحقق پر قبل از وحی کتاب وایمان کی درایت اور معرفت کی نفی مراد نہ ہو تو پھر ظاہری معنی مراد لینے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ آپ اسوقت نبی تھے۔ جبکہ نہ حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور نہ پانی اور مٹی جبکہ کسی شخص کا نبی ہونا بغیر وحی کے قابل تصور ہی نہیں۔ (لہٰذا عالم ارواح میں نبوت حاصل ہونے کی صورت میں آپ سے خاص عالم ارواح کے لحاظ سے کتاب اور ایمان کی درایت اور آگہی کی نفی ناقابل تصور ہے)

اور اگر یہ نفی متصور ہو سکتی تھی تو اس نشاۃ دنیویہ اور جسم اقدس میں روح کے حلول وسریان کے لحاظ سے ہی متصور ہو سکتی تھی۔

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نشاۃ دنیویہ اور جسمانی حالت میں نمودار ہونے پر فوراً کتاب اللہ اور ایمان کی تفصیلات اور اس میں مندرج تصدیقات واقرارات اور اعمال کے مجموعہ سے آگاہ نہیں تھے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور ان تفصیلات سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ لہٰذا وحی جب بعد میں پائی گئی تو نبوت بھی بعد میں پائی گئی۔ "ولا یعقل نبی بدون ایحاء" جبکہ کسی شخص کے نبی ہونے کا تصور بھی بغیر نزول وحی کے نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا اس عبارت سے بھی آغاز ولادت سے ہی آپ ﷺ کے نبی ہونے پر استدلال

عجب مضحکہ خیز حرکت معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری عبارت دیکھی ہی نہیں گئی اور سیاق وسباق سے اس کو بالکل الگ تھلگ کر دیا ہے پھر من مرضی کا نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے۔

علامہ آلوسی کا نظریہ:

ناظرین کرام! اس جلیل القدر مفسر و محقق کا عندیہ اور نظریہ اس آیت کریمہ کے تحت ذرا تفصیل سے ملاحظہ فرماویں اور اپنے خداداد عقل وفہم کو بروئے کار لا کر نتیجہ اخذ فرماویں۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ایک اشکال یہ ہے کہ اس سے بظاہر قبل از وحی آپ ﷺ سے ایمان کیساتھ موصوف و متصف ہونے کی نفی لازم آ رہی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے:

لان الانبیاء علیھم السلام جمیعا قبل البعثۃ مومنون لعصمتھم عن الکفر باجماع من یعتد بہ۔ "کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے مومن ہوتے ہیں، کیونکہ معتد بہ اور معتبر علماء کرام کا اس پر اجماع کہ وہ کفر سے معصوم ہیں۔

اس اشکال کو ذکر کر کے علامہ فرماتے ہیں کہ اس کے کئی طرح پر جوابات دیے گئے ہیں:

جواب اول:

یہاں پر ایمان سے فقط باری تعالیٰ کے وجود اور صفات کمال کے ساتھ اس کے اتصاف کی تصدیق مراد نہیں ہے بلکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا مجموعہ مراد ہے، کیونکہ از روئے شرع شریف جس طرح تصدیق بالقلب پر لفظ ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے تینوں امور کے مجموعہ پر بھی ایمان کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور اس معنی پر مبنی ہے قول باری تعالیٰ: ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ..... اللہ تعالیٰ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے حالانکہ مراد اس جگہ ایمان سے نماز ہے۔ جس میں تینوں امور جمع ہیں۔ اور

اعمال کی معرفت حاصل کرنیکا طریق سماع شرعی ہے۔آمدریم برسر مطلب، جب ایمان مرکب اور مجموعہ ٹھہرا تین امور کا اور مرکب کی نفی (جس طرح ہر ہر جز کی نفی سے ہو سکی ہے، فقط ایک جز کی نفی سے بھی اس کی نفی ہو جاتی ہے۔)

فلا یلزم من انتفاء الایمان المرکب بانتفاء الاعمال انتفاء الایمان بالمعنی الآخر اعنی التصدیق وھو الذی اجمع العلماء علی اتصاف الانبیاء علیھم السلام بہ قبل البعثۃ ولذا عبر بتدری دون ان یقال لم تکن مومنا وھو جواب حسن

"لھذا اس ایمان مرکب کی نفی سے بسبب اعمال کی درایت کی نفی کے ایمان کی دوسرے معنی یعنی تصدیق مجرد کے لحاظ سے نفی لازم نہیں آئیگی اور علماء اعلام کا انبیاء علیہم السلام کے قبل از بعثت جس ایمان کیساتھ اتصاف پر اجماع واتفاق ہے وہ یہی ایمان بمعنی تصدیق ہے (نہ کہ امور ثلاثہ کا مجموعہ) اس لیے قرآن مجید میں ما کنت تدری کہا گیا ہے لم تکن مومنا (کہ تم قبل ازیں مومن نہیں تھے۔) نہیں کہا گیا ہے اور یہ جواب خوب اور مستحسن ہے (جس میں آپ ﷺ سے اپنی شریعت کے اعمال کی درایت و معرفت کی قبل از وحی نفی پائی گئی ہے۔)

جواب ثانی:

ایمان مذکور سے تصدیق باللہ اور تصدیق بالرسول کا مجموعہ مراد ہے نہ فقط تصدیق باللہ اور نہ تصدیق اور اعمال وغیرہ کا مجموعہ، جبکہ نبی کریم ﷺ اپنے رسول ہونے پر ایمان لانے کے اسی طرح مکلف ہیں جیسا کہ آپ کے اُمتی آپ کے رسول اللہ ہونے پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔

ولا شك انہ ﷺ قبل الوحی لم یکن یعلم انہ رسول اللہ و ما علم ذالك الا بالوحی واذا کان الایمان ھو التصدیق باللہ تعالی ورسولہ ﷺ ولم یکن ھذا المجموع ثابتا قبل الوحی بل کان الثابت ھو التصدیق باللہ تعالیٰ خاصۃ المجمع علی

اتصاف الانبیاء علیهم السلام به قبل البعثة استقام نفی الایمان قبل الوحی والی هذا ذهب ابن المنیر۔

"اور یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام وحی سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور آپ ﷺ کو علم صرف اور صرف وحی کے ذریعے حاصل ہوا اور جب ایمان تصدیق باللہ اور تصدیق بالرسول کا مجموعہ ٹھہرا اور یہ مجموعہ آپکے لئے وحی سے پہلے ثابت نہیں تھا، بلکہ صرف اور صرف تصدیق باللہ ثابت تھی۔ جس کے ساتھ قبل البعثت انبیاء کے موصوف ومتصف ہونے پر علماء اعلام کا اجماع اور اتفاق ہے تو آنحضرت ﷺ سے قبل از وحی ایمان کی نفی درست ہوگئی اور علامہ ابن منیر اس جواب کیطرف گئے ہیں۔ (جس میں قبل از وحی آپکو اپنے رسول ہونے کی تصدیق نہیں تھی۔)

جواب ثالث:

اس مقام پر ایمان کی نفی سے مراد ہے ایمان کے شرائع اور معالم کی نفی۔ جن کے معلوم ہونے کا ذریعہ صرف سمعی دلائل ہیں، اور امام محی السنۃ اسی توجیہ کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے فرمایا:

ان النبی ﷺ کان قبل الوحی علی دین ابراهیم علیه السلام ولم یتبین له شرائع دینه۔

نبی کریم ﷺ نزول وحی سے قبل ابراہیم علیہ اسلام کے دین پر تھے اور اپنے دین کے اعمال آپ پر واضح اور عیاں نہیں تھے۔ (گویا یہاں ایمان بمعنی تصدیق باللہ کی نفی نہیں ہے بلکہ بمعنی اعمال شرع کی درایت کی نفی ہے۔)

اس جواب میں علامہ کے نزدیک ولا الایمان میں لفظ ایمان سے قبل مضاف محذوف ماننا لازم ہے یعنی امور الایمان وغیرہ۔ ورنہ لفظ ایمان کا اطلاق فقط اعمال پر لازم آیگا حالانکہ

اس کا کوئی عالم اور صاحب دانش و بینش قائل نہیں ہے وھو خلاف المعروف......

بعض علمائے کرام نے فرمایا:

لعل الاشبہ ان الایمان علیٰ ظاھرہ والآیۃ واردۃ فی معرض الامتنان والایحاء یشمل الالقاء فی الروع وارسال الرسول فالایمان عرفہ بالاول والکتاب بالثانی علیٰ ان الایۃ دل علیٰ انہ ﷺ عرفھما بعد ان لم یکن عارفا وھو کذالک اما انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرفھما بعد الوحی فلا۔فجاز ان یعرفھما بھما وجاز ان یعرف واحدا منھما معینا بہ وقد دل الدلیل علی ان المعروف بہ ھو الکتاب والایمان بعد العقل وقبل الوحی

" امید ہے کہ زیادہ حق کے مشابہ اور قریب یہی ہے کہ ایمان اپنے ظاہری معنی پر ہے ،اور ایحاء کا لفظ (جو قول باری تعالیٰ و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا میں وارد ہے) عام ہے یعنی دل میں کسی امر کا ڈال دینا اور فرشتہ بھیج کر مطلع کرنا دونوں اس میں داخل ہیں لہذا آپ نے ایمان کا علم حاصل کیا الہام اور القاء قلبی کے ذریعے اور کتاب کا علم ملک وحی کے ذریعے۔

یہ قول مبنی ہے اس امر پر کہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام نے کتاب اور ایمان کو جان لیا بعد اس کے کہ پہلے نہیں جانتے تھے اور یہ تو فی الواقع صحیح اور درست ہے۔لیکن یہ دعویٰ کہ آپ ﷺ نے دونوں کو وحی کے بعد معلوم کیا اس کا واقع کے مطابق ہونا یقینی نہیں بلکہ جائز اور ممکن ہے کہ دونوں کا علم آپ کو وحی سے حاصل ہوا ہو اور جائز و ممکن ہے کہ ان میں ایک معین کو وحی کے ذریعے جانا ہو اور دلیل اس پر دلالت کرتی ہے کہ وحی کے ذریعے کتاب کا علم حاصل ہوا اور ایمان کا علم عقل کامل ہونے کے بعد اور وحی سے پہلے حاصل ہو گیا"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم کے اس قول پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وانت تعلم المتبادر انه علیه الصلوة والسلام عرفهما بعد الوحی '

اور تجھے اے مخاطب معلوم ہی ہے کہ آیت کریمہ سے متبادر اور واضح طور پر سمجھ آنیوالا معنی و مفہوم یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دونوں کی معرفت وحی کے بعد حاصل ہوئی (نہ کہ ایمان کی معرفت وحی سے قبل حاصل ہوگئی جیسے کہ اس جواب کا ملخص ہے۔)

صاحب کشف نے یہاں پر پیدا ہونے والے ہیں اس وہم کا کہ "جب آپکو کتاب اور ایمان کی درایت اور معرفت حاصل نہیں تھی تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل کس طرح کر سکتے تھے، لہذا یہ دعویٰ کہ آپ ﷺ وحی سے قبل پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل پیرا تھے، ٹھیک نہیں رہے گا"

جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"یہ تمسک ضعیف ہے، لان عدم الدرایۃ لایلزمہ عدم التعبد بل یلزمہ سقوط الاثم ان لم یکن تقصیر

"کیونکہ درایت اور آگہی کے نہ پائے جانے سے عبادت کرنے کی نفی لازم نہیں آتی' بلکہ اس کو صرف یہی لازم ہے کہ تقصیر اور ذاتی کوتاہی نہ پائے جانے پر گنہگاری لازم نہیں آئیگی'

اس توہم کے اس جواب پر (جو صاحب کشف نے دیا) تبصرہ کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مدقق صاحب کا یہ فرمانا محل نظر ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے، لانہ علیہ السلام اذا لم یدر شرعا کیف یتعبد بہ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے جب کسی شریعت کو جانا ہی نہ ہو تو اس پر عمل کیونکر فرما سکتے تھے؟ تو اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے:

ان مراد المدقق ان الدرایۃ المنفیۃ ھی الدرایۃ بمعنی العلم الجازم الثابت

المطابق للواقع وعدمها لا یلزمه عدم التعبد اذا یکفی فی التعبد بشرع من قبله علیه الصلوٰۃ والسلام الظن الراجح ثبوته فلعله کان حاصلا له ﷺ ومثل ھذا الظن یکفی للمتعبدین الیوم بشرع نبینا ﷺ فان اکثر الفروع ظنیۃ

کہ مدقق کی مراد یہ ہے کہ جس درایت کی آیت کریمہ میں نفی کی گئی ہے اس درایت سے مراد علم الیقین ہے جو کہ نام ہے اعتقاد جازم کا جو ثابت اور پائیدار ہو اور واقع کے مطابق بھی ہو اور اس درایت کے معدوم و منتفی ہونے سے عبادت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ پہلی شریعتوں پر عمل کرنے اور انکے مطابق عبادت کرنے کیلئے ظن غالب ہی کافی ہے تو عین ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی یہ ظن غالب ان شرائع کے بارے میں حاصل ہو اور اسی طرح کا ظن غالب اس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ پر عمل پیرا حضرات ﷺ کیلئے کافی وافی ہے۔ کیونکہ اکثر فرد وعات شرعیہ ظنی ہیں"

(روح المعانی ج ۲۵ ص: ۵۳، ۵۴، ۵۵)

تنبیہ نبیہ:

قابل غور امر یہ ہے کہ اپنی شریعت کی تفصیلات اور اعمال شرع کا علم آنحضرت ﷺ کیلئے وحی سے قبل منتفی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، اور اس کی نفی کو پہلے تینوں جوابوں میں علامہ موصوف تسلیم کر چکے ہیں بلکہ پہلے جواب کو مستحسن قرار دے چکے ہیں بلکہ دوسرے جواب میں آپ کو وحی سے قبل اپنی رسالت کی درایت اور معرفت سے بھی بے خبر اور لاعلم ثابت کر چکے ہیں۔ اور پہلی شریعتوں کا بھی ظن غالب اور گمان راجح کے طور پر علم وادراک تسلیم کر رہے ہیں نہ کہ علم الیقین کے طور پر۔ اور ان کا مختار یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم کی شریعت کا علم القاء قلبی اور کشف روحانی کے طور پر رکھتے تھے، اور اپنی شریعت کے علم سے قبل اس شریعت پر عمل پیرا تھے۔ اور آپ ﷺ کو قبل از وحی نہ اپنی رسالت کا یقینی علم تھا اور نہ اس کے احکام کا۔

کیا کوئی عقل مند آدمی علامہ صاحب موصوف کی یہ تحریر پڑھ کر اور سمجھ کر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان کے نزدیک حضور اکرم ﷺ پیدا ہوتے ہی بالفعل نبی تھے۔ اور اپنی شریعت مطہرہ کے مطابق عمل پیرا تھے۔ اور اسی کے مطابق عبادت کیا تھے۔ اللھم رنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنا بہ۔

الحاصل اگر بعد از ولادت شریفہ کچھ عرصہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں آپ پر وحی جلی اور وحی خفی میں سے کوئی بھی نازل نہ ہوئی ہو اور آپ کو کتاب اللہ اور ایمان کی تفصیلات سے آگاہی نہ ہوئی ہو تو اس آیت کریمہ۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کا قطعاً کوئی معنی ہی نہیں رہے گا اور اس قول باری تعالے کو مہمل اور بے مقصد ٹھہرانا لازم آئے گا جبکہ اس میں ماضی استمراری کے طور پر کتاب اور ایمان کی درایت اور آگہی کی نفی کی گئی ہے۔ اور یہ لازم سراسر باطل ہے اور اس کا بطلان روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے۔ تو اس آیت کریمہ سے نشأت دینویہ کے لحاظ سے ایک مدت تک کتاب اور ایمان (کی تفصیلات کی نفی آپ سے منصوص طور ثابت ہو گئی تو اس عرصہ میں آپ کے بالفعل نبی ہونے کا قول کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ اور عبارات:

امام آلوسی کی پہلی عبارت:

قیل لم یبعث نبی الا بعد الاربعین وذھب الفخر الی خلافہ مستدلا بان عیسی ویحیی علیھما السلام ارسلا صبیین لظوا ھر ماحکی فی الکتاب الجلیل عنھما وھو ظاھر کلام السعد حیث قال:

من شروط النبوۃ الذکورۃ وکمال العقل والذکاء والفطنۃ وقوۃ الرأی ولوفی الصبا کعیسی ویحیی علیھما السلام الی آخر ماقال

وذهب ابن العربی فی آخرین الی انه لایجوزعلی الله سبحانه بعث الصبی الاانه لم یقع وتأولوا آیتی عیسی ویحیی۔ ۔ قال انی عبد الله آتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔وآتیناه الحکم صبیا۔۔ ۔۔ بانهما اخبار عما سیحصل لهما لاعما حصل بالفعل ومثله کثیر فی الآیات وغیره۔ والواقع عندهولاء البعث بعد البلوغ وحکی اللقانی عن بعض اشتراطه فیه ویترجح عندی اشتراطه فیه دون اصل النبوة لما ان النفوس فی الاغلب تانف عن اتباع الصغیر وان کبر فضلا کالرقیق والانثی۔

وصرح جمع بان الاعم الاغلب کون البعثة علی رأس الاربعین کما وقع لنبینا ﷺ۔ (روح المعانی ص:۱۷ ج۲٦)

ترجمہ:

''کہا گیا ہے کہ کوئی نبی بھی مبعوث نہیں ہوا مگر چالیس سال کی عمر کے بعد، لیکن فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بچپن میں مبعوث فرمایا اور حالت صبا میں منصب رسالت عطا کیا گیا۔ کیونکہ کتاب جلیل میں انکے متعلق جو حکایت کیا گیا ہے بظاہر اسکا مطلب ومفہوم یہی ہے اور علامہ سعد تفتازانی کا کلام بھی بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے جبکہ انہوں نے کہا کہ: نبوت کے شرائط میں سے ہے ذکر ہونا، عقل کا کامل ہونا، ذکاوت وفطانت میں کمال اور رائے اور سوچ وفکر میں پختگی خواہ حالت صبا میں ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام الی آخرہ۔

علامہ ابن العربی بمع دوسرے بہتیرے حضرات علماء کے اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی کو بچپن میں نبی بنادے یہ ممکن اور جائز تو ہے، لیکن عملی طور پر اس کا تحقق اور وقوع نہیں پایا گیا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے حق میں وارد آیات کی انہوں نے یہ تاویل کی ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے متعلق کتاب دیے جانے اور نبی بنائے جانے کا

دعویٰ کیا ہے، یا حضرت یحییٰ علیہما السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں بچپن میں حکم عطا کیا تو یہ مستقبل میں ان کو حاصل ہونے والے منصب و مرتبہ کی خبر اور حکایت ہے نہ کہ جو مقام و مرتبہ بالفعل حاصل ہو چکا تھا اس کی خبر اور حکایت ہے۔ اور مستقبل میں حاصل ہونے والے مدارج و مراتب اور احوال و کیفیات کو ماضی کے صیغوں کیساتھ تعبیر کر دینا قرآن مجید کی آیات اور احادیث و محاورات عرب میں بکثرت ہے۔

اور ان حضرات کے نزدیک حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بلوغت کے بعد جو مدت بعثت کی ہے اس کے پورے ہونے پر عادت جاریہ کے مطابق ہی نبوت عطا ہوئی۔

اور علامہ لقانی نے بعض علماء کرام کی طرف سے نبوت کیلئے بلوغت کا شرط ہونا بھی نقل کیا ہے اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ بلوغت بعثت کیلئے شرط ہے اصل نبوت کیلئے اس کو شرط ٹھہرانا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نفوس انسانی اغلب طور پر صغیر السن کی اتباع و اطاعت سے نفرت و کراہت محسوس کرتے ہیں اگرچہ مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بڑا ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ غلام اور عورت کی اتباع سے متنفر ہوتے ہیں۔

اور علماء اعلام کی عظیم جماعت نے تصریح فرمائی ہے کہ عام تر اور اکثر و اغلب یہی ہے کہ بعثت کا چالیس سال کی عمر مکمل ہونے پر پایا جانا۔ جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کیلئے یہی صورت حال اور کیفیت وقوع پذیر ہوئی"۔ (ترجمہ مکمل ہوا)

بیان الفوائد:

۱۔ علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ:

اس پر تو اجماع ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام بچپن اور حالت صبا میں نبی نہیں بنائے جاتے اور مبعوث نہیں ہوتے، اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ کوئی نبی بھی بچپن اور حالت صبا میں نبی نہیں بنایا گیا یا بعض کو اس حال میں نبی بنایا گیا ہے، جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم

السلام کا بظاہر کلام مجید سے یہی شان اور مقام معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ ہر نبی پیدا ہوتے ہی نبی ہوتا ہے بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے جیسے کہ سید ذاکر حسین شاہ صاحب نے دعویٰ کیا ہے یہ اہل اسلام کے اجماع کا خلاف ہے (اور اجماع کی خلاف ورزی ضلالت وگمراہی ہوتی ہے۔)

۲ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں قرآن مجید کی آیات وارد ہیں، اور ماضی کے صیغوں کے ساتھ ان کے کتاب وحکم دیے جانے اور نبی بنائے جانے کی تصریح ہے، اس کے باوجود ہمارے اسلاف کرام اور علمائے اعلام کی عظیم جماعت نے ظاہری معنی اور مفہوم مراد نہیں لیا بلکہ اس میں مجاز بالمشارفۃ والی تاویل کی ہے یعنی مستقبل میں چونکہ یقینی طور پر ان کو یہ منصب عطا ہونے والا تھا تو اس کے متیقن وقوع پر تنبیہ کرنے کے لیے اس کو مضارع اور مستقبل کے صیغوں سے تعبیر کرنے کی بجائے ماضی کے صیغوں سے تعبیر کر دیا گیا، اور انہیں نبوت ورسالت ملی تو اسی عمر میں جو قانون قدرت اور سنت الٰہیہ کے مطابق تھی، یعنی چالیس سال کے بعد۔

تنبیہ نبیہ:

ہے کوئی صاحب عقل وخرد اور مالک دانش وبینش جو ان اکابر پر کفر ونفاق یا ضلالت وگمراہی کا فتویٰ لگائے، جب قرآن مجید کی قطعی الثبوت آیات میں تاویل کرنے والے تاویل کے باوجود مسلمان بھی ہیں، اکابر بھی ہیں، تو جن حضرات اکابر نے کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد..... میں اسی طرح کی تاویل فرمائی ہے (ہم تو صرف ناقل ہیں) ان پر بھی ایسا فتویٰ صادر کرنا سراسر ظلم وتعدی ہے، عظیم جہالت یا تجاہل کا مظاہرہ ہے۔ نیز جن حضرات نے اس مضمون کی احادیث کو بھی اپنے ظاہر پر رکھا ہے اور عالم ارواح اور عالم اجسام کے احکام کو جداگانہ تسلیم کر لیا ہے، ان پر کوئی عقلمند انسان گمراہی وضلالت وغیرہ کے فتاویٰ جات کیونکر لگا سکتا ہے؟

۳﴾ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کی نبوت وبعثت کے وقت میں اختلاف کرنے کے باوجود نبی مکرم ﷺ کے متعلق ایسے کسی اختلاف ونزاع کا ذکر کیے بغیر چالیس سال کے بعد آپ ﷺ کی بعثت اور نبوت کا ذکر فرمایا گویا اس امر پر اجماع اور اتفاق ظاہر کرنا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سنت الٰہیہ اور معمول فطرت اور عادت جاریہ کے مطابق چالیس سال کے بعد ہی ہوئی۔ اور اعم واغلب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو ان حضرات کے قول سے احتراز کے لیے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کو بچپن سے ہی نبی مانتے ہیں نہ کہ آپ کے متعلق کسی اختلاف اور نزاع کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔ بلکہ آپ ﷺ کے چالیس سال بعد مبعوث ہونے پر اس اعم اور اغلب کو متفرع کیا جارہا ہے کہ جب سید الانبیاء والمرسلین اس عمر شریف میں مبعوث ہورہے ہیں۔ تو اعم اور اغلب اور اصل وقاعدہ وضابطہ یہی ہے۔ اس کا خلاف محتاج دلیل ہے نہ کہ یہ جو کہ اصل اور راجح ہے۔

اہم سوال:

مجتہدین زمانہ اور محققین عصر حضرات سے سوال ہے کہ کیا علامہ آلوسی صاحب کو وہ احادیث یاد نہیں تھیں، یا انہوں نے پڑھی بھی نہیں تھیں اور سنی بھی نہیں تھیں، جو ان حضرات کو یاد اور ازبر ہیں؟ جبکہ انہی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے بعض نبی بھائی بچپن میں اس عرفان کے مالک ہیں تو آپ ﷺ کیونکر اس عرفان اور وحی یا ظہور اور کشف قلبی اور فراست صادقہ کے مالک نہیں ہوں گے جبکہ آپ عالم ارواح میں نبی ﷺ تھے۔ فتامل حق التامل

لہٰذا عالم ارواح اور عالم اجسام کا فرق تسلیم لازم اور ضروری ہے اور اس سے آنکھیں بند کر کے رکھنا عقلمندی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی کی دوسری عبارت:

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

فلما نبی وھو ابن اربعین سنۃ آمن بہ وھو ابن ثمانیۃ وثلاثین سنۃ فلما بلغ الاربعین قال رب اوزعنی الایۃ (روح المعانی ج۲۶ص:۱۸)

پس جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نبی بنائے گئے، جبکہ آپ ﷺ چالیس سال کے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جبکہ وہ اڑتیس سال کے تھے، پس جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو یہ دعا کی:

''اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں اس نعمت پر جو تو نے مجھے عطا فرمائی اور اس نعمت پر جو میرے والدین کو عطا فرمائی''

فائدہ:

اس میں بھی علامہ موصوف نے آنحضور ﷺ کے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کا ذکر کیا ہے نہ کہ اس عمر میں نبوت کے اعلان اور اظہار کرنے کا ذکر فرمایا جس سے انکا نظریہ وعقیدہ صاف ظاہر اور واضح ہے۔

نیز علامہ موصوف نے بحیرا راہب کے آپ کے متعلق نبوت کے انکشاف والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فوقع فی قلبہ تصدیقہ فلم یکن یفارقہ فی سفر ولاحضر فلما نبی وھو ابن اربعین سنۃ آمن بہ وھو ابن ثمانیۃ وثلاثین ۔

''تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں راہب کے اس قول کی تصدیق پیدا ہوگئی پس آپ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سفر وحضر میں جدا نہیں ہوتے تھے، تو جوں ہی آپکو نبی بنایا گیا، جبکہ آنحضرت ﷺ چالیس سال کے تھے۔ تو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے جبکہ

حضرت ابوبکر اڑتیس سال کے تھے"

فائدہ:

علامہ موصوف کی اس عبارت سے بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ بحیرا راہب نے مستقبل میں آپکو عطا ہونے والے منصب کی حضرت صدیق کو خوشخبری سنائی تھی نہ کہ اس وقت نبی ہونے کی۔ اسی لیے جب آپکو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا تو فوراً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لے آئے اور پہلی تصدیق یہ تھی کہ آپ مستقبل میں ضرور بالضرور اس منصب پر فائز ہوں گے، اس لئے بحیرا کو صحابۂ کرام میں شمار نہیں کیا گیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اڑتیس سال کی عمر میں آپ ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا گیا، حالانکہ آپ ﷺ بحیرا سے ملاقات کے وقت اٹھارہ سال کے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کی تصریح کی ہے جبکہ بحیرا کے اس بشارت دینے کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف بیس سال تھی۔

امام آلوسی کی تیسری عبارت:

یہی علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ قول باری تعالیٰ:

وما ینطق عن الھوی

کے تحت فرماتے ہیں:

وفی الکشف فی قولہ تعالیٰ وما ینطق مضارع عامع قولہ سبحانہ: ماضل صاحبکم وما غوی بما یدل علیٰ انہ علیہ الصلوۃ والسلام حیث لم یکن لہ سابقۃ غوایۃ وضلال منذ تمیز وقبل تحنکہ واستنبائہ لم یکن لہ نطق عن الھوی کیف وقد تحنک ونبیء، وفیہ حث ان یشاھدوا منطقہ الحکم (روح المعانی، ج۲۷، ص:۲۰)

"صاحب کشف نے ذکر فرمایا کہ وما ینطق قول باری تعالیٰ ہے اور مضارع کی

حالت میں ذکر کیا گیا ہے، جبکہ کلام مجید میں آپ سے ماضی زمانہ کے لحاظ سے بھی ضلالت وغوایت کی نفی کی گئی ہے، تو اس کا صریح مفہوم ومدلول یہی ہوا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت بھی غوایت وضلالت سے محفوظ وماموں اور معصوم تھے جبکہ آپ ﷺ سن تمیز میں تھے۔ اور گھٹی دیے جانے اور نبی بنائے جانے سے قبل ہی معصوم تھے تو آپ ﷺ اس وقت خواہش نفس کے تحت نطق کیسے کر سکتے تھے جبکہ ان کو (عرفان اور روحانیت کی) گھٹی دی جا چکی تھی۔) اور نبی بنایا جا چکا تھا اور اس قول باری تعالیٰ میں اس امر پر لوگوں کو برآنگیختہ اور آمادہ کرنا مقصود ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے سراسر حکمت بھرے کلام کو سنیں اور اس میں غور فکر کریں"

فائدہ:

علامہ موصوف کے اس کلام سے صرف ان کا ہی نہیں بلکہ صاحب کشف کا بھی یہی نظریہ اور عقیدہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پیدا ہوتے ہی نبی ﷺ نہیں تھی اس لئے سن تمیز تک رسائی مان کر نبی بنایا جانا تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اس منصب پر فائز کیے جانے کی بات کی ہے اور دلالۃ النص کے طور پر بھی آپ سے غوایت وضلالت کی نفی کی ہے کہ جب سن تمیز تک پہنچنے کے باوجود آپ غوایت سے منزہ ومبرا تھے تو نبی ﷺ بنائے جانے کے بعد بطریق اولیٰ ضلالت و غوایت سے منزہ ومبرا ہوں گے، جیسے کہ وما ینطق عن الهوی باعتبار عبارت النص کے اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقام غور ہے کہ اگر آپ ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے صرف اعلان چالیس سال کے بعد پایا گیا، تو اس تفریع اور دلالۃ النص سے استدلال واستنباط کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ان مجتہدین کے نزدیک اس استدلال کا مفہوم ومدلول یہ ہو جائے گا کہ جب نبوت ملنے کے وقت سے نبی ضلالت وغوایت سے منزہ ومبرا ہوتا ہے تو اعلان نبوت کے بعد بطریق اولیٰ منزہ ومبرا ہوگا۔ حالانکہ عصمت لازمہ نبوت ہے نہ کہ لازمہ اعلان نبوت۔ اکابرین نے نبی

بنائے جانے سے قبل اور نبی بنائے جانے کے بعد والا فرق سامنے رکھ کر یہ تفریع مرتب کی ہے۔

چوتھی عبارت:

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ قول باری تعالیٰ:

علمه شديد القوى ذومرة فاستوى (النجم:٥)

کے تحت فرماتے ہیں:

اى فاستقام على صورته الحقيقية التى خلقه الله تعالى عليها وذالك عند حراء في مبادي النبوة (روح المعانی ص:۴۰ ج:۲۷)

یعنی جبرئیل امین علیہ السلام نے اپنی صورت حقیقیہ میں ڈھل کر جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی اور ایصال وحی میں واسطہ ووسیلہ بنے اور یہ صورت غار حراء کے پاس آغاز نبوت اور ابتداء نبوت میں وقوع پذیر ہوئی۔

فائدہ:

جبرئیل علیہ السلام کا اس حال میں مشاہدہ فرمانا فترت وحی کے بعد کا معاملہ ہے اور فترت وحی کی مدت تقریباً تین سال ہے تو اس کے بعد والی اس حالت کو جس میں جبرائیل اپنی اصلی اعتدالی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئے مبادی نبوت سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ جبکہ بقول مجتہدین زمانہ اور محققین عصر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ۴۳ سال گزر چکے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ تینتالیس سال تک اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابتدائی حالت میں تھی تو اس کے درمیان اور آخری مراحل کا اندازہ کیا ہوگا فاعتبروا یا اولی الالباب۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

تنبیه :

الغرض ان اکابرین ملت کا نظریہ واضح ہے کہ عالم اجسام میں آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی اور ہم صرف ناقل اور انکے متبع ہیں۔ ہمیں کسی فتوے کا نشانہ بنانے سے قبل ان متقدمین علماء اعلام اور آئمہ کرام کے ارشادات اور نظریات بھی مدنظر رہنے چاہییں اور عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیے۔ سب کو ایک جیسے فتووں سے نوازنا چاہیے۔ یہ امر عدل وانصاف اور دیانت سے بہت بعید ہے کہ نظریہ میں اتحاد کے باوجود فتوائے تضلیل وتکفیر میں فرق کیا جائے۔

پانچویں عبارت:

قول باری تعالیٰ:

انا انزلناه فی لیلة مبارکة (الدخان:۳)

''ہم نے قرآن مجید کو مبارک رات میں نازل کیا''

کے تحت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

واستشکل ذالک بان ابتداء السنة المحرم اوشهر ربیع الاول لانه ولدفیه ﷺ ومنه اعتبر التاریخ فی حیاته علیه الصلوٰة والسلام الی خلافة عمر الفاروق رضی الله عنه وهو الاصح وقد کان الوحی الیه ﷺ علیٰ رأس الاربعین سنة من مدة عمره علیه الصلوٰة والسلام علی المشهور من عدة اقوال فکیف یکون ابتداء الانزال فی لیلة القدرمن شهر رمضان اوفی لیلة البراءة من شعبان واجیب بان ابتداء الوحی کان منامافی شهر ربیع الاول ولم یکن بانزال شیء من القرآن والوحی یقظةً مع الانزال کان فی یوم الاثنین لسبع عشرة خلت من شهر رمضان وقیل لسبع منه وقیل لاربع وعشرین منه (روح المعانی ص:۱۰۲،۱۰۳،ج۲۵)

"یہاں پر اشکال یہ پیش آتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہے یا ربیع الاول شریف سے۔ کیونکہ آپ ﷺ اسی میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ظاہرہ سے لے کر حضرت فاروق اعظم کی خلافت تک اسی مہینہ سے تاریخ اسلامی کا اعتبار کیا جاتا رہا، اور یہی قول اصح ہے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء متعدد اقوال میں سے مشہور قول کے مطابق چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر ہوئی۔ تو وحی کی ابتداء نزول رمضان کی لیلۃ القدر میں یا شعبان کی شب براءت میں کیونکر ہو سکتی ہے؟۔

جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں (سچے خوابوں کی صورت میں) ربیع الاول شریف میں ہوئی اور قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ کے نزول کے ساتھ یہ ابتداء نہیں ہوئی تھی اور بیداری کی حالت میں وحی کی ابتداء بمع نزول قرآنی بروز سوموار سترہ رمضان المبارک اور بقولے سات رمضان اور بقولے چوبیس رمضان کو ہوئی"

فائدہ اولی:

علامہ آلوسی کے اس قول سے پہلا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ﷺ پر وحی کا نزول عمر شریف کے چالیسویں سال کے اختتام کے قریب ہوا اور یہ بیان بھی مطلق وحی کا ہے نہ کہ وحی قرآنی کا۔

فائدہ ثانیہ:

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نزول قرآن والی وحی کی ابتداء رمضان المبارک کی مذکورہ راتوں میں سے کسی میں ہوئی، جبکہ وحی منامی کی ابتداء ربیع الاول شریف میں ہوئی جبکہ دونو طرح کی وحی کا درمیانی عرصہ چھ ماہ ہے تقریباً، لہذا اس عبارت سے آپ ﷺ کی نبوت کی ابتداء جسمانی لحاظ سے نشأۃ دنیا میں کب ہوئی، وہ بھی واضح ہو گئی جبکہ وحی کے بغیر کسی ہستی کے نبی

ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کما صرح به الآلوسی رحمه الله وقد ذکرنا ہ لہذا وحی منامی سے ہی آپکی نبوت کا آغاز ہوا جبکہ آپ کی عمر شریف چالیس برس ہو چکی تھی۔

فائدہ ثانیہ:

آپ کے سچے خوابوں اور آپ کی نبوت کے دورانیہ میں ایک اور چھیالیس کی نسبت پر دلالت بھی ثابت ہو گئی۔

تنبیہ:

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علامہ آلوسی محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز ولادت سے ہی بالفعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اور انکے حق میں اس طرح کا دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے اور خلاف واقع وحقیقت ہے۔ بلکہ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر وحی کا آغاز ہونا ہی ان کے نزدیک محقق اور مسلم امر ہے۔

بعثت کا مفہوم:

بعث کا معنیٰ "مقرر کرنا" اور "کسی منصب پر فائز کرنا" ہی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نصوص ملاحظہ ہوں:

(۱) بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام سے عرض کیا:

ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله (البقرۃ:۲۴۶)

"ہمارے لئے کوئی شخص بادشاہ مقرر کرو (تا کہ اسکی سرکردگی میں) ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں"

تو انہوں نے ان کے مطالبے کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ بادشاہ کی نشاندہی کی۔ ان الله قد بعث لکم طالوت ملکاً۔ (البقرۃ:۲۴۷) اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، اور اس کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کو ہم پر بادشاہی کیسے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں، اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا:

ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یعطی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم (البقرۃ:۲۴۷)

"اسے اللہ تعالیٰ نے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے"

بنی اسرائیل کا مطالبہ یہ نہیں تھا کہ بادشاہ ہمارے اندر موجود ہے اور شاہی صفات اور عادات و اخلاق کے ساتھ بالفعل متصف ہے، بس اس کا اعلان کر دو۔ بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ کسی شخص کو اس منصب پر متعین کرو اور اسے یہ اعزاز بخشو۔ اور آپ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے (کنز الایمان) اور طالوت کو فرمایا کہ میں تم کو بحکم الٰہی بنی اسرائیل کا بادشاہ مقررر کرتا ہوں۔ اور بنی اسرائیل سے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے (خزائن العرفان)

اگر پہلے سے بادشاہی منصب اور شاہی خصائل و خصائص کے ساتھ بالفعل متصف شخص موجود تھا، صرف آپکی زبان مبارک سے اعلان اور اظہار کروانا پیش نظر تھا۔ تو پھر اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کیوں کیا؟ اور اس کی اس منصب کیلئے اہلیت و صلاحیت کی نفی کیوں کی اور حضرت شموئیل کو مختلف دلائل اور قرائن سے اس کے اس منصب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقرر اور تعین کو ثابت کیوں کرنا پڑا؟

(۲) قال اللہ تعالیٰ...... وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا (المائدۃ:۱۲)

"اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار قائم کیے"

یہاں بھی ان کا از سر نو تقرر و تعین مراد ہے نہ کہ وہ سرداری اور قیادت و سیادت کیساتھ پہلے بالفصل متصف تھے۔ اللہ نے صرف ان کا اعلان فرما دیا۔

(۳) قال ـــ ابعث اللہ بشرا رسولا (الاسراء:۹۴)

"کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے"

قال تعالیٰ ـــ اھذا الذی بعث اللہ رسولا (الفرقان:۴۱)

"کیا یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے"

ان دونوں آیتوں میں بھی منصب رسالت پر بشری صورت والی ذات کے مقرر اور متعین کئے جانے کا کفار کی طرف سے انکار بیان کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ صرف ان کیلئے اس منصب کے فقط اظہار و اعلان پر انکار بیان کرنا مقصود ہے۔ وغیرذالك من الآیات الکریمہ۔

نیز یہ دعوی کہ بعثت سے مراد رسال ہے محل نظر ہے کیونکہ ارسال کا لغوی معنی بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ہستی پہلے دوسری جگہ ہو پھر اس کو دوسری جگہ پر منتقل کیا جائے تو جس جگہ رسول کی ذات پہلے سے ہی موجود ہو وہاں اس کے ارسال کا کوئی معنی نہ ہوگا۔ گویا محبوب کریم علیہ السلام اہل مکہ کیلئے رسول اور مرسل نہ ہوئے کیونکہ پہلے سے ان میں موجود تھے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی یہ قول کرسکتا ہے؟

لہذا یہاں شرعی معنی مراد ہے اور کسی شخص کو اس منصب پر فائز کرنا اور یہ ذمہ داری سونپنا مراد ہے اور چونکہ اس عہدہ اور منصب پر فائز ہونے اور اس اعزاز کے ساتھ معزز ٹھہرائے جانے کے بعد کی حالت پہلی حالت سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہوگئی تو گویا یہ شخص پہلے سے مختلف شخص بن گیا اس لئے اس نئی صورت حال کو بعثت اور ارسال کے ساتھ تعبیر کردیا جاتا ہے اور اس ہستی کو مبعوث اور مرسل سے تعبیر کردیا گیا۔

اگر بعث اور ارسال کا یہ معنی لیا جائے کہ نبی تو پہلے سے تھے۔ انکی نبوت کا اظہار اور

اعلان بعد میں پایا گیا تو قول باری: فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین (البقرۃ:۲۱۳) کا مطلب یہ بن جائیگا کہ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے سے وصف نبوت کے ساتھ متصف تھے، انکی نبوت کا اظہار اور اعلان بعد میں کیا گیا۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط اور خلاف واقع دعوی ہے بلکہ خارج میں بالفعل وصف نبوت سے موصوف ہونا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام بھی ہنوز آب وگل کے درمیان تھے، صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت اور امتیازی وانفرادی شان ہے۔ دیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عالم اجسام میں بالعموم چالیس سال کی عمر تک رسائی کے بعد ہی نبی بنا یا گیا اور فریضۂ تبلیغ سونپا گیا۔ اس سے استثناء پایا گیا ہے تو دو حضرات یعنی حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کا۔ اور وہ بھی اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ صرف بعض حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ یہ دونوں حضرات بچپن میں ہی اس منصب پر فائز کر دیے گئے تھے۔

النبیین کا لفظ جمع ہے اور معرف باللام ہے اور عہدیت پر کوئی قرینہ موجود نہیں تو لامحالہ استغراق والا معنی مراد ہوگا، یعنی تمام انبیاء علیہم اسلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اس حال میں کہ وہ بشارات سنانیوالے تھے اور ڈرانیوالے تھے۔ تو یہاں لازم آگیا کہ سارے انبیاء رسول بن جائیں اور نبوت ورسالت کا باہمی فرق ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ نیز سارے ہی نبی پیدا ہوتے ہوں کیونکہ بعثت انکی بعد میں پائی گئی نبوت تو ان کو پہلے سے حاصل تھی۔ بقول ان مجتہدین کے تو ان سب کو آغاز ولادت سے مقام نبوت پر فائز اور صفت نبوت سے موصوف ومتصف ماننا لازم ٹھہرے گا حالانکہ دونو لازم باطل ہیں، اور ناقابل تسلیم اور خلاف اجماع ہیں۔ فتامل حق التامل۔

اہم سوال:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا: متی وجبت لك النبوۃ یارسول اللہ؟ اور نبی ﷺ نے فرمایا: وآدم بین الروح والجسد، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

صحابہ کرام علیہم الرضوان سمجھتے تھے، کہ اگرچہ اعلان نبوت آپ نے چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر فرمایا، لیکن نبی بنے ہوئے پہلے سے تھے، تو گویا ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبوت آپ ﷺ کو حاصل تو بچپن سے تھی لیکن اعلان اس کا بعد میں فرمایا گیا، لہذا ثابت ہو گیا حصول نبوت اور ہے اور اعلان نبوت اور ہے؟

الجواب

(۱) صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اگر سوال دنیا میں حاصل ہونیوالی نبوت کے متعلق کیا ہوتا تو آپ جواب بھی اس کے مطابق ارشاد فرماتے، اور یوں فرماتے وجبت لی النبوۃ عند الولادۃ۔ مجھے وقت ولادت سے ہی نبوت حاصل ہو چکی تھی۔ عالم ارواح کی بابت بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) وہ وقت ولادت سے حاصل ہونے والی نبوت کے متعلق تب دریافت کرتے اگر ان کا ذہن یہ تصور کر سکتا ہوتا اور ان کی عقل یہ باور کر سکتی کہ نبی ﷺ کی ذات، قدس نبوت ملنے پر اسے عرصہ تک چھپا بھی سکتی ہے، اور تقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب ان کے اذہان اور عقول اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اور نہ ایسے محالات کو باور کر سکتے تھے، تو اس صورت کے متعلق وہ سوال ہی کیونکر کر سکتے تھے۔ تو لامحالہ ان کا سوال بھی عالم ارواح کے لحاظ سے تھا۔ اور آپ ﷺ نے جواب بھی اس کے مطابق عطا فرمایا

(۳) اگر ان کا سوال ہوتا دنیا میں اور عالم اجسام میں ملنے والی نبوت کے متعلق اور آپ ﷺ جواب عطا فرماتے عالم ارواح والی نبوت کے ساتھ، تو کیا سوال و جواب میں مطابقت ہوتی؟ اور ایسا سوال پر غیر منطبق جواب حضور اکرم ﷺ جیسے سرچشمۂ علم و حکمت کی طرف سے متصور ہو سکتا تھا؟

(۴) اگر جواب کا مطلب یہ ہوتا کہ میں عالم ارواح سے ہی چلا آ رہا ہوں اور یہ

چالیس کا عرصہ بھی اسی نبوت میں داخل ہے تو اس کا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ جس طرح نبوت کا حصول تھا چالیس سال کے عرصہ میں لیکن اعلان نہیں تھا، تو پہلی ہزاروں سال کی نبوت بھی اس طرح کی ہوگی جس میں نبوت کا حصول تھا لیکن اعلان واظہار نہیں تھا۔ نہ افادہ وافاضہ کی صورت تھی اور نہ استفادہ استفاضہ کی، تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کون سا کمال حاصل ہوا اور مخلوق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا معتد بہ اور کار آمد فائدہ حاصل ہوا؟

ایک طرف اعتراضات کی بوچھاڑ ہوان پر جو ہزاروں سال سے بالفعل نبی بھی مانیں اور ملائکۂ کرام اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید و مستفیض ہونا بھی تسلیم کریں اور دوسری طرف اپنا حال یہ ہو کہ ہزاروں سال میں آپ کو مہر بلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست جود ونوال کو مغلول تسلیم کریں اور جود وسخا اور فیضان سے محروم تسلیم کریں فیاللعجب

(۵) صحابۂ کرام علیہم الرضوان یہ تو باور کر ہی نہیں سکتے تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کو چھپائے رکھا ہو، لہذا ان کا سوال بھی عالم ارواح کے متعلق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی اس کے مطابق دے دیا، ان کے سوال کا مبدا اور منشی یہی تھا کہ نبوت صرف اب نہیں ملی بلکہ پہلے سے ملی ہوئی ہے اور آپ نے بھی پہلی نبوت کے متعلق ہی بتلایا۔ کیا عالم ارواح کی نبوت پہلے سے حاصل ہونے والی نبوت تھی یا نہیں؟ یقیناوہ پہلے سے حاصل ہونوالی نبوت ہی تھی۔

(۶) نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کے متعلق یہ روایات بھی ہیں:

متی کتبت نبیا قال وآدم بین الروح والجسد (مسند امام احمد)

''آپ کب نبی لکھے گئے'' اور آپ کے نبی بنائے جانے کا فیصلہ اور قضاء وتقدیر کب وارد ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی قضاء وتقدیر اس وقت وارد ہو چکی تھی جبکہ آدم علیہ السلام کی روح اور جسم اور اس کا باہمی ربط وتعلق قائم نہیں ہوا تھا۔

لہذا سوال ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خداوند تبارک وتعالیٰ کے فیصلہ قضاء وقدر کے

متعلق تھا اور جواب بھی آپ نے اس کے مطابق عطا فرمایا۔

اس سوال کا سبب اور باعث یہ ہوسکتا ہے کہ مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ سے نبوت بنی اسرائیل میں آرہی تھی، اور ان کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ یہ اعزاز صرف اور صرف ہمیں ہی حاصل رہے گا۔ دوسرے کسی قبیلہ سے کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوسکتا۔ اس لیے سوال کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منصب پر فائز کیا جانا مستأنف امر ہے اور اس کا فیصلہ بنی اسرائیل کی نازیبا حرکات اور برے اخلاق وعادات دیکھ کر کیا گیا ہے اور اس خاندان کی نبوت منسوخ کردی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں از سر نو اس کو جاری کیا گیا ہے؟ تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امر نسخ وتبدیل اور تغیر قضاء کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ ابتداء سے یہ فیصلہ کردیا گیا تھا، اور لوح محفوظ میں نقش کردیا گیا تھا۔ اور یہ اس طرح کا فرمان ہوگا جیسے کہ فرمایا:

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ

''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں اور میرے لیے اس منصب کا فیصلہ ہوچکا جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم بھی مکمل نہیں ہوا تھا''

اور ارشاد نبوی ہے:

جعلنی فاتحا وخاتما

''اللہ تعالیٰ نے مجھے سلسلہ نبوت کا مبدأ اور محل افتتاح بھی بنایا اور اس سلسلہ کا منتہیٰ اور خاتم بھی ٹھہرایا''

نیز حدیث شریف میں وارد ہے اور اسی کو علمائے کلام نے عقیدہ کا عنوان قرار دیا ہے:

اول الانبیاء آدم و آخرھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

''سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں مبعوث ہونے والے حضور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' وغیر ذالک۔

لھــذا ان تمام ارشادات کا خلاصہ یہی ہوا کہ قضاء وقدر کے لحاظ سے بھی اور روحانی و نورانی وجود کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ اول الانبیاء ہیں، اور جسمانی لحاظ سے اور دنیوی بعثت کے لحاظ سے آپ ﷺ آخری نبی ﷺ ہیں، جبکہ حدیث کا راوی، وہ بھی صحابی اور صحابی بھی ایسا جن کو نبی مکرم ﷺ نے دعا دی ہو..... اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل

"اے اللہ کریم ان کو دین کی کامل فقاہت اور سوجھ بوجھ عطا فرما، اور قرآن مجید کا کامل اکمل علم عطا فرما"

لامحالہ وہی اس حدیث پاک کا معنیٰ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ان کا ہی ارشاد گرامی ہے: بعث رسول اللہ ﷺ لاربعین سنة

"یعنی آپ ﷺ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مبعوث ہوئے"

(باب المبعث وبدء الوحی، مشکوۃ شریف)

لہذا اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جسمانی لحاظ سے اور عالم عناصر میں ظہور کے لحاظ سے چالیس سال کی عمر شریف میں آپ ﷺ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، اور احکام نبوت کی تبلیغ کا مکلف ٹھہرایا گیا۔ لہذا روحانی نورانی وجود کے اعتبار سے آپ ﷺ قصر نبوت کی اساس اور بنیاد ہیں اور جسمانی وجود کے اعتبار سے آخری اینٹ بھی ہیں، یہی ہمارا نظریہ ہے والحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کا نظریہ:

محقق حضرات علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی شرح فقہ اکبر میں منقول ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چالیس سال کے بعد آپ کے بالفعل نبی ہونے کا قول غلط ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے:

قال الامام فخر الدین الرازی الحق ان محمدا ﷺ قبل الرسالة ما کان

علیٰ شرع نبی من الانبیاء وھو المختار عند المحققین لانہ لم یکن امۃ نبی قط لکنہ کان فی مقام النبوۃ قبل الرسالۃ وکان یعمل بماھو الحق الذی ظھر علیہ فی مقام نبوتہ بالوحی الخفی والکشوف الصادقۃ من شریعۃ ابراھیم وغیرہ کذانقلہ القونوی فی شرح عمدۃ النسفی۔وفیہ دلالۃ علیٰ ان نبوتہ لم تکن منحصرۃ فیما بعد الاربعین کما قال جماعۃ بل اشارۃ الی انہ من یوم ولادتہ متصف النبوۃ بل یدل حدیث: کنت نبیاوآدم بین الروح والجسد علی انہ متصف بوصف النبوۃ فی عالم الارواح قبل خلق الا شباح وھذا وصف خاص لہ۔لا نہ محمول علی خلقتہ للنبوۃ واستعدادہ للرسالۃ کمایفھم من کلام الامام حجۃ الاسلام فانہ حینئذ لایتمیز عن غیرہ حتی یصلح ان یکون ممدوحاً بھذا النعت بین الانام (شرح فقہ اکبر ص:۷۳)

"امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ عنہ نے فرمایا حق یہ ہے کہ محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ اپنی رسالت سے قبل کسی نبی کی شریعت پر نہیں تھے اور احناف میں سے محققین کا مختار بھی یہی ہے، کیونکہ آں حضرت ﷺ کبھی بھی کسی نبی کے امتی نہیں رہے۔لیکن آپ ﷺ منصب رسالت پر فائز ہونے سے قبل مقام نبوت میں تھے۔اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے جو امر حق آپ ﷺ پر اپنے مقام نبوت میں وحی خفی اور انکشافات صادقہ کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں سے ظاہر ہوتا تھا۔علامہ قونوی نے عمدۃ النسفی کی شرح میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

علامہ قونوی کے اس قول میں اس امر پر دلالت ہے کہ آنحضور ﷺ کی نبوت چالیس سال کے بعد والے عرصہ میں منحصر نہیں تھی جیسے کہ علمائے کرام کی جماعت کا قول ہے، بلکہ اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے روز ولادت سے ہی نبوت والی صفت کیساتھ متصف تھے، بلکہ کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد والی حدیث اس امر پر دلالت کرتی

ہے کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں ہی وصف نبوت کے ساتھ متصف تھے، قبل اس کے کہ عالم اجسام کی تخلیق ہوتی اور یہ آپ کا خاص (امتیازی اور انفرادی) وصف ہے۔ اس کا یہ محمل اور مصداق نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو نبی بنانے کے لیے اور رسول بننے کی استعداد و صلاحیت پر پیدا کیا گیا ہے جیسے کہ امام حجۃ الاسلام (غزالی قدس سرہ) کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ اندریں صورت دوسرے انبیاء علیہم السلام سے کوئی امتیازی اور انفرادی وصف آپ ﷺ کیلئے حاصل نہیں ہو پائے گا تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے باقی مخلوق کے درمیان موصوف و ممدوح ہوں"

(ملا علی قاری کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی پیش کردہ عبارت میں مستدل حضرات کے لیے چند امور قابل غور ہیں:

اعلان نبوت سے قبل نبوت ماننے کی اہمیت کس قدر ہے؟

فائدۂ اولی:

علامہ قاری کے اعتراف (کما قال جماعۃ) کے مطابق علمائے اعلام اور اسلاف کرام کی جماعت جو ان پر بھی سبقت رکھنے والے ہیں اس کے قائل و معترف اور معتقد ہیں کہ آپ کی نبوت جسمانی چالیس سال کے بعد والے عرصہ میں منحصر ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

وہ اہل سنت ہیں یا ان میں سے خارج ہیں؟ اور ضلالت و گمرہی کا شکار ہیں یا راہ راست اور ہدایت پر ہیں؟۔ اور کیا جماعت کی اتباع و اقتداء زیادہ وزنی اور راجح ہوتی ہے یا ایک دو افراد کی؟ فرمان نبوی ہے علیکم بالجماعۃ "جماعت کا دامن تھام لو"۔ اور ید اللہ علی الجماعۃ اللہ تعالیٰ کا دست رحمت و شفقت جماعت پر ہوتا ہے تو لامحالہ جماعت کی رائے اور انکا نظریہ و عقیدہ ہی راجح اور وزنی ہوگا اور لائق اعتداد و اعتبار اور قابل اعتراف و تسلیم۔

فائدہ ثانیہ:

امام شیخ الاسلام غزالی رحمہ اللہ، کنت نبیا الحدیث کا جو مدلول و مفہوم متعین فرمار ہے ہیں اس کی رو سے ان مستدل حضرات کی نظروں میں ان کا کیا مقام ہے؟ کیا وہ اہل سنت کے مقتدا اور امام و شیخ الاسلام رہ گئے یا سارے اعزازات کالعدم ہو گئے؟ اور سنیت سے بھی خارج ہو گئے؟ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ارواح میں بھی بالفعل نبی نہیں مان رہے؟؟؟

فائدہ ثالثہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی خفی اور کشف صحیح کے ذریعے اپنی شریعت کا علم حاصل کر کے اس پر عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں سے جو امر حق و صواب اور راجح اور وزنی معلوم ہوتا تھا اس پر عمل فرماتے تھے، تو اس نبوت میں اور ولایت کبریٰ میں کیا تفریق اور تمیز ہو سکے گی۔ کیونکہ ہر نبی نبوت کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ولایت عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اس میں بھی وحی خفی اور انکشافات صادقہ پائے جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا یوسف علیہ اسلام کو جب بھائیوں نے کنوئیں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی:

قال تعالیٰ: واوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هذا وهم لایشعرون۔

(سورہ یوسف:)

''اور ہم نے وحی کی یوسف (علیہ السلام) کی طرف کہ تم ضرور بالضرور نہیں ان کے اس معاملہ سے خبردار کرو گے جبکہ وہ احساس و شعور نہیں رکھتے ہوں گے''

حالاں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے آپ کے کنوئیں میں پھینکے جانے کا موقعہ ہے اور نبوت آپ کو بہت عرصہ بعد میں عطا کی گئی۔

قال: ولما بلغ اشده آتیناه حکما وعلما و کذالك نجزی المحسنین۔

''اور جب اپنی قوت اور کامل توانائی تک پہنچ گئے تو ہم نے اس وقت ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ایسے ہی ہم نکوکاروں کو جزا دیتے ہیں''

لہذا اس وحی سے ان کا بالفعل اور عملی طور پر خارج میں نبی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہوسکتا حالانکہ ثبوت وحی قطعی ہے کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے، لہذا اس وحی اور کشف صادق سے صرف پہلی شریعتوں میں سے راجح اور مختار عمل آپ کو معلوم ہو جاتا تھا۔ اور اس کے مطابق آپ عمل فرماتے تھے، نہ کہ آپ مستقل صاحب شرع نبی تھے اور اپنی شریعت پر عمل فرماتے تھے۔ یا پہلی شریعتوں میں سے ان اعمال پر عمل پیرا ہوتے جو آپ کی شریعت کے موافق ہوتے تھے۔

نیز اس تاویل وتوجیہ میں بھی بنیادی محرک اور موجب یہ ہے کہ آپ اگر اپنے کشف صحیح اور وحی خفی کے مطابق پیرا عمل نہ ہوں تو آپ کا ان انبیاء کرام کا امتی ہونا لازم بھی آئے گا اور یہ لازم واجب التسلیم بھی ہوگا، حالانکہ'' انه لم یکن امة نبی قط'' آپ ﷺ کبھی بھی کسی نبی کی امت نہیں رہے ہیں:

تو جو وحی خفی اور کشف صادق آپ ﷺ میں اس لیے تسلیم کیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کا دوسرے انبیاء علیہ السلام کا تابع اور امتی ہونا لازم نہ آئے بلکہ آپ ان کی اقتداء کی وساطت کے بغیر ہی ان اعمال واحکام پر مطلع بھی ہوں اور عمل پیرا بھی ہوں تو یہ نبوت بھی خفی نبوت، باطنی اور روحانی قسم کی نبوت ہوئی نہ کہ ارباب امم انبیاء علیہم السلام کی طرح لوگوں کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی اور دوسروں کو ہدایت دکھلانے والی، یا منزل مقصود تک پہنچانے والی۔ بلکہ آپ ﷺ گویا صرف اپنی ذات کے لیے اس وقت نبی ﷺ تھے حالانکہ یہ نبوت تو محل محدث نہیں جو حکم ولایت میں ہے اور نبوت خفیہ وباطنیہ ہے اور فقط آپ ﷺ کی ذات تک محدود ہے۔ نہ تو یہ وہ نبوت ہوئی جو عالم ارواح میں آپ کو حاصل تھی اور ارواح انبیاء اور ملائکہ آپ ﷺ سے مستفید

ہورہے تھے، اور نہ وہ نبوت اور ہوئی جو بعد میں آپ کو حاصل ہوئی اور جنات، ملائکہ، بلکہ حیوانات، نباتات، جمادات تک کو محیط ہوگئی اور ہر ایک آپ سے اپنی حیثیت کے مطابق استفادہ کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا تو اس سے تمسک کا ان حضرات کو کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

قال تعالٰی: و اوحینا الٰی ام موسیٰ ان ارضیعه الاٰیۃ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امی کو اللہ تعالٰی نے وحی فرمائی کہ اپنے لخت جگر کو دودھ پلاؤ اور اس کی تربیت کرو اور اگر فرعونیوں کی طرف سے خوف وخطر محسوس کرو تو اپنے اس نور نظر کو دریا میں پھینک دینا اور خوف وہراس اور حزن وملال کا شکار نہ ہونا۔ انا رادوه الیك وجاعلوه من المرسلین۔ ہم اس عزیز کو تمہاری طرف (اپنی کامل حکمت اور غالب تدبیر کے ذریعے) لوٹائیں گے اور اسے منصب رسالت پر بھی فائز فرمائیں گے۔ اور یہ وحی اتنی قطعی اور حتمی تھی کہ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور ریب وتردد کے اس پر عمل کیا، (حالانکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے) مگر اس قطعی وحی سے ان کا (یعنی ام موسی کا) نبی ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ عالم شیر خوارگی میں رمضان المبارک کے روزے رکھا کرتے تھے، اگر ان کو شریعت مطہرہ کے احکام کا الہام اور وحی خفی اور کشف صادق نہیں تھا تو یہ عظیم عمل کیونکر اپناتے تھے؟۔ وغیر ذالک۔ اور اس آغاز سے انجام اور ابتداء سے انتہاء کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اور اس فرع کا حال اس کے اصل کے حال کی دلیل وبرھان بین ہے فتامل حق التامل۔

نیز نبی مکرم ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی ﷺ تھے۔ اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کو افادہ وافاضہ فرماتے رہے، تو لباس بشری، میں ملبوس ہونے پر وہ نبوت سلب تو نہیں ہوگئی تھی، اگرچہ اس پر بشریت ایک طرح کا ستر اور پردہ بن گئی تھی۔ اور پہلی نورانیت اور ضیاء پاشی وقتی طور پر پس پردہ چلی گئی، لیکن اس قدر مغلوبیت بھی طاری نہیں ہوئی تھی کہ بالکلیہ غفلت

اور لاعلمی اور بے خبری اور بے شعوری والی کیفیت لاحق ہو جاتی تو یہ وحی خفی اور کشف صادق اس نبوت روحانیہ کا ثمرہ اور نتیجہ تھا نہ کہ یہاں عالم اجسام میں نئی نبوت آپکو عطا ہو گئی تھی۔ اس لئے محل نزاع میں اس قول سے استدلال کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہو سکتی۔

بحث اس نبوت میں ہے جس سے لوگوں کے رشد وہدایت اور فلاح ونجات کا سامان ہو نہ کہ خود اس شخصیت کی تربیت وتہذیب اور تزکیہ وتطہیر مطلوب ہو، ایسی نبوت یا ولایت میں عند الناس کیا فرق ہو سکتا ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ عنہ نے فرمایا:

والاظهر انه صلى الله عليه وسلم كان وليا ثم صار نبيا ثم صار رسولا

(مرقاۃ)

"زیادہ ظاہر اور واضح امر یہی ہے، کہ عالم اجسام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ولی تھے، پھر مقام نبوت پر فائز ہو گئے، بعد ازاں منصب رسالت پر فائز ہو گئے"

عذر لنگ:

مرقات والی عبارت سے خلاصی کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ شرح فقہ اکبر بعد میں لکھی گئی اور مرقات پہلے لکھی گئی، لہذا مرقات کی عبارت گویا منسوخ ہو گئی۔ لیکن یہ معاملہ عقیدہ سے متعلق ہے نہ کہ اعمال جوارح سے۔ اور عقائد میں نسخ کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا؟ نیز کیا بے ادبی اور گستاخی بھی منسوخ ہو جاتی ہے؟ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب علامہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ نظریہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل ولایت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اس وقت کیا ملا علی قاری مسلمان تھے یا کافر؟ سنی تھے یا دیگر فرق باطلہ میں داخل تھے؟ اگر وہ نہ کافر تھے نہ ضال ومضل اور نہ دیگر فرق باطلہ میں داخل ہوئے تو دوسرے کسی شخص کو بھی اس مسئلہ کی بنا پر تکفیر وتفسیق اور کا ہدف بنانے اور کسی کو سنیت سے خارج کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے اور جب اکابر کا ہی اس معاملہ میں

اختلاف ہے تو زیادہ سے زیادہ ان میں سے کسی ایک فریق کے حق میں خطأ اجتہادی کا ہی قول کی کیا جاسکتا ہے۔ یا یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس کی رائے وزنی اور راجح ہے کس کی مرجوح اور غیر وزنی ہے، اس سے تجاوز کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ابتدائے ولادت سے نبوت والے نظریہ کی حیثیت:

قابل غور امر یہ ہے کہ اگر اس عرصہ والی نبوت پر ایمان لانا اتنا لازم اور ضروری تھا تو سید عالم ﷺ کو خود بخود اس کا دعویٰ کرنا لازم تھا۔ جیسے کہ چالیس سال بعد والی نبوت کا دعویٰ بھی فرمایا اور اس پر معجزات کے ذریعے دلائل بھی قائم فرمائے۔ لیکن ولادت پاک سے چالیس سال تک کے عرصہ والی نبوت کے متعلق کوئی دعویٰ نہ فرمایا اور نہ اس پر دلائل قائم فرمائے یہ تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سوال کر دیا تو آپ ﷺ نے جواب میں اس امر کا انکشاف فرما دیا اگر وہ سوال نہ کرتے اور نہ ہی ان پر اس بارے میں سوال کرنا لازم اور ضروری تھا تو پھر ہمارے ایمان واسلام میں کوئی نقص اور خلل لازم آتا؟

ناطقہ سر بگریباں ہے......

جہاں قطعی نصوص سے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بچپن سے نبی ہونے کا ثبوت مل سکتا ہے وہاں بھی مستقبل میں اس منصب کے عطا ہونے کے قائلین پر بوجہ مؤول ہونے کے ایسا کوئی فتویٰ صادر نہیں ہو سکتا ہے، تو اخبار آحاد سے ثابت ہونے والے ایک نظریہ میں اختلاف کرنے والوں اور تاویل کرنیوالوں پر ایسے فتوے لگانے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اور بالخصوص ان پر جو عالم ارواح میں بھی بالفعل نبوت کے قائل ہوں اور صرف دونوں جہانوں کے احکامات میں تفرقہ کے قائل ہوں؟؟؟

''سیالوی صاحب'' کے کلام میں باہم تعارض کا توہم:

تنویر الابصار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت روحیہ کا تسلسل کے طور پر ثبوت وتحقق تسلیم کیا ہے۔ اور بعد میں چالیس سال بعد نبوت کا حصول تسلیم کیا ہے لہذا دونوں طرح کی عبارتوں میں تعارض آ گیا۔

جواب، (۱):

سیالوی درویش اس روحانی نبوت کے منعدم یا مسلوب ہو جانے کا العیاذ باللہ قائل نہیں ہے فقط روح مجرد اور بدن سے روح کے تعلق اور اس میں حلول کی صورت میں ایک گونا تفاوت کا قائل ہے۔ کیونکہ بدن کچھ نہ کچھ حجاب ضرور بن جاتا ہے۔ نیز عالم ارواح کی نبوت کو الگ اور عالم اجسام کی نبوت کو احکام واعمال کے لحاظ سے مختلف مانتا ہے اور وہ بھی اکابر کی اتباع میں جو فریقین کے مسلم مقتداء ہیں اور ان کی تصریحات بندہ نے اپنی کتاب تحقیقات العلماء الاعلام میں درج کر دی ہیں، مطالعہ فرمائیں۔

۲) نیز علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی عبارات میں تعارض دور کرنے کی صورت نظر آ گئی تو سیالوی کی عبارت میں اس طرح کی توجیہ اور تاویل نہیں ہو سکتی تھی۔ العلوم تتزاید یوما فیوما کیونکر نظر انداز ہو گیا؟ اور وقت کی تقدیم وتاخیر بھی ملحوظ نہ رہ سکی یہ امر منصف علماء کی شان سے بعید اور بہت بعید ہے۔

۳) نیز بندہ نے تنویر الابصار کا حوالہ اس لیے دیا تھا کہ بندہ اس حدیث پاک کو اپنے ظاہری معنی ومفہوم پر محمول کرتے ہوئے ہزاروں سال کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ارواح میں بالفعل نبی تسلیم کرتا ہے اس میں عالم عناصر کی حیثیت سے تعرض نہیں تھا۔ کیونکہ مدمقابل دیوبندی مولوی یوسف رحمانی سرے سے اس حدیث اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا

منکر تھا اوران کو اپنے عقل فاتر کی رو سے باطل سمجھتا تھا، کہ ازروئے عقل محال ہے کہ بیٹا پہلے پیدا ہو جائے اور باپ بعد میں پیدا ہو، اس لیے وہاں پر صرف آپ کی عالم ارواح کی یہ خصوصیت ملحوظ خاطر رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی اور روحانی لحاظ سے آدم علیہ السلام پر مقدم ہونا بھی اور ارواح انبیاء علیہ السلام کے لیے بالفعل نبی ہونا بھی مدنظر رہا۔ جبکہ عالم عناصر کے معاملے پر شاہ نصیر الدین صاحب کے ساتھ مباحثہ پر تبصرہ کرنا پڑا۔

۴) ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی پہلی عملی اور بالفعل روحانی نبوت اور چالیس سال بعد دائمی، ابدی اور لازوال نبوت عطا ہو جانے پر درمیانی چالیس سال کا عرصہ کیا حیثیت رکھتا تھا؟ تو اس کو العلیل کالمعدوم کے حیز واحاطہ میں رکھتے ہوئے تعرض کی ضرورت بھی نہیں، اور اسی باطنی اور روحانی استعداد وصلاحیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس عرصہ کی نبوت کو بالقوۃ سے تعبیر کر دیا گیا۔

اگر پہلی نبوت کو مسلوب اور معدوم مانا جاتا تب اس توہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی۔ وامالیس فلیس۔ فتدبر حق التدبر۔

تتمہ بحث

از صاحبزادہ علامہ غلام نصیر الدین سیالوی زید مجدہ

حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال: رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ:

ان تمام حوالہ جات میں ''بعثت'' سے مراد اعطائے نبوت ہے نہ اظہار نبوت، اسی کو علمائے کرام کبھی ''بُعِثَ'' سے اور کبھی ''نُبِّیَ'' سے تعبیر فرماتے ہیں:

(۱) حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ابن عساکر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے خواب دیکھا۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۲۴)

(۲) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (مستدرک جلد ۳ ص ۳) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تیرہ سال ٹھہرایا''

یہ تو بدیہی بات ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں ۵۳ سال جلوہ گر رہے پھر اس قول کا یہی معنی لینا پڑے گا کہ نبوت کی حالت میں آپ مکہ میں تیرہ سال رہے۔ اس کا واضح مطلب یہی بنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت حاصل ہوئی۔

(۳) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مستدرک جلد دوم ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس

اثر کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ اارشاد:

امام حاکم نے (مستدرک جلد دوم ص ۶۶۷) میں نقل فرمایا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی''

(۵) حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

امام سیوطی نے خصائص کبرای میں نقل فرمایا کہ حضرت سیدنا زید بن حارثہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے بعد میں نے کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا حتیٰ کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا (خصائص کبریٰ جلد اول ص ۹۰)

اس اثر کو امام حاکم اور علامہ ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد:

سیرت حلبی ہمیں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی (سیرت حلبیہ جلد اول)

(۷) حضرت عبداللہ ابی الحمساء کا ارشاد:

حضرت کا ارشاد ابوداؤد شریف اور خصائص کبریٰ اور دیگر کتب حدیث کے اندر موجود ہے انہوں نے فرمایا

''میں نے سرکار علیہ السلام سے آپ کو نبوت ملنے سے پہلے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا''

(۸) حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد:

بخاری شریف اور مسلم شریف اور سیرت حلبیہ میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نبی پاک ﷺ کی نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی"

دیگر بزرگان دین کے اقوال:

(۹) حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

جب تک نبی پاک ﷺ پر وحی نہیں آئی تھی تو سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی کی خلعت پہنائی اور آپ کو اپنی محبوبیت والے مقام پر فائز فرمایا تو سب لوگ آپ کے مخالف ہو گئے (کشف المحجوب ص:۵۰)

تو نبی پاک ﷺ اگر وقت ولادت سے ہی نبی ہوں تو پھر حضرت داتا صاحب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا۔

(۱۰) حضرت امام ابن ھمام کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مسایرہ میں فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک ﷺ کے وہ خوارق جو نبوت سے پہلے صادر ہوئے ان کو ارہاص کہا جائے گا معجزہ نہیں کہا جائے گا مثلاً پتھروں کا سرکار ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرنا"۔

(مسایرہ ص ۲۲۳ اسی طرح کی عبارت اس کی شرح مسامرہ میں بھی موجود ہے)

(۱۱) علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مجمع البحار (جلد۵ ص۲۲۲) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی اور

یہ نبوت سے پانچ سال پہلے کی بات ہے"

(۱۲) صاحب نور الابصار کا ارشاد:

حضرت نور الابصار کے صفحہ ۱۲ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جب سرکار علیہ السلام کی عمر چالیس برس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا"

(۱۳) حضرت شیخ اکبر ابن عربی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"نبی وہ ہوتا ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور وہ وحی احکام شرعیہ پر مشتمل ہو"

(فتوحاتِ مکیہ جلد اول ص ۲۰۳)

(۱۴) امام شعرانی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب کشف الغمہ (جلد دوم ص ۲۳۵) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جب سرکار علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا"

(۱۵) امام جلال الدین سیوطی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب خصائص کبریٰ (جلد اول ص ۹۳) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک ﷺ چالیس سال کی میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اسی طرح کی عبارات ص ۹۲ ص ۹۷ ص ۹۸ اور ص ۸۹ پر بھی موجود ہیں۔ نیز امام سیوطی اپنی کتاب اتقان (جلد اول ص ۴۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"نبی پاک علیہ السلام چالیس سال کے بعد نبوت کے منصب سے سرفراز ہوئے"

(۱۶) علامہ خفاجی کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''نبی کریم ﷺ کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی''

(نسیم الریاض جلد دوم ص ۹۴)

اسی طرح کی عبارات نسیم الریاض جلد چہارم ص ۴۵ پر بھی موجود ہیں

(ملاحظہ ہو نسیم الریاض جلد چہارم ص ۴۵ تا ۴۸)

(۱۷) علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مطالع المسرات (ص ۲۱۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''جبرائیل علیہ السلام سرکار ﷺ کے لیے وحی اور نبوت لے کر آئے''

اور اسی کتاب کے ص ۲۴۷ پر لکھتے ہیں کہ:

''بعثت سے پہلے جو خوارق ظاہر ہوئے وہ کرامات ہیں''

(۱۹،۱۸) امام بوصیری اور ملا علی قاری علیہما الرحمہ کا ارشاد:

حضرت اپنے معروفِ عالم قصیدہ بردہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

سرکار علیہ السلام کو سچے خواب اس وقت شروع ہوئے جب نبوت کا زمانہ قریب آیا اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز چالیس سال کے بعد ہوا''

(زبدہ شرح قصیدہ بردہ ص ۱۸۲ اور اسی طرح علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا)

(۲۰،۲۱) علامہ ابن عبد البر اور علامہ تقی الدین مقریزی رحمہما اللہ کا ارشاد:

علامہ ابن عبد البر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا اور جو اس بات کے قائل ہیں ان میں حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت قباث بن اشیم، حضرت محمد بن جبیر بن مطعم، حضرت سعید بن مسیب، حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں"

(الاستیعاب جلد اول ص ۲۴ طبع بیروت)

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"یہی قول اہل علم اور اہل سیر اور محدثین کے نزدیک صحیح ہے" (یعنی تینتالیس سال والا قول صحیح نہیں ہے)

اور علامہ تقی الدین مقریزی نے اسی سے ملتی جلتی بات اپنی کتاب امتاع الاسماع (جلد اول ص ۲۰) پر تحریر فرمائی ہے۔

(۲۲) حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

مشہور صوفی اور نقشبندی بزرگ اپنی کتاب نقد النصوص فی شرح الفصوص کے (ص ۱۲۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ہر نبی کو نبوت چالیس کے بعد ہی ملتی ہے اور عیسٰی علیہ السلام نے پنگھوڑے کے اندر چالیس سال کے بعد ملنے والی نبوت کی خبر دی"

(کیا ہمارے مہربان امام بوصیری اور علامہ جامی رحمہم اللہ سے زیادہ عاشق ہیں یا ان صحابہ کرام سے زیادہ سرکار علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں جنہوں نے چالیس کے بعد نبوت ملنے کا قول کیا)

(۲۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب ازالۃ الخفاء (جلد اول ص۲۷۶) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے بعد نبوت عطا ہوئی اور اس کتاب کے (ص ۵۱ پر) تحریر فرماتے ہیں کہ جب جبرائیل امین علیہ السلام کسی نبی کے دل پر وحی لے کر اتریں تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ اللہ نے فلاں کو نبی بنا دیا اور اس کو تبلیغ احکام کا پابند کر دیا''

(۲۴) امام اہل سنت حضرت الشاہ امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ (جلد۱۰ص ۶۴۸) نیز (جلد۴ص ۶۵۸ طبع قدیم) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا جبرئیل علیہ السلام ۲۷ رجب کو پیغمبری لے کر آئے''

(اور یہ متفقہ امر ہے کہ جبرائیل علیہ السلام چالیس کے بعد وحی لے کر حاضر ہوئے)

(۲۵) مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی کا ارشاد:

حضرت تفسیر نعیمی (جلد سوم ص۲۲۷) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا اسی وقت ہوئی جب سورۂ علق کی پہلی آیت اقرء باسم ربک نازل ہوئی''

(اب یہ واضح امر ہے اقرء باسم ربک چالیس سال کے بعد نازل ہوئی)

مواعظ نعیمیہ (ص ۷ اور ص ۹) پر یہی مضمون تحریر ہے۔

(۲۶) حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فیوض الباری شرح صحیح بخاری (جلد اول ص ۷۹) پر ارشاد فرماتے ہیں (پہلی وحی کی تشریح کرتے ہوئے):

''ابتدائی مرحلہ میں نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے نبھانے کے متعلق حضور کو عارضی فکر ہو جانا قدرتی تھا اس وقت کے حالات کو ذہن میں لائیے کہ آپ کو نبی بنایا گیا آپ ﷺ تن تنہا ہیں''

حضرت کچھ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:

''نبی کو نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا شان نبوت کے خلاف نہیں ہے''

اور اسی کتاب کے (ص ۸۰) پر ارشاد فرماتے ہیں:

''اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لیے باقتضاء بشریت خوف و اضطراب میں مبتلا ہو جانا منافی شان نبوت نہیں ہے''

اسی کتاب کے (ص ۴۳) پر ارشاد فرماتے ہیں:

''نبی ہونے کے لیے وحی ہونا ضروری ہے''

اور ص ۶۸ پر ارشاد فرماتے ہیں ''وحی نبوت کے مترادف ہے''

نوٹ (حضرت تو نبوت اور وحی کو مترادف قرار دے رہے ہیں یہ علیحدہ امر ہے کہ آجکل وحی کے ذریعے نبوت ماننا کفر کے مترادف ہے)

(۲۷) حضرت علامہ منظور احمد فیضی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مقام رسول میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''نبی پاک ﷺ ولادت کے وقت سے لے کر نبوت ملنے تک اکابر عارفین کاملین میں سے تھے'' (مقام رسول ص ۲۴۱)

(۲۸) حضرت قبلہ غزالی زمان علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت مقالات کاظمی جلد اول ص ۸۱ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"قریش آپ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے"

مزید اسی صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ورقہ بن نوفل نے کہا کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے"

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہوئے آپ کو خلوت محبوب ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز رہتے اور نبوت سے چھ ماہ قبل ہی سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے کہ ایک دن اچانک ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ دوشنبہ کے دن جبرائیل علیہ السلام سورۂ علق کی شروع کی آیتیں آپ پر لائے اور آپ مشرف بہ نبوت ہوگئے"

یہی مضمون سیر اعلام النبلاء (جلد اول ص ۴۵) پر موجود ہے۔ سیرت ابن ہشام (ص ۱۵۲) الروض الانف (ص: ۱۵۲ جلد اول)، سیرت حلبی (جلد اول ص ۱۰۲)، سبل الھدی والرشاد (جلد دوم ص ۲۲۵) وغیرہ میں اسی مضمون کی عبارات موجود ہیں۔

(۲۹) حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری (ص ۴۲) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں جانا صرف قرب الٰہی کے لیے تھا نبوت حاصل کرنے کے لیے نہیں تھا کیوں کہ نبوت کسبی نہیں ہے محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے"

(یہی عبارت مدارج النبوت میں بھی موجود ہے)

(۳۰) علامہ نور بخش توکلی کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب سیرت رسول عربی (ص ۴۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب سرکار علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز فرمادیا جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ پر سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے''

(۳۱) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا ارشاد:

حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اولیاء میں سے جس پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوت خلق کا کام لیا جائے تو انہیں نبوت کے مقام پر فائز فرمایا اور یہ کام ان سے لیا اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقام ولایت کی انتہاء مقام نبوت کی ابتدا ہے'' (فوائد حضرت بندہ نواز ص ۱۰۲)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ اول ولایت کے درجہ پر پوری طرح سرفراز نہ ہوا ہو پہلے ولایت ملی ہے اس کے بعد نبوت کی دولت نصیب میں آئی ہے''

(اسی طرح کا مضمون امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد ۲۵ زیر آیت ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان تحریر فرمایا ہے)

(۳۲) امام احمد رضا بریلوی کا ایک اور ارشاد:

حضرت اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ شریف (طبع کراچی جلد نہم ص ۷۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب سرکار علیہ السلام پر وحی سے پہلے امر اور نہی ہی نہیں وارد ہوا تھا تو آپ ﷺ سے گناہ کس طرح ہو سکتا تھا اور گناہ مخالفت فرمان کا نام ہے جب فرمان نہ تھا تو پھر مخالفت کس طرح متصور ہو سکتی ہے''

نوٹ:

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سرکار علیہ السلام بچپن سے نبی ہوں لیکن آپ پر امرونہی وارد نہ ہو حالانکہ شرح عقائد، شرح مواقف، نبراس، المعتقد المنتقد میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کی تبلیغ کے پابند ہوتے ہیں جب امرونہی کا ورود ہی نہ ہو تو تبلیغ کے پابند کیسے ہونگے؟

نوٹ: اعلیٰ حضرت نے یہ عبارت شفا شریف اور نسیم الریاض شرح شفاء للقاری سے نقل کی ہے۔

(۳۴) علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فلاسفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ آسمان سے جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے سے نہیں ملتی جبکہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ جرائیل علیہ السلام کے وحی لانے سے ہی ملتی ہے" (ص:۱۰۳)

اسی کتاب کے (صفحہ ۱۰۵ پر) ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"شیخ عز الدین ابن سلام نے فرمایا کہ نبوت وحی کا نام ہے"

مزید اسی صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"نبوت اللہ کی وحی کو سننے کا نام ہے فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا بلا واسطہ"

اور ۱۲۴ صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ارباب بصائر نبی پاک علیہ السلام کی نبوت پر دو طریقوں سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے وہ حالات جو نبوت سے پہلے تھے اور وہ صفات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے پہلے عطا فرمائی جن کی وجہ سے کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

طعن نہیں کر سکتا تھا"

اس عبارت میں قبل از نبوت کے الفاظ موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کا حاشیہ بھی لکھا ہے لیکن آپ نے اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ اس کی تائید فرمائی ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد کا حوالہ بھی دیا۔

نوٹ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اثبات النبوۃ کے (صفحہ ۱۰) پر یہی عبارت شرح عقائد سے نقل فرمائی ہے اور اسی مضمون کی عبارات مسایرہ، مسامرہ، شرح عقائد جلالی اور شرح مقاصد وغیرہ میں موجود ہیں۔

(۴۴) حضرت صدر الشریعہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب بہار شریعت (جلد اول ص ۱۰) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"نبی ہونے کے لیے اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت یا بلاواسطہ"

مزید فرماتے ہیں کہ:

"انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں"

اور ص ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ:

"نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو"

نوٹ:

مقام غور یہ ہے کہ ہمارے اکابر تو فرمائیں کہ نبوت کا ثبوت وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے مہربان فرماتے ہیں کہ جو وحی سے پہلے نبوت نہ مانے وہ کافر ہے اور وحی سے پہلے نبوت نہ ماننے والا نبوت کا ہی منکر ہے اب حضرت صدر الشریعہ پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا؟

(۳۵) علامہ نور محمد قادری کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مواعظ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عمر تئیس ۲۳ سال ہے''

حضرت نے یہ عبارت جذب القلوب سے نقل فرمائی جو حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

(۳۶) حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان گجراتی علیہ الرحمہ کا ارشاد:

حضرت اپنی مشکوۃ شریف کی شرح مرآۃ میں حضرت ابن عباس کے قول بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاربعین سنۃ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چالیس کی عمر میں مبعوث ہوئے یعنی نبی بنے''

(مرآۃ جلد ہشتم ص ۹۱۔ اسی مضمون کی عبارات انہوں نے اپنی کتاب شان حبیب الرحمان ص ۹۱، ص ۹۲، ص ۲۲۰ پر تحریر فرمائی)

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ولادت سے ہی نبی ہونے پر مہر نبوت کو دلیل بناتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ جب سرکار علیہ السلام کی مہر نبوت وقت ولادت سے ہی موجود تھی تو سرکار علیہ السلام وقت ولادت سے ہی نبی ہیں اس کے بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ خصائص کبریٰ (جلد اول ص ۹۷ پر) امام سیوطی نے تحریر فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آئے تو اس وقت سرکار علیہ السلام کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر ثبت کی مزید گزارش یہ ہے کہ ہم تقریباً دس صحابہ کرام کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت چالیس برس کے بعد عطا ہوئی تو کیا ان کو مہر نبوت کا علم نہیں تھا نیز جن

حضرات نے مہر نبوت والی روایت کو نقل کیا ہے کہ سرکار علیہ السلام پر بوقت ولادت ہی مہر نبوت موجود تھی تو انہوں نے خود اس امر کی بار بار تصریح کی ہے کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی اور کتب سیران تصریحات سے بھری پڑی ہے، تو کیا ان ناقلین کو مہر نبوت والی روایت کا مطلب سمجھ نہ آیا، گزشتہ اوراق میں ہم ایسی عبارات پیش کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ سرکار علیہ السلام کو چالیس برس کے بعد نبوت ملنے پر اجماع ہے تو کیا پوری امت کے علماء اس دلیل سے بے خبر تھے اللہ رب العزت کو مہر نبوت کا علم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿فقد لبثت فیکم عمراً من قبله﴾ ﴿ما کنت ترجوا ان یلقیٰ الیك الكتاب الا رحمة من ربك﴾ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فو الله ما هممت و لا عدت بعد هما لشئی من ذالك حتیٰ اکرمنی الله بنبوته

پس بخدا میں نے نہ ارادہ کیا اس کے بعد کسی ایسی چیز کی طرف (جو لہو ولعب کے قبیل سے ہو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت کیساتھ اعزاز و اکرام بخشا

(خصائص کبریٰ ص ۸۹، شفاء شریف جلد اول ص ۸۰)

امام سیوطی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے امام حاکم نے مستدرک جلد ۴ کتاب التوبہ میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی۔ نیز امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں تصریح فرمائی ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام پر وقت ولادت سے ہی مہر نبوت موجود تھی لیکن ان انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی تو اگر فریق ثانی کی یہ دلیل صحیح ہے تو پھر سارے انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے نبی ماننا پڑے گا حالانکہ پوری امت میں کوئی بھی

اس کا قائل نہیں ہے۔ امام زرقانی علیہ الرحمہ ارشاد فرمایا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو بچپن سے نبی تھے لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ ان کو بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی طرح چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی۔ (زرقانی جلد اول ص ۴۲،۴۴)

ایک اور استدلال کا جواب:

بعض حضرات آیت کریمہ آتیناہ الحکم صبیا پیش کر کے فرماتے ہیں جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو بچپن سے نبوت مل گئی تو سرکار علیہ السلام کو بطریق اولیٰ بچپن میں نبی ہونا چاہیے، اس کے بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ امام سیوطی نے در منثور میں اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور حضرت ابن عباس کا ارشاد نقل فرمایا کہ یہاں حکم سے مراد اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست ہے کیونکہ جب بچوں نے انہیں کہا آؤ مل کر کھیلیں تو انہوں کہا کہ ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے اگر مان بھی لیا جائے کہ حکم سے مراد نبوت ہے تو سیدنا موسیٰ اور سیدنا ابراہیم علیہم السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی ماننا پڑے گا کیوں کہ وہ دونوں حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بالاتفاق افضل ہیں نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن سے نبوت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش بطور خرق عادت ہوئی نبوت بھی ان کو بطور خرق عادت جلدی مل گئی نیز یہ جزوی فضیلت ہے۔

لہذا اگر یحییٰ علیہ السلام بچپن سے ہی نبی ہوں تو ان کا سرکار علیہ السلام سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا نیز ان حضرات کی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں ہی نبوت عطا کی جائے کیوں کہ آپ یحییٰ علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن ہمارے معترضین عالم ارواح میں ملنے والی نبوت کا دوام تسلیم کرتے ہیں اور انقطاع ماننے کو کفر تسلیم کرتے ہیں اور یہاں پر خود اس نبوت کا انقطاع اور نئی نبوت کا حصول ثابت کرنے کے درپے ہیں اور آپ اپنے فتوے کی زد میں ہیں نیز

اگر یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملی ہے تو سرکار علیہ السلام کو سب سے پہلے عالم ارواح میں نبوت ملی ہے جیسے کہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حدیث پاک ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے نبوت کا آغاز بھی مجھ سے کیا اور نبوت کا اختتام بھی میرے اوپر کیا تو کیا ان کے نزدیک اس روحانی نبوت سے آپ کو انبیاء علیہم السلام پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہوئی۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے سرکار علیہ السلام کے بچپن سے نبی ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا حالانکہ اس امر پر تمام محدثین اور سیرت نگار شارحین حدیث اور مفسرین کرام متفق ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو سچے خواب چالیس سال کے بعد دکھائی دینے شروع ہوئے تو یہ تو ہماری دلیل ہے کہ سرکار علیہ السلام چالیس برس کے بعد نبی بنے نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ ساڑھے انتالیس کے بعد سچے خواب شروع ہوئے تو اگر ساڑھے انتالیس سال کے بعد نبوت تسلیم کرنا گستاخی نہیں ہے تو اگر مزید چھ مہینے کا وقفہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ گستاخی کیسے ہو جائے گی۔

امام نووی نے شرح مسلم (جلد اول ص ۸۸ پر) اعلیٰ حضرت کے والد گرامی مولانا نقی علی خان نے اپنی کتاب انوار جمال مصطفیٰ (ص ۱۱۲) پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر سرکار علیہ السلام کو پہلے سچے خواب نہ دکھائے جاتے اور اچانک صریح نبوت آجاتی تو آپ ﷺ برداشت نہ کر سکتے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ملا علی قاری کی ایک عبارت شرح فقہ اکبر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ وقت ولادت سے ہی نبی تھے نہ کہ چالیس کے بعد نبوت ملی جیسے کے ایک جماعت کا خیال ہے تو اس بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اسی کتاب میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نبی پاک

ﷺ نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی کفر وشرک اور دیگر کبائر اور صغائر سے معصوم تھے اور ملا علی قاری اپنی آخری کتاب شرح شفاء میں فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے کے بعد حاصل ہوئی اور اس سے پہلے چھ مہینے سچے خواب دکھائے گئے (ملاحظہ ہو شرح شفاء للقاری جلد ۴ ص ۴۷۵ تا ۴۸۲) اس طرح علامہ علی قاری نے شرح شفاء جلد اول پر بھی تحریر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوتے ہیں (ص ۴۸۶)

نوٹ:

حضرت کی عبارت مطلق ہے تمام انبیاء علیہم السلام کو شامل ہے نیز حضرت نے اپنی کتاب جمع الوسائل میں تحریر فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت نے یہ بات حضرت انس کی اس بات کی تشریح کرتے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو چالیس کی عمر میں مبعوث فرمایا نیز مرقاۃ اور زبدہ کی عبارات پہلے پیش ہو چکی ہیں۔ کہ آپ کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی نیز اسی شرح فقہ اکبر کے اندر حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یزید چھٹا خلیفہ تھا اور ان خلفاء میں سے تھا جن کے دور میں دین نے ترقی کی ہمارے ناقدین ملا علی قاری کی اس عبارت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مرقاۃ کی طرف رجوع کرتے ہیں نیز ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے نبی پاک ﷺ کے والدین معاذ اللہ مسلمان نہیں تھے ہمارے ناقدین اس عبارت کے جواب میں ملا علی قاری صاحب کی آخری کتاب شرح شفاء کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ ان کی آخری کتاب ہے لہذا اسی کا اعتبار ہوگا تو کیا ہم ان سے اس مقام پر اس انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں بھی انکی آخری کتاب کے حوالے کو ہی معتبر اور مستند سمجھیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے آیت کریمہ

ما کنت تدری مالکتاب ولاالایمان کی تفسیر کرتے ہوئے لکھی ہے کہ سرکار علیہ السلام پر ہر آن میں ایک طرح کی وحی ہوتی تھی اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ بخاری شریف میں باب بدء الوحی موجود ہے جب صحیح بخاری شریف کے اندر وحی کا آغاز چالیس سال کے بعد تسلیم کیا گیا تو پھر بخاری شریف کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

مزید گزارش یہ ہے کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ خود اس آیت ما کنت تدری مالکتاب و لا الایمان کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے پہلے نبی نہ تھے۔

اسی طرح کی عبارت تفسیر جمل کے اندر موجود ہے مزید علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے پہلے گمراہ نہیں ہوئے اور نبوت سے قبل بھی سرکار علیہ السلام گمراہی سے معصوم تھے تو نبوت کی گھٹی ملنے کے بعد اور نبی بنائے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ کس طرح ہو سکتے ہیں (زیر آیت ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی)

اور آپ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کی نبوت کا آغاز غار حرا میں ہوا نیز آیت کریمہ الم نشرح لک صدرک کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کا شق صدر پایا جانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارہاص ہے ارہاص نبوت سے پہلے ہو سکتا ہے۔

(روح المعانی پارہ نمبر ۳۰)

نیز علامہ آلوسی نے آیت کریمہ حتیٰ اذا بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی۔ نیز علامہ آلوسی کی جو عبارت ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام پر ہر وقت وحی آتی تھی تو اس وحی سے مراد وحی الہام ہے۔ کیونکہ المعتقد المنتقد میں تصریح ہے کہ وحی دو قسم کی ہے وحی نبوت اور وحی الہام۔ تو روح المعانی کی عبارت میں وحی سے مراد وحی الہام ہے اور الہام

اولیاء کرام کی طرف ہوتا ہے تو روح المعانی کی عبارت ہماری دلیل تھی نہ کہ ہمارے مخالفین کی۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبوت کی تقسیم کرنا بالقوہ اور بالفعل کی طرف یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پہلے نبوت کی صلاحیتیں رکھی جاتیں ہیں اور ان کے اندر نبوت کی استعداد کامل طور پر موجود ہوتی ہے اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے تو اگر یہ تقسیم کرنا جسارت ہے تو یہ جسارت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی کی ہے۔ سچے عشق رسول کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ لگایا جائے جو دیگر مخالفین پر لگایا جاتا ہے۔

نبوۃ بالقوۃ اور نبوۃ بالفعل کے بارے میں امام بیضاوی کا نقطۂ نظر:

بالقوۃ اور بالفعل کی تقسیم کے بارے میں جلیل القدر مفسر، امام بیضاوی علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر بھی ملاحظہ ہو:

انی جاعل فی الارض خلیفه کے تحت فرماتے ہیں:

الا تری ان الانبیاء لما فاقت قوتهم واشتعلت قریحتهم بحیث یکاد زیتها یضیئ ولولم تمسسه نار ارسل الیهم الملائکة ومن کان منهم اعلی رتبة کلمه بلا واسطة کما کلم موسی علیه السلام فی المیقات ومحمدا صلی اللہ علیہ وسلم لیلة المعراج

"کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیائے کرام علیہم السلام کی قوت فائق ہو جائے اور ان کی طبیعت مشعل نور بن جائے اس حد تک کہ اس میں جلنے والا زیتون خود بخود روشن ہو جائے اگر چہ اس کو آگ نہ چھوئے تب اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملائکہ کو بھیجتا ہے اور جو ان میں اعلیٰ رتبے والے ہوں تو ان سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ میقات میں اور محمد کریم علیہا

السلام کے ساتھ شب معراج میں براہِ راست کلام فرمایا"

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہماری وہابیوں کے ساتھ موافقت ہو جائے گی۔ تو اس بارے میں گزارش یہ ہے علامہ پرہاروی نے نبراس کے اندر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی بحث کرتے ہوئے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ انبیا کو معصوم سمجھنا تو شیعہ کا عقیدہ ہے ارشاد فرمایا اہل سنت کا مقصد دلائل کی اتباع ہے نہ کہ شیعہ کی موافقت اور اتفاقی موافقت میں کچھ حرج نہیں۔ یہی گزارش ہم بھی کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی دلائل کی اتباع ہے نہ کہ وھابیہ دیوبندیہ کی موافقت۔ نیز جن حضرات کے ہم نے حوالہ جات بیان کیے ہیں وہ مدرسہ دیوبند کے وجود میں آنے سے پہلے کے ہیں بعض حضرات یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تو مودودی کا عقیدہ تھا تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے جن حضرات کے اقوال ہم نے پیش کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی جماعت اسلامی کا رکن نہیں ہے۔ مزید گزارش یہ ہے عقائد کا دارومدار دلائل شرعیہ پر ہوتا ہے نہ کہ کسی باطل فرقہ کی ضد پر۔ نیز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب استمداد (ص ۱۵۰) پر وھابیہ کا عقیدہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ وحی سے پہلے معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد سرکار علیہ السلام کو مومن بھی تسلیم نہیں کرتے جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام وحی سے قبل ولایت کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے تو وہابیہ کے عقیدہ اور ہمارے عقیدہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

امام رازی علیہ الرحمہ کا موقف:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام رازی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے نبی تھے مگر رسالت بعد میں ملی۔

ہمیں امام رازی کا یہ قول ان کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ جو کچھ ہمیں ان کی کتب میں ملا ہے وہ ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

ماضل صاحبکم کی تفسیر میں امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

ای ما ضل حین اعتزلکم وما تعبدون فی صغرہ۔وما غوی حین اختلی بنفسہ ورای منامہ ما رآی وما ینطق عن الھوی الآن حیث ارسل الیکم وجعل رسولا شاھدا علیکم۔

"یعنی نہ گم راہ ہوئے جب کہ اپنی نوعمری میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے الگ تھلگ رہے، اور نہ بھٹکے جب خلوت گزیں ہوئے اور خواب میں دیکھا جو دیکھا، اور خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے اب جب کہ تمہاری طرف مبعوث ہوئے اور تم پر گواہ اور حاضر وناظر رسول بنائے گئے"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فانہ صلی اللہ علیہ وسلم انتھی وبلغ الغایۃ وصار نبیا کما صار بعض الانبیاء نبیا یأتیہ الوحی فی نومہ وعلی ھیئتہ (ص:238)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتہائے کمال کو پہنچے اور منصب نبوت پر فائز ہوئے جیسا کہ دوسرے حضرات اس منصب پر فائز ہوئے، ان پر حالت نیند میں اور دیگر احوال میں وحی نازل ہوتی رہتی ہے"

آیہ مبارکہ حتی اذا بلغ اشدہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث عند الاربعین (جلد 10 ص:19)

"آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے"

آیہ مبارکہ وآتیناہ الحکم صبیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت عیسی اور حضرت یحیی علیہما السلام تو بچپن میں مبعوث ہو گئے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسی علیہ السلام چالیس سال کے بعد مبعوث ہوئے۔

آیہ مبارکہ الذی انقض ظھرک کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ان المراد من الوزر والثقل الحیرۃ التی کانت لہ قبل البعثۃ وذلک انہ بکمال عقلہ لما نظر الی عظیم نعم اللہ تعالی حیث اخرجہ من العدم الی الوجود واعطاہ الحیاۃ والعقل وانواع النعم ثقل علیہ نعم اللہ وکاد ان ینقض ظھرہ من الحیاء لانہ ﷺ کان یری ان نعم اللہ لا تنقطع وما کان یعرف انہ کیف کان یطیع ربہ فلما جاءتہ النبوۃ والتکلیف عرف انہ کیف ینبغی لہ ان یطیع ربہ (ج11 ص:208)

"وزر اور ثقل سے مراد وہ حیرت تھی جو بعثت سے قبل آپ کو دامن گیر ہوئی کیوں کہ آپ نے کمال عقل سے جب اللہ تعالی کی نعمتوں کو ملاحظہ فرمایا کہ اس نے (مجھے) عدم سے وجود کی طرف منتقل کیا، زندگانی اور عقل وفہم کی دولت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں تو یہ نعمتیں (ادائے شکر کے اعتبار سے) بڑی عظیم اور گراں بار محسوس ہوئیں اور قریب تھا کہ کما حقہ شکر ادا نہ کر سکنے کے شرم وحیاء سے آپ کی کمر دولخت ہو جائے، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ نعمتیں دائم اور باقی ہیں جب کہ اللہ تعالی کی اطاعت کی تفصیلات سے آپ آگاہ نہیں تھے، جب آپ کو نبوت ملی اور احکام تکلیفیہ نازل ہوئے تو آپ نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالی کی اطاعت کیسے کرنی ہے"

اگر امام رازی کے تمام اقوال کا استیعاب کیا جائے تو ایک پورا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

شفا شریف کی عبارات:

شفا شریف کا موضوع ہی فضائل محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا بیان ہے، آیئے اس کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وقد کانو یسمونہ قبل النبوۃ الامین (ج1 ص:18)

(۲) وقصد لما قصد انما کان قبل لقاء جبریل علیھم السلام وقبل

اعلام الله تعالی له بالنبوة واظهاره واصطفائه له بالرسالة (ج2 ص:86)

(۳) وتترادف نفحات الله علیهم وتشرق انوار المعارف فی قلوبهم حتی یصلوا الی الغایة ویبلغو ابا صطفاء الله تعالی لهم بالنبوة (ج:1 ص:58)

مزید ملاحظہ ہو:

شفاء جلد اول ص:11,78,155

جلد دوم:ص:96,97,152,85,78,95,242

تفسیر اعراب القرآن میں زیر آیہ حتی اذا بلغ اشدہ تصریح فرمائی کہ نبی کریم کو چالیس سال کے بعد نبوت عطا ہوئی۔ (ج13 ص:184)

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ چالیس سال سے پہلے نبی تو تھے مگر تبلیغ اس لیے نہیں فرمائی کہ آپ کو اللہ تعالی کا حکم نہیں تھا۔

شرح عقائد اور المعتقد المنتقد کی قابل فکر تصریح:

ان حضرات کی خدمت میں شرح عقائد اور المعتقد المنتقد کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے:

الانبیاء معصومون مامونون من خوف الخاتمة مکرمون بالوحی ومشاهدة الملك مامورون بتبلیغ الاحکام وارشاد الانام

”انبیائے کرام (گناہوں سے) معصوم ہوتے ہیں، خاتمہ کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا، وحی کے نزول اور فرشتے کو دیکھنے سے مشرف ہوتے ہیں، اور احکام کی تبلیغ اور لوگوں کی رہنمائی پر مامور ہوتے ہیں“

علمائے کلام تو فرماتے ہیں کہ انبیاء تبلیغ پر مامور ہوتے ہیں مگر ہمارے مہربان کچھ اور ہی

فرمارہے ہیں۔اور ہم تو بہرحال اپنے اسلاف کے تابع ہیں۔

ایک اہم شبہ کا ازالہ...... بُعِث اور نُبِّیٔ کا معنی کیا ہے؟

ہمارے بہت سے مہربان یہ فرماتے ہیں کہ جن عبارات میں بعثت کا ذکر ہے اس سے مراد اعلان نبوت ہے نہ کہ اعطائے نبوت۔

ان لوگوں کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی یہ عبارات پیش خدمت ہیں:

فتاوی رضویہ طبع جدید ج10 ص:648پر اعلیٰ حضرت نے ''بعثت'' کا ترجمہ ''اعطائے نبوت'' کیا ہے۔

الامن والعلی میں حدیث مبارکہ''لولم ابعث فیکم لبعث عمر'' کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

''اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر نبی بنا دیے جاتے''

نیز فتاوی رضویہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے بعد کوئی نبی اعلان نبوت نہیں کرے گا یا یہ معنی لیا جائے کہ کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہیں بنایا جائے گا۔

اسی لفظ ''نُبِّیٔ'' کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کتاب ختم نبوت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو نبوت عطا کی گئی ہمارے خیال میں اعلیٰ حضرت کو ان معترضین کی بہ نسبت عربی لغت اور ترجمہ کا زیادہ علم تھا۔

تکملۂ ثانیہ

از عمدۃ العلماء حضرت علامہ صاحبزادہ غلام نصیر الدین سیالوی

(۱) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب عوارف المعارف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شقِ صدر اس لیے کیا گیا تا کہ دل اقدس کا وہ حصہ جس میں شیطان کے وسوسے کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی اور دل میں حسد، بغض اور کینہ وغیرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کو نکال دیا جائے۔ اگر وہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آغاز ولادت سے ہی نبی تسلیم کرتے تو شق صدر کی یہ وجہ کیوں بیان کرتے۔ (عوارف المعارف مترجم، ص 222) کذا فی نسیم الریاض

جلد دوم، ص 244 وص 281، (وکذا فی شرح الشفا للقاری جلد دوم، ص 281)

اس کے بعد انہوں نے پہلی وحی والی حدیث کے ماتحت بھی لکھا ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت اسی وقت عطا ہوئی جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

(۲) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بعثت سے پہلے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خوارق صادر ہوئے۔ وہ کرامات ہین۔ یا اُن کو ارہاص بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ اظہار نبوت کے لئے بنیاد ہیں۔

(نسیم الریاض جلد اوّل، ص 55)

(۳) امام ابوبکر جصّاص کا ارشاد:

حضرت اپنی مشہور عالم کتاب ''احکام القرآن'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بادلوں کا سایہ کرنا یا باقی خوارق کا صادر ہونا یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارہاصات ہیں۔ کیونکہ یہ بعثت سے پہلے واقع ہوئے۔

(احکام القرآن جلد دوم، ص 12)

حضرت اپنی اسی تصنیف میں آیت کریمہ والرّجز فاھجر (:) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی دونوں حالتوں میں بتوں کی پوجا سے محفوظ اور معصوم تھے۔ (تفسیر احکام القرآن جلد ثالث)

(۴) قاضی ابوبکر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب تفسیر احکام القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی۔ (حوالہ؟)

(۵) علامہ خطیب شربینی کا ارشاد:

حضرت اپنی تفسیر سراج منیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ السلام کو چالیس برس کی عمر میں نبی بنایا گیا۔

(زیر آیت ”حتی بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ“)

(۶) علامہ قرطبی کا ارشاد:

حضرت اپنی مسلم شریف کی شرح المفہم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ابو طالب نبی پاک علیہ السلام سے ہمیشہ محبت کرتے رہے اور حفاظت کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

(المفہم شرح مسلم، ص192)

اور اسی کتاب کے صفحہ 374 پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اللہ رب العزت نے پہلے آپ علیہ السلام کو آوازیں سنوائیں اور پتھروں سے اور درختوں سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کہلوایا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو نبوت کے ذریعے عزت دینے کا ارادہ فرمایا تھا تاکہ یہ چیزیں اُس کی تمہید بن جائیں اور آپ کو عالم ملکوت سے اُنس حاصل ہو جائے۔

اسی کتاب کے ص318 پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد فرمانا خشیت علی نفسی یہ نبوت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے تھا کہ میں نبوت کے فرائض کس طرح سرانجام دوں گا اور بارِ نبوت کو کس طرح اُٹھاؤں گا۔

نوٹ: یہ امام قرطبی صاحب تفسیر امام قرطبی کے اُستاذ ہیں، رحمہما اللہ۔

(۷) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب معرفة علوم الحدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:
اس امر پر پوری امت کے علماء متفق ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ (معرفة علوم الحدیث، ص202)

(۸) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب نسیم الریاض (جلد دوم ص14) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:
بعثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبی اور رسول بنا دے۔ اُن کے اصل الفاظ اس طرح ہیں۔ حتی من اللہ علی بالبعثة و جعلنی نبیا رسولا۔

(کذافی شرح الشفاللقاری ص114)

(۹) حافظ ابن کثیر کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب البدایہ والنہایہ (جلد دوم ص164) پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:
اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔

(۱۰) علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب سیرت حلبی میں ارشاد فرماتے ہیں البعثة عبارة عن النبوة
نیز صحیح مسلم شریف میں بعثت کے الفاظ تھے، علامہ حلبی نے بعثت کا ترجمہ نبوت کے ساتھ کیا یعنی مجھے نبی بنایا گیا۔

(۱۱) علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت نے اپنی کتاب لطائف المعارف میں حدیث پاک اس طرح نقل کی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

فیہ ولدت وفیہ انزل علیَّ النّبوۃ

اب ظاہر امر ہے کہ پہلی وحی تو چالیس برس کے بعد نازل ہوئی ہے اُسی سوموار کو تو وحی نازل نہیں ہوئی جس سوموار کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ (جبکہ آپکی روح اقدس کو تو ہزار ہا سال پہلے نبوت حاصل ہو چکی تھی تو اس کو ولادت پر متفرع کیسے کیا جاسکتا تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ علیحدہ نبوت ہے۔)

(۱۲) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت آیۃ کریمہ حم والکتاب المبین انا انزلنہ فی لیلۃ مبارکۃ(:) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام پر وحی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی۔ اور ظاہر امر ہے کہ نبوت کا ثبوت وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ہفتم)

(۱۳) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

تبلیغ دین ہر نبی پر فرض ہے۔ تقیہ کو انبیاء پر جائز رکھنا زندیقت کی طرف لے جاتا ہے۔

(مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر 80)

(۱۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشرہ" میں ارشاد فرماتے ہیں:

اگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نبوت عطا کرے اور تبلیغ کرنے سے منع کر دے تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کسی کو قاضی بنایا جائے اور فیصلہ کرنے سے روک دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ جب لوگ تمہارے سامنے جھگڑا لے کر آئیں تو آپ نے فیصلہ نہیں کرنا، ظاہر امر ہے کہ امر اس کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے اور اگر خود بخود انبیاء تبلیغ نہ کریں تو اللہ کے امر کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور یہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی ہے۔

(تحفہ اثنا عشرہ باب التقیہ، ص 10)

(۱۵) علامہ اُبی مالکی کا ارشاد:

حضرت اپنی شرح مسلم اکمال اکمال المعلم بفوائد المسلم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نبی پاک علیہ السلام کا پہلی وحی کے بعد ارشاد فرمانا خشیت علی نفسی یہ نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے تھا۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو سچے خوابوں کا دکھایا جانا، پتھروں اور درختوں کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پیش کرنا یہ سب نبوت کی تمہید تھی۔ کیونکہ اچانک اگر صریح نبوت وارد ہو جاتی تو نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قوائے بشریہ متحمل نہ ہو سکتے۔

(جلد اوّل، ص 10 کذافی شرح السنوسی علی ہامش اکمال)

(۱۶) امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت ملی کسی کو نہیں ملی''

(ختم نبوت، ص 56)

تنبیہ ضروری اور قابل غور امر:

جو لوگ نبی کریم کو پیدائشی طور پر بالفعل نبی تسلیم کرتے ہیں ان کے لیے دعوتِ فکر ہے

کہ وہ اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور سوچیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کس نبوت کی بات کر رہے ہیں؟ کیا یہ عالم ارواح والی نبوت کی بات ہو رہی ہے یا عالم اجسام والی نبوت کی؟ اگر اس سے مراد عالم ارواح والی نبوت ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جب سے سرکار کی روح اقدس کو عالم ارواح میں نبوت سے ممتاز کیا گیا اس کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملی حالاں کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اس کے بعد ہی نبوت ملی ہے، تو ماننا پڑے گا کہ لامحالہ یہ کسی اور نبوت کی بات ہو رہی ہے اور وہ یہی عالم اجسام والی نبوت ہے جو حکمتِ الٰہیہ کے تحت چالیس سال کے بعد عطا کی گئی۔

نیز ہمارے مخالفین خود غور فرمائیں اگر سرکار علیہ السلام نے اسی نبوت کا اظہار فرمایا ہے جو سب سے پہلے ملی تھی۔ تو پھر آپ آخری نبی کیسے ہو گئے؟۔ ایک آدمی کسی سے سب سے پہلے تعلیم حاصل کرے اور اعلان آخر میں کرے اور ایک آدمی کسی سے سب سے آخر میں تعلیم حاصل کرے تو بدیہی بات ہے کہ آخری متعلم اُس کو کہا جائے گا جس نے سب سے آخری میں تعلیم حاصل کی۔ ہمارے مخالفین جو عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو نبوت سب سے پہلے ملی اور اسی نبوت کا آپ نے چالیس سال کے بعد اظہار فرمایا تو ایسی صورت میں ختم نبوت کا کیا مطلب ہوگا؟

حالاں کہ آیۂ کریمہ "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" کی تفسیر میں ہر مفسر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام سب سے آخر میں اس نشأۃ عنصری میں وصف نبوت سے متصف ہوئے۔ اور مفسرین نے اس اشکال کا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کیوں کر ہوگا جبکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں، جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آخری نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو وصف نبوت نہیں عطا ہو سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سرکار علیہ السلام سے پہلے نبی بنایا گیا۔ لہٰذا اُن کا نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ ان بزعم خویش محققین نے مطالعہ اور کتب بینی کو تو ترک فرمایا ہی ہے، عقل وخرد کو بھی چھٹی دے رکھی ہے، اللھم انا نعوذ بك من الجهل والعناد وسوء الفهم۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی معروف عالم شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فتمم الله عليه النبوة بان ارسل اليه الملك في القيظة وصحة مايوحى اليه فيه تو شما للنبوة و ابتدائها حتى اكمليا الله له في القظة تفضلا من الله تعالىٰ۔

(شرح صحيح البخاری، جلد 1، ص 37)

ترجمہ: پہلے نبی مکرم ﷺ کو سچے خواب دکھائے گئے پھر فرشتہ کو بیداری میں نازل فرما کر آپکی نبوت کی تکمیل فرمادی۔ اور آپ ﷺ پر خصوصی فضل وکرم کا مظاہرہ فرمایا۔

(كذافي الطيبي على المشكوٰة، جلد 11، ص 46)

نوٹ: علامہ طیبی علیہ الرحمہ بلند پایہ محدث اور صاحب مشکوۃ المصابیح کے استاذ ہیں۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بخاری کی شرح میں یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

(كرمانی على البخاری، جلد 1، ص 31، طبع بيروت)

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

لما دنا مبعث رسول الله بالنبوة رسولا والى الخلق بشيرا و نذيرا انتشرفی الامم ان الله تعالىٰ سيبعث نبيا في هذا الزمان۔

ترجمہ: جب نبی مکرم ﷺ کے نبی بنائے جانے کا زمانہ مبارک قریب آیا اور مخلوق کی طرف بشیر ونذیر بن جانے کا زمانہ قریب ہوا تو تمام امتوں میں اس بات کی تشہیر ہوگئی کہ اللہ رب العزت

اس وقت میں ایک نبی مبعوث فرمانے والا ہے۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ جب سرکار ﷺ کا زمانۂ نبوت قریب آیا تو اللہ جل وعلیٰ نے آپکے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ولما جد الامر بالنبوة ودنا وقتها حبب الله تعالیٰ الی رسوله الخلاء بعد اربعین سنة من عمره حین تکامل نهاه واشتد قواه۔

(جواهر البحار، جلد1، ص103,104)

نوٹ: علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ الامام الکبیر احد اعیان العلماء النحاریر وائمتهم المشاهیر اقضی القضاة ابو الحسن الماوردی رضی الله عنه 450

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

انه علیه السلام تحمل التشدیدات والمجاهدات قبل النبوة وبعدها۔

(الحدیقة الندیه، جلد1، ص236)

نبی مکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے اور بعد مجاہدے اور ریاضتیں اختیار فرمائیں۔

اسی کتاب کے ص:289 پر ارشاد فرماتے ہیں:

الانبیاء علیه السلام معصومون عن الکفر قبل النبوة وبعدها

اسی کتاب کے ص:167 پر ارشاد فرماتے ہیں:

اقام النبی علیه السلام یوحی الیه ثلاثا وعشرین سنة۔

اسی کتاب کے ص:30 پر ارشاد فرماتے ہیں:

انما یفترق الحال قبل بلوغه الاربعین

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب مطلع القمرین کے ص:146 پر ارشاد فرماتے ہیں:

''جب سرور عالم ﷺ پر غار حرا شریف میں آیۃ اقرء شریف نازل ہوئی اور حضور انور ﷺ کو فضیلتِ رسالت حاصل ہوئی صدمۂ فشار جبریل اور ہیبت مکرم جلیل سے دلِ نازک ہلتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کو پرواز روح کا خوف ہوا''

نوٹ:

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت میں رسالت کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی درج ذیل آیات مبارکہ میں رسالت اپنے لغوی معنی میں ہے:

وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا (الزخرف:٤٥)

ورسلا قد قصصنا هم عليك من قبل و رسلا لم نقصصهم عليك

(النساء:١٦٤)

كل آمن بالله و ملئكته و كتبه ورسله لانفرق بين احد من رسله

(البقرة:٢٨٥)

كلما جاء هم رسول بما لا تهوى۔ (البقرة:٨٧)

نیز صحیح حدیث جو صحیح ابن حبان اور مستدرک للحاکم میں اہل بیت کی سند سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں حتی اکرمنی الله بنبوته اور شفا شریف ص:80 پر یہ الفاظ بھی ہیں حتی اکرمنی الله برسالته۔ ان آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ کبھی نبوۃ ورسالت ایک ہی معنی میں استعمال ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن سے استدلال:

اعلیٰ حضرت نے آیۃ کریمہ ما کنت تدری ما الکتاب والا الایمان (سورۃ شوریٰ ۵۲) کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''اے محبوب ﷺ تم نزول وحی سے پہلے قرآن کریم اور احکام شرح کی تفصیل نہیں جانتے تھے''

اگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ، سرکار ﷺ کو بچپن سے نبی تسلیم کرتے ہوتے تو آپ یہ ترجمہ نہ فرماتے۔

کیونکہ اعلیٰ حضرت اپنے ترجمۂ قرآن میں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ ہمارے مخالفین کا ادھر تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی سنی صحیح العقیدہ عالم دین کنز الایمان شریف کے ایک دو مقامات سے بادلیل اختلاف کرے اور اس کے پاس مضبوط اور ٹھوس دلائل ہی کیوں نہ ہوں اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں۔ انہیں تو کم از کم کنز الایمان شریف کے اس ترجمہ کو صحیح ماننا چاہیے۔

یاد رہے کہ یہ ترجمہ صرف اعلیٰ حضرت کا نہیں ہے بلکہ تمام اکابرین نے اس آیۃ کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر جلالین شریف، صاوی، جمل، قرطبی، مظہری، شیخ زادہ علی البیضاوی، عنایت القاضی شرح بیضاوی، تفسیر انوار التنزیل، تفسیر ابوسعود، خازن، مدارک، کشاف، روح المعانی، روح البیان، البحر المحیط، نیشاپوری، ابن کثیر، ابن جریر، معالم التنزیل، تفسیر کبیر، سراج منیر، حسینی اور تفسیر جامع البیان نیز شفا شریف، نسیم الریاض، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، زرقانی، تفسیر حداد، تفسیر ثعالبی، تفسیر قشیری، تفسیر ماتریدی ان جملہ حضرات نے آیۃ کریمہ کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

حضور غوثِ پاک علیہ الرحمہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جبریل علیہ السلام ستائیس رجب کو پیغمبری لے کر آئے"

علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ نے میزان الاعتدال میں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ الخواطر میں تصریح کی ہے کہ غنیۃ الطالبین حضور غوث پاک کی کتاب ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع القمرین میں فرمایا کہ یہ کتاب غوث پاک کی طرف سے مشہور ہے۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفسیر کشاف جلد چار میں آیہ کریمہ حتیٰ اذا بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ (الاحقاف:۱۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کوئی نبی بھی چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں ہوا۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت اپنی کتاب البرھان فی علوم القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت اس وقت عطا ہوئی جب سورۃ اقراء نازل ہوئی۔ اصل عبارت قیل اول ما نزل للرسالۃ یا ایھا المدثر و للنبوۃ اقراء باسم ربک۔

بعض شبہات کا ازالہ:

بعض حضرات تمہید عبدالشکور سالمی کی یہ عبارت پیش کر کے ہماری تکفیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں کہ "جو کسی نبی سے نبوۃ کا زوال جائز مانے وہ کافر ہے"

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اسی تمہید کے ص ۸۲ پر مذکور ہے کہ نبوت و رسالت کی تعریف یہ ہے کہ وحی بھی پائی جائے اور تبلیغ بھی پائی جائے۔ یہ عبارت ان حضرات کو کیوں نظر

نہیں آتی؟

مزید گزارش یہ ہے کہ عالمِ ارواح میں نبوت تسلیم کرنے کے بعد چالیس سال کے بعد نبوت تسلیم کرنا اور اس سے پہلے ولی تسلیم کرنا۔ اس میں پہلی نبوت کا زوال نہیں ہے۔ بلکہ روح اقدس کے بدن اقدس کے مجرد ہونے کے بعد بدن اقدس سے حلول کرنے کی وجہ سے احکام کا اختلاف تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ روح مجرد عن البدن ہو تو احکام اور ہیں اور روح بدن سے متعلق ہو تو احکام اور ہیں۔

مزید گزارش ہے کہ متٰی وجبت لک النبوۃ خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ظنی دلیل میں تاویل کرے اور دیگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس تاویل پر شاہد عادل تو پھر وہ تاویل کرنے والا کیسے کافر ہوگا۔ جبکہ خبر واحد کا منکر بھی کافر نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ شارحین کے بیان کردہ مطلب کو نقل کرنے والا۔ کاش کہ معترضین اعتراضات میں وقت برباد کرنے کی بجائے تھوڑا سا وقت نکال کر اکابر کی کتب کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرما لیتے۔

مزید گزارش یہ ہے کہ مسند امام احمد (جلد 5، ص:73) پر یہ الفاظ بھی ہیں متٰی کتبت نبیا ''آپ کی نبوت کا فیصلہ کب کیا گیا؟'' جب یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے مروی ہے تو پھر اس سے عالم ارواح میں بالفعل نبوت کا ثبوت قطعی کیسے ہو گیا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے:

ہمارے ہم عصر مدعیان علم و فضل تو اسے بھی کافر بنانے پر تلے ہوئے ہیں جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم اجسام میں چالیس سال تک بالفعل نبی نہ مانے، لیکن ان مہربانوں کو کون بتائے کہ محدثین کی اکثریت عالم ارواح میں بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفعل نبی تسلیم نہیں کرتی۔ یہ عجیب لطیفہ ہوگا کہ جو عالم ارواح میں نبی تسلیم نہ کریں وہ کافر نہ ہوں اور جو عالم ارواح میں نبی تسلیم کرنے کے بعد

چالیس سال تک انقطاع (اور وہ بھی معترضین کے بقول) تسلیم کریں وہ کافر ہو جائیں۔

نیز قرآن پاک میں ارشاد باری ہے واللّٰہ خلقکم وما تعملون (الصافات:۹۶) معتزلہ اس آیت کو دلیل بنا کر بندوں کو اپنے افعال کا خود خالق مانتے ہیں۔ اس کے باوجود علماء نے انہیں کافر نہیں قرار دیا کیونکہ وہ مؤول ہیں۔

جب قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل میں تاویل کرنے والا کافر نہیں ہے تو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت میں تاویل کرنے والا کیسے کافر ہو گیا؟

مزید استفسار یہ ہے کہ مفتیان کرام ارشاد فرمائیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بحر العلوم یہ حضرات سرکار علیہ السلام کو عالم ارواح میں نبی تسلیم کرتے ہیں مگر دنیا میں چالیس سال سے پہلے نبی تسلیم نہیں کرتے۔

کیا یہ حضرات کافر ہیں؟

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ، عالم ارواح میں سرکار علیہ السلام کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں حصول نبوت سے پہلے سرکار کو ولی مانتے ہیں تو پھر صدر الشریعہ کافر ہیں؟

حضرت مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سرکار علیہ السلام کو عالم ارواح میں نبی مانتے ہیں لیکن دنیا میں وحی سے پہلے ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز مانتے ہیں تو پھر کیا انہیں بھی کافر کہا جائیگا۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا:

انی عند اللّٰہ لمکتوب خاتم النبیین وادم لمنجدل فی طینتہ

اس کے بارے گزارش ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ اگر سرکار

علیہ السلام کو سب سے پہلے نبوت ملی ہے تو آپ خاتم النبیین کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر سب سے پہلے سرکار علیہ السلام ختم نبوت سے متصف تھے تو پھر بعد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کیسے مبعوث ہوئے؟

اس طرح تو پھر نانوتوی کا کلام ٹھیک ہو جائے گا کہ اگر بعد از زمانہ نبوی کوئی اور بھی نبی آجائے تو ختم نبوت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

نیز دیگر انبیاء علیہم السلام صرف علم الہٰی میں نبی تھے بالفعل نہیں تھے۔ تو پھر سرکار علیہ السلام ان سے آخری کیسے ہو گئے۔ آخری نبی ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کے بعد نبوت کا اعطاء ہو اور اس ہستی کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ جلد 11 میں اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ''ختم نبوت'' میں اس حدیث پاک کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا تھا۔ کسی شارح حدیث نے یہ معنی بیان نہیں کیا جو ہمارے ہم عصر ''مدعیانِ علم وفضل'' بیان فرما رہے ہیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب خصائص کبریٰ سے امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف بعثت اور تبلیغ موخر ہے۔ لیکن آپ کا نبی بنایا جانا اس میں کوئی تاخر نہیں ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کو شامل ہے۔

اس کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وقت ولادت سے ہی نبی ہیں اور اُن کی اسی عبارات کے اندر یہ الفاظ بھی موجود ہیں انما یفترق الحال فیما قبل بلوغ الاربعین من حسدہ ﷺ۔

مزید گزارش یہ ہے کہ علامہ نبہانی نے جواہر البحار جلد دوم میں شیخ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام پیش کیا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

''نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نبوت دو بار عطا کی گئی۔ ایک بار عالم ارواح جو ارواح انبیاء کیلئے تھی۔ اس لحاظ سے تمام انبیاء آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہو گئے اور اُن کی امتیں بالواسطہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امتیں ہو گئی۔ اس لحاظ سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تمام اولین کے نبی ہو گئے۔ یعنی سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جسم اقدس کے ظہور سے پہلے کے لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم ارواح میں (ارواح انبیاء کیلئے) مربی ہونے کی وجہ سے آپ کی امت میں شامل ہو گئے۔ دوسری بار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس سال بعد عطا کی گئی''

یہی عبارات جو ہمارے مہربان خصائص کبریٰ سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''اگر کوئی یہ کہے کہ نبوت تو چالیس سال کے بعد ملتی ہے تو پھر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے پہلے نبوت ملنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے جواب میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت اس صورت میں ملتی ہے جب روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہو اور جسمانی طور پر عمر چالیس سال کی ہو چکی ہو اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح اقدس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور روح اقدس کو اسی وقت نبوت عطا فرمائی''

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں کہ

''عالم اجسام میں انبیاء علیہم السلام سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی نہیں ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف صحیح میں وارد ہوا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی بنادے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ تم مقدم ہو اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام موخر ہیں''

مزید علامہ خفاجی نے ارشاد فرمایا کہ

''ارشاد باری تعالیٰ ہے انا اوحینا الیك كما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ مزید ارشاد باری ہے واتبع ملة ابراهیم حنیفا اسی طرح ارشاد باری ہے اولئك الذین هدی الله فبهدٰهم اقتده۔

مزید انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ آپ کے امتی ہوں جیسے اللہ رب العزت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اللہ رب العزت آپ علیہ السلام کا امتی ہے''

(نسیم الریاض جلد اوّل ، ص243)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم اجسام میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام دیگر انبیاء کے نبی ہیں۔ بلکہ ان کے کلام کا مطلب ہے کہ اگر وہ انبیاء سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ہوتے یا سرکار دوعالم ﷺ ان کے زمانہ میں مبعوث ہوجاتے تو وہ نبی پاک علیہ السلام کے امتی بننے کے پابند ہوتے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے ان سے عہد لیا تھا'' (زرقانی جلد اوّل ص24)

مزید گزارش یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے انبیاء میں مبعوث ہونے سے پہلے سارے انبیاء علیہم اسلام اپنی اپنی شریعت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اور اپنے اپنے کلمے پڑھواتے رہے۔ بلکہ

عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا: انی رسول اللہ الیکم۔ لیکن یہی عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہوں گے تو نبی پاک علیہ السلام ﷺ کے دین کے مبلغ بن کر تشریف لائیں گے۔ اپنا کلمہ نہیں پڑھائیں گے بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کا کلمہ پڑھائیں گے۔ تو ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ کو عالم ارواح میں جو نبوت ملی تھی۔ وہ صرف ارواح کیلئے تھے۔ دنیا میں موثر نہیں تھی ورنہ انبیاء علیہم السلام ﷺ اپنے اپنے دین کی تبلیغ نہ کرتے۔ اسی لئے جب سرکار علیہ اسلام کو عالم اجسام میں نبوت عطا ہوئی تو باقی سب انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں منسوخ ہوگئیں۔ ہمارے مہربان اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ معراج کی رات عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام فرمارہے ہیں: غلام بعث بعدی اگر وہ سرکار علیہ السلام کے عالم اجسام میں امتی ہوں۔ تو پھر یہ الفاظ وہ کس طرح استعمال کرسکتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ القول المحرز میں امام سبکی سے نقل کیا ہے کہ:

"نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ نبوت سے پہلے بھی معصوم ہیں اور نبوت کے بعد بھی"

یہی عبارت شیخ محقق نے بھی مدارج النبوت میں درج فرمائی ہے۔ اگر علامہ سبکی دو مرتبہ نبوت میں متامل ہوتے تو وہ قبل النبوۃ کے الفاظ کیوں استعمال فرماتے؟۔ کیونکہ تقدم الشیئ علی نفسہ تو باطل ہے۔ اگر نبوت سے پہلے بھی نبوت ثابت ہو تو پھر قبل النبوۃ کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔ کیونکہ جب سارا دورانیہ ہی بعد از نبوت کا ہے تو لفظ قبل ذکر کرنا مہمل ہو جائے گا۔ نیز اگر قبل کا بھی وہی معنی ہے۔ جو بعد کا ہے تو بعد قبل اور بعد میں فرق کیا رہے گا؟۔ حالانکہ قبل اور بعد آپس میں متقابلین ہیں اور تقابل کا معنی یہی ہے کہ دونوں کا معنی ایک دوسرے کے برعکس ہو۔ اس سلسلے میں آخری گذارش یہی ہے۔ کہ علامہ سبکی کا مذکورہ رسالہ التعظیم والمنۃ علامہ نبہانی نے حجۃ اللہ علی العالمین میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ زرقانی نے اپنی شرح

مواہب میں نقل کیا ہے، اس کے باوجود علامہ زرقانی نے اپنی شرح مواہب جلد پنجم میں اور علامہ نبہانی نے حجۃ اللہ علی العالمین میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نبوت سے پہلے مقام ولایت پر فائز تھے۔ ثابت ہوا علامہ سبکی کے مذکورہ رسالہ کا جو مطلب ہمارے بزرگ سمجھ رہے ہیں۔ وہ مطلب ان جلیل القدر بزرگوں کو بھی سمجھ نہیں آیا۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ولی پر بھی تبلیغ ضروری ہے تو پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ نے تبلیغ کیوں نہیں فرمائی؟۔ اس کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ نبی پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہوتی ہے۔ جبکہ ولی پر اس صورت میں فرض نہیں ہوتی جب کوئی معاند ہو، جیسا کہ جامع ترمذی شریف میں سید الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی مروی ہے کہ:

"جب تم دیکھو کہ لوگ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھتے ہیں تو پھر تم صرف اپنا خیال کرو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو"

نیز اس بات کی بھی ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ نبی پر تبلیغ فرض نہ ہو اور ولی پر فرض ہو حالانکہ نبی کی شان یہی ہے فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین۔ انا ارسلنک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ ظاہر بات ہے مبشر نذیر ہونا بغیر تبلیغ کے ممکن ہی نہیں۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک آپ ﷺ نے تبلیغ اس لئے نہیں فرمائی کہ آپکو حکم نہیں تھا۔ ان سے گذارش ہے کہ ہمیں دکھائیں یہ حکم کہاں نازل ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں فرمانی۔ شرح مواقف میں ہے کہ نبی ﷺ ہوتا ہی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ

فرمائے کہ میں نے تمہیں فلاں قوم کی طرف بھیجا ہے، کہ تم انکو تبلیغ کرو۔

قبلہ کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "مقالات کاظمی" جلد سوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق میں اخفائی دعوت اور ترک تبلیغ محال ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نیا مسئلہ چھیڑ کر خواہ مخواہ فتنہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس بارے میں گذارش ہے کہ جس مسئلہ پر تقریباً چھ قرآنی آیات موجود ہوں اور پانچ احادیث صحیحہ موجو ہوں، اور اجماع امت ہو اس کو فتنہ کہنا بجائے خود بہت بڑا فتنہ ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو چھپانا چاہیے، اور اپنے دلائل کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنے چاہییں۔ اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ جن حضرات کا عقیدہ ہے کہ نبی پاک ﷺ علیہ الصلوۃ والسلام نے چالیس سال تک نبوت چھپائی، ان کو چاہیئے کہ کم از کم چالیس سال تو خاموشی اختیار کریں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود ایک حدیث پاک بھی نہیں چھپا سکتے اور ایک مہینہ بھی خاموشی اختیار نہیں کر سکتے اور سرکار ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ نے چالیس سال تک نبوت کو معاذ اللہ چھپائے رکھا۔ ہمارے مہربان ان آیات پر ذرا توجہ فرمائیں:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی الخ

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه

ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیه یختلفون

ایک اور شبہ کا ازالہ، حضور پیر سیال علیہ الرحمہ کا عقیدہ:

بعض حضرات کو جب کوئی اور دلیل نہیں ملتی تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ عقیدہ حضور پیر سیال

کے خلاف ہے۔ اس بارے میں گذارش ہے کہ حضور پیر سیال علیہ الرحمہ کے ملفوظات مبارکہ جو مرآۃ العاشقین کے نام سے چھپ چکے ہیں (فارسی ایڈیشن کے صفحہ ۲۰ مترجم ۲۹) پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

''ورقہ بن نوفل نے عرض کیا کہ اے خدیجہ تمہیں مبارک ہو کہ نبی پاک اس اُمت کے نبی ہیں اور یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے''

اب ہمارے مہربان حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ پیدا ہوئے تو یہودیوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ اس اُمت کے نبی ہیں۔ یہودی بھی آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن سے نبی مانتے ہیں۔ تو چالیس ۴۰ سال کے بعد نبوت ماننے والے یہودیوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

جواباً گزارش ہے کہ گزشتہ اوراق میں ہم اس مسئلہ کے بارے میں اجماع امت، تقریباً دس صحابہ کے اقوال اور اگر حضرت ورقہ کو بھی صحابی مان لیا جائے جیسا کہ نسیم الریاض جلد دوم ۳۷ پر جمہور علماء کا قول ذکر کیا گیا ہے، تو پھر گیارہ صحابہ کے اقوال بن جائیں گے، پانچ مرفوع حدیث اور پانچ آیات قرآنیہ بھی پیش کر چکے ہیں، ہمارے مخالفین بجائے ان دلائل شرعیہ پر ایمان لانے کے یہودیوں کا قول کیوں پیش کرتے ہیں؟ اور یہودیوں کے قول پہ کیوں ایمان لاتے ہیں؟

سرکار علیہ السلام ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ''حتی اکرمنی الله بنبوته'' سرکار علیہ السلام ﷺ خود بھی اپنے آپ کو بچپن سے نبی نہیں مانتے تو پھر نبی پاک علیہ اسلام ﷺ کے بارے میں یہ لوگ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کیا گل افشانی کریں گے؟

نیز جو حضرات یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہودیوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کو بچپن سے نبی مانا، جو بچپن سے نبی نہ مانے وہ یہودیوں سے بھی بدتر ہے، ان کو شفا شریف کی اس عبارت پر غور کرنا چاہیے۔

وکذلك نقطع بتكفير كل قائل قال قولا يتوصل به الى تضليل الامة

ہمارے مہربان حضرات کو غور کرنا چاہیے کہ سیرت نگاروں نے صرف یہودیوں کا قول نقل کیا ہے یا انھوں نے خود چالیس سال بعد نبوت کے ملنے کا قول کیا ہے۔ انہوں نے تو اجماع بھی نقل کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کو نبوت چالیس سال کے بعد ملی۔ نیز یہودی کا یہ قول کہ آپ ﷺ اس اُمت کے نبی ہیں مستقبل کے لحاظ سے تھا۔ کیونکہ وہ توراۃ میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی علامات پڑھ چکا تھا۔

نوٹ:

ہمارے مہربان اس مسئلہ میں شرح فقہ اکبر پر بہت اعتماد کرتے ہیں، حضرت ملا علی قاری نے اس کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر ارشاد فرمایا کہ "حضرت قاسم، نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم نبوت کے بعد پیدا ہوئے"

محسنین اہلسنت سے ایک استفار:

ہمارے یہ مہربان ارشاد فرمائیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کے والدین کریمین صحابی نہیں۔ جبکہ حضرت آمنہ کا وصال اس وقت میں ہوا جب آپ کی عمر چھ ۶ سال تھی۔ زید بن عمرو بن نفیل نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کا زمانہ پایا ہے لیکن اعلان نبوت کا زمانہ نہیں پایا اس لیے امام ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں اور علامہ عراقی نے ان کی شرح میں لکھا ہے کہ زید

بن عمرو بن نفیل صحابی نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے دیکھا اور صحابی ہوتا ہے جو نبوت کے بعد سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی زیارت کرے۔ اگر نبی پاک ﷺ بوقت ولادت سے نبی تھے تو علماء کے ان اقوال کا کیا مطلب ہے؟

آخری گذارش:

بعض اہل علم ایسے ہیں کہ جب ان کا اور کوئی بس نہیں چلتا تو کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے اکابر نے یہ لکھا ہے لیکن ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے پاس حدیث موجود ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ جن بزرگان دین کے اقوال اس مسئلہ کے بارے میں ہم نے پیش کیے ہیں انہی کے اقوال ہم دیوبندیوں، وہابیوں کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے خلاف ان کے اقوال قابل غور ہیں تو اس مسئلہ میں کیوں قابل قبول نہیں ہیں؟

نیز کسی آیت یا حدیث کا وہ مفہوم معتبر ہوگا جو محدثین، علمائے کلام، مفسرین اور شارحین بیان کریں گے یا جو ہمارے یہ مہربان اپنے ذہن رسا سے پیش فرمائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، واتبع سبیل من اناب الی

''میری طرف رجوع کرنیوالوں کی اتباع کرو''

نیز فرمایا ؛ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

(مجھ سے دعا کیا کرو کہ) ہمیں سیدھی راہ پر چلا یعنی ان کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا

اور منعم علیھم یہ حضرات ہیں

انعم اللہ علیھم من النبین والصدقین والشھداء والصالحین۔

مرادِ ما نصیحت بود و کردیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

الاستدراکات:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو حوالہ جات دیے گئے ہیں وہ بعثت کے بارے میں ہیں اور بعثت سے مراد اعلان ہے نہ کہ اعطائے نبوت۔

اس بارے میں گذارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا

اس طرح ارشاد باری ہے: ولقد بعثنافی کل اُمۃ رسولاً

اسی طرح فرمایا: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً

اسی طرح فرمایا: عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً

اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں،

اسی طرح حدیث پاک میں ہے:

وابعثہ مقاما محمود الذی وعدتہ۔ (بخاری شریف)

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے:

ان اللہ یبعث لھذہ الاُمۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم

نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا: انا دعوۃ ابی ابراھیم

نیز ہمارے بزرگ اس بات پر غور فرمائیں کہ بعثت تو ہر نبی کی پائی گئی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: رحمۃ اللہ علیہ

فبعث اللہ النبیین

کیا سارے انبیاء علیہم السلام نے چالیس سال کے بعد اعلان کیا نبی بچپن ہی سے تھے؟ پھر اس میں نبی پاک علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہوگی؟ حالانکہ کنت نبیاً۔۔۔الخ مقام اختصاص میں وارد ہے۔

ایک اور شبہ اور ازالہ:۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے چاہے مہد میں ہو یا شباب میں۔

اس سلسلے میں گذارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

ولما بلغ اشده واستوی آتینه حکماً وعلماً

اس کی تفسیر میں تقریباً ہر مفسر نے یہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس برس کی عمر میں ملی ہے۔ اور ہر نبی کو نبوت چالیس برس کی عمر میں ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

صاوی علی الجلالین، قرطبی، معالم، خازن، مدارک، کشاف، بیضاوی، شیخ زادہ، عنایت القاضی، ابو منصور، البحر المحیط، نیشاپوری، مظہری، ابن جریر، ابن کثیر، روح البیان، تفسیر حسینی، زاد المسیر، روح المعانی، تفسیر کبیر، نسیم الریاض جلد اول ۴۸۴،

نیز موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد قرآن پاک میں موجود ہے:

ففررت منکم لما خفتکم فوهب لی ربی حکما وجعلنی من المرسلین

ارشاد باری ہے: انی اخترتك فاستمع لما یوحی

نیز ہارون علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبیاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری

اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: لقد اوتیت سؤلك یاموسیٰ

ان آیات سے صاف ہے کہ ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نبوت ملی۔ اگر حضرت ہارون پیدائشی نبی تھے تو حضرت موسیٰ کے ان کے لیے نبوت مانگنے کا مطلب ہوگا؟ نیز یہ تو پوری اُمت میں سے کسی کا نظریہ نہیں ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ مگر

ادعی فعلیہ البرہان

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں مانتا کہ نبی پاک علیہ السلام ﷺ چالیس ۴۰ سال کے بعد نبی بنے ہوں۔ جواب میں گذارش یہ ہے کہ دلائل شریعت کے چار ہیں، قرآن وسنت، اجماع اور قیاس۔ دل دلیل نہیں ہے۔ پھر اگر دل کی بات مانیں تو ہمارا دل بھی نہیں مانتا کہ آپ علیہ السلام ﷺ چالیس ۴۰ برس نبوت کو چھپائے رکھیں۔

نیز دل کی ماننے والوں سے گزارش ہے کہ درج ذیل آیات واحادیث کو غور سے پڑھیں:

ارشاد باری ہے: فلا وربک لایومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلمو تسلیما۔

اسی طرح فرمایا: وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون له لهم الخیرة من امرهم

حدیث پاک جو بسند صحیح مروی ہے: لایومن احد کم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به ارشاد باری ہے: لواتبع الحق اهواء هم لفسدت السماوات والارض۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت وحی کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

گزارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلنك من قبلك الا رجالا نوحی الیهم

اسی طرح ارشاد باری ہے: لولانزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ اهم یقسمون رحمة ربك اسی طرح ارشاد باری ہے: قل انما انا بشر

مثلکم یوحی الی

المعتقد میں تصریح موجود ہے کہ نبی پاک علیہ السلام کی جہت امتیاز باقی انسانوں سے وحی نبوت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انزل علیہ الذکر من بیننا

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سرکار علیہ السلام کو چالیس ۴۰ سال سے پہلے نبی مانتے ہیں۔

جواباً گزارش ہے کہ علامہ خیالی اپنی شرح عقائد کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کا امر نبوت کو مستلزم تب ہی ہوتا ہے جب تبلیغ کے لیے ہو''

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ بھی اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''نبوت اللہ اور بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے، وہ تبھی ثابت ہوگی جب تبلیغ کے لیے حکم پایا جائے''

ان دونوں حضرات نے یہ بات شرح عقائد کے اس قول کے ماتحت لکھی ہے ''ابو الانبیاء آدم''

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام پر چالیس سال سے قبل بھی وحی آتی تھی۔ اس بارے میں گذارش یہ ہے کہ وہ وحی الہام ہے نہ کہ وحی نبوت، وحی الہامی بھی ہوتی ہے ''اذیوحی ربك الی الملائکة''، ''اوحینا الی ام موسی''

ایک اور شبہ کا ازالہ: بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ''نَبِیّ'' کا معنی اعلان ہے، اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی کتاب ختم نبوۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ نبی کا مطلب عطائے نبوت ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر اس کا معنی اعلان بھی ہو تو اعلان فوراً بھی تو ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ چالیس سالہ اخفاء کے بعد اعلان پایا جائے۔

تنبیہ: امام ابن جریر، طبری اور امام ثعلبی نے آیہ مبارکہ جعلنی نبیا کا مطلب یہی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) نبوت کا فیصلہ فرما دیا ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا استدلال حدیث پاک سے ہے جبکہ دوسری طرف اقوالِ علماء ہیں، اور ظاہر ہے کہ اقوال علماء کی حدیث پاک کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ صرف اقوال علماء ہی نہیں بلکہ اقوال خدا بھی ہیں گذشتہ اوراق میں ہم سورۃ یونس کی آیت نمبر ۱۶، سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۲، سورۃ قصص کی آیت نمبر ۸۶، آیہ کریمہ ماکان محمد ابا احد من رجالك ولكن رسول الله وخاتم النبين۔ نیز سورۃ الضحیٰ کی آیت کریمہ ووجدك ضالا فهدی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور ان کی تفسیر اپنی رائے سے نہیں بلکہ مسلمہ مفسرین اور اکابر علماء کے اقوال کی روشنی میں پیش کر چکے ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیات قطعی الثبوت ہیں اور ہمارے مخالفین جو حدیث پاک پیش کرتے ہیں وہ خبر واحد ہے۔

اور اصول کے مطابق خبر واحد کا ایسا معنی کیا جائے گا، جو آیات کریمہ کے مطابق ہو۔ لہٰذا حدیث پاک سے مراد عالم ارواح کی نبوت ہوگی۔ اور ان آیات کریمہ سے مراد یہی لیا جائے گا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف کی چالیس برس کا عرصہ ولایت کبریٰ کا دور ہے۔

نیز اگر کنت نبیا و آدم بین الماء والطین حدیث پاک ہے تو صحیح ابن حبان کی یہ حدیث پاک بھی تو موجود ہے۔ اول الانبیاء آدم و آخر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

تطبیق یہی ہوگی کہ عالم اجسام میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی اور آدم علیہ السلام اول ہیں، جیسا کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد پاک ہے:

جعلنی فاتحا و خاتما

نیز بدء الوحی والی حدیث پاک تو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اور ہمارے مخالفین جو روایت پیش کرتے ہیں وہ جامع ترمذی کی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ متفق علیہ حدیث پاک کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور سنن ترمذی کی حدیث پاک کا خود ساختہ مفہوم لے کر اہل حق کی تکفیر کی جائے۔

نیز یہ کہنا کہ ہمارے پاس حدیث ہے اور تم علماء کے اقوال پیش کر رہے ہو درست نہیں اس لیے کہ ہم اقوال علماء کو حدیث پاک کے مقابلے میں پیش نہیں کر رہے ہیں بلکہ جامع ترمذی کی حدیث کا معنی متعین کرنے کے لیے پیش کر رہے ہیں، اور یہ رستہ ہمیں اللہ تعالی نے سکھایا ہے، اس کا حکم ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

آخری شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چالیس برس کے بعد نبوت کیوں عطا کی گئی؟ یہ تو بہت زیادہ وقفہ ہے۔ جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ اللہ رب العزت کا فعل ہے اور آیت کریمہ

لایسئل عما یفعل نیز ارشاد باری تعالی ہے: فعال لما یرید

اور مشہور مقولہ ہے فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

اکابر علماء اور صوفیائے کرام کے ارشادات

◎ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

جبرئیل علیہ السلام 27 رجب کو پیغمبری لیکر آئے۔ (غنیۃ الطالبین)

خواجہ حضور پیر سیال کے استاد شارح بخاری حافظ عمر دراز رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا ارشاد:

حضور ﷺ کی نبوت کی مدت 23 سال اور حضور ﷺ کا فرمان ''خشیت علی نفسی'' بار نبوت کی وجہ سے تھا کہ میں نبوت کی ذمہ داری کس طرح ادا کروں گا۔ (منح الباری ص 9

کذا فی تیسیر القاری ص 8 شیخ نور الحق۔

◎ حضور پیر سیال خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تمہیں خوشخبری ہو حضور ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کا آغاز ہے۔ (مرآۃ العاشقین، فارسی ص 20 اردو ص 29)

◎ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

جب سورۃ اقراء نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی تو قریب تھا کہ کلام الٰہی کی ہیبت سے روح اقدس پرواز کر جائے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چادر اڑھاؤ جب چادر اڑھائی گئی تو آپ ﷺ کا اضطراب کم ہو گیا۔ (مطلع القمرین ص 123) نوٹ: یہاں رسالت سے مراد نبوت ہے۔

◎ حضور پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

چوں رسید ﷺ بچہل سال و یک روز خدا تعالیٰ بروے نبوت نازل فرمود۔ جبرئیل علیہ السلام درغار حرا بروے فرستاد۔ (تحقیق الحق ص 133)

جب حضور ﷺ کی عمر 40 سال اور ایک دن کو پہنچی اللہ تعالیٰ نے نبوت کو آپ پر نازل فرمایا اور غار حرا میں جبرئیل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز 8 ربیع الاول سوموار کو ہوا۔

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام یونیورسٹی روڈ سرگودھا